گلشن توحید و رسالت



جلد اوّل

امام المناظرین شرف العلماء علامہ ابو الحسنات
محمد اشرف سیالوی زید مجدہم

اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

گلشنِ توحید و رسالت

بجواب

جلد اوّل

گلدستۂ توحید

— از —

امام المناظرین شرف العلماء علامہ ابوالحسنات
محمد اشرف سیالوی زید مجدھم

ناشر
اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ پاکستان

نام کتاب	گلشن توحید ورسالت (جلد اول)
مصنف	اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی
تزئین واہتمام	محمد ناصر الہاشمی
اشاعت بار سوم	فروری 2008ء
تعداد	1100 سو
قیمت	[redacted] روپے

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا فون نمبر: 0451-724695

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور فون نمبر: 042-7221953

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد فون نمبر: 041-626046

فرید بک سٹال 38 اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7312173

مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور فون: 042-7324948

احمد بک کارپوریشن راولپنڈی فون نمبر: 051-5558320

مکتبۃ المجاہد بھیرہ شریف فون نمبر: 048-6691763

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضرورت کتاب

سرزمین نجد میں پیدا ہونے والے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اسلام کے عقائد و اعمال کی ایسی تشریح کی جو آئمہ و علماء امت سے ہٹ کر تھی۔ انہوں نے پہلی دفعہ انبیاء و اولیاء کو بتوں کی قطار میں لا کھڑا کیا۔ حالانکہ کہاں خدا ساختہ انبیاء و اولیاء اور کہاں خود ساختہ بت' بتوں کو اللہ تعالیٰ نے شفیع نہیں بنایا مگر اپنے دوستوں کو درجہ شفاعت عطا فرمایا ہے خصوصاً سرور دو عالم ﷺ کو مقام محمود (مقام شفاعت) عطا فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً یقیناً آپ کو آپ کا رب مقام محمود عطا فرمائے گا۔ (سورہ الاسرا)

بتوں کو اس نے کوئی طاقت و تصرف عطا نہیں کیا مگر اپنے مقربین کو حسب درجہ تصرف و قوت عطا فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں اپنے ایک ولی کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کہ بلقیس کا تخت لاؤ ایک جن نے عرض کیا میں مجلس برخواست ہونے سے پہلے لاتا ہوں۔ فرمایا اس سے پہلے چاہیے۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک. اُس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا میں اسے آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے لاتا ہوں (سورہ نمل)

بلکہ بخاری کی حدیث قدسی میں ہے کہ جب بندہ میرا قرب پاتا ہے تو اُس کی توانائیاں اپنی نہیں رہ جاتیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توانائی کا مظہر ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اُس کی دی ہوئی خصوصی طاقت سے سُنتا' دیکھتا' چلتا اور سوچتا ہے۔ کیا یہ مقام کسی بُت کا ہو سکتا ہے۔؟ پھر کسی بُت کے بارے میں تعریفی کلمہ کہنا کفر ہے۔ مگر انبیاء و اولیاء کی شان کا بیان ایمان ہے۔ بُت دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ مگر اللہ کے دوستوں کی شفاعت سے ہم جیسے گناہ گار جنت پائیں گے۔ بتوں کی راہ ہی کوئی نہیں۔ حالانکہ انبیاء و اولیاء کی راہ پانے کی ہم ہر وقت دعا کرتے ہیں۔ اگر بت اور صلحاء ایک ہی ہوتے تو اُن کی راہ اپنانے کی دعا کفر قرار پاتی۔ بُت ذلیل ہیں اور خدا کے انبیاء و اولیاء عزیز اور صاحب عزت ہیں۔ حضور سرور دو عالم ﷺ نے سچ فرمایا کہ نجد کی سرزمین سے شیطان کا سینگ پیدا ہوگا اور فتنہ کا سبب بنے گا۔ اُس وقت کے علماء اہلسنت کا متفقہ فتویٰ تھا کہ اس ارشاد نبوی کا مصداق یہی محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے جس نے غلط تشریحات کے ذریعے اسلام میں افتراق اور انتشار پیدا کیا۔ پھر ہندوستان میں کچھ لوگ اس کی تعلیمات سے متاثر ہو گئے۔ مثلاً شیخ اسماعیل دہلوی' انہوں نے اس کی تعلیمات کو اُردو میں ڈھال دیا۔ جس سے یہاں فساد برپا ہو گیا۔ اس نجدی تحریک سے متاثر ہو کر مولانا سرفراز صفدر گکھڑوی نے گلدستہ توحید کے نام سے

کتاب لکھی جس میں اللہ تعالیٰ کے مقربین انبیاء و اولیاء کے اختیارات و تصرفات کا جی بھر کر انکار کیا اور انہیں وہی درجہ دیا جو کسی بھی خود ساختہ بُت کا ہوتا ہے۔ ضرورت تھی اس بات کی کہ کوئی صاحب علم و فضل ان مغالطہ آمیز تحریروں کا پوسٹ مارٹم کر کے اُمت کے لئے کتاب و سنت کی صحیح راہ متعین کرتا۔ تا کہ خود ساختہ اور خدا ساختہ تصورات میں فرق کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے استاذ العلماء امام العصر علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کو توفیق دی کیونکہ جہاں وہ کتاب و سنت اور عقائد اہل سنت سے خوب آگاہ ہے۔ وہاں وہ نجدیت کی جڑوں سے خوب واقف ہیں۔ بحمد اللہ کتاب گلشن توحید و رسالت کے ذریعے اُنہوں نے عقائد اسلام کو واضح کر دیا ہے۔ کہ یہ منصف کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آئے گا۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص سے ہماری درخواست ہے کہ ایک دفعہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں تا کہ رائے قائم کرنا آسان ہو جن لوگوں نے سماع موتی پر آپ کی کتاب جلاء الصدور کا مطالعہ کیا ہے وہ از خود محسوس کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مصنف موصوف کو کتاب و سنت کی تعلیمات پر کس قدر گہرائی عطا فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کتب اپنے اپنے موضوعات پر حرف آخر قرار پائیں گی۔ ان سے بڑھ کر اس دور میں شاید ہی کوئی تحقیق پیش کی جا سکے۔ اس لئے اہلسنت پر آپ کا یہ عظیم احسان بھی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ العلماء کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے لئے اسے نافع اور مفید بنائے تا کہ غلط نظریات کا قلع قمع ہو اور ہر دل میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے اولیاء کا احترام و اکرام پیدا ہو جائے اور آپ کا سایہ تا دیر امت مسلمہ پر قائم رہے۔

اللہ تعالیٰ الحاج ملک عبدالمجید صاحب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ جو اس کتاب کی طباعت کا انتظام کر کے لوگوں تک پہنچانے کا سبب بنے۔

محتاج دعا

محمد خان قادری

خادم کاروانِ اسلام

۷ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بروز جمعرات

فہرست مضامین

[1] علیہم السلام۔

کیا مشرکینِ عرب نبوّت، قرآن اور قیامت کے انکار کی وجہ سے مشرک قرار پائے؟

۴۰۹ گلشنِ توحید و رسالت:

کیا شرک کے علاوہ دیگر کفریہ عقائد قابلِ مواخذہ اور موجبِ عذاب نہیں؟

تجیبیہ: کیا امکانِ رسالت مان لینا کافی ہے بالخصوص حضور سیّدِ انبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

۴۱۴ گلدستۂ توحید (باب دہم):

غیر اللہ کو مصیبت کے وقت پکارنا کیوں شرک ہے؟

۴۱۵ گلشنِ توحید و رسالت:

مؤلّف کا مدبرِ واحد پر تمام مشرکینِ کے اتّفاق کا دعویٰ سراسر باطل دعویٰ ہے۔

۴۲۲ گلدستۂ توحید:

اِلٰہ کا معنیٰ، صرف فریاد رس، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

۴۲۴ گلشنِ توحید و رسالت:

اِلٰہ کے معنیٰ و مفہوم میں مغالطہ آفرینی کی ناکام سعی۔ "

کلمۂ توحید کا صحیح مفہوم اور اللہ کا حقیقی معنیٰ۔ اہم اور نفیس بحث۔ "

۴۳۷ گلدستۂ توحید:

مشرکینِ عرب کا غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا ان کا شرک

سخنہائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

علّامہ سرفراز صاحب نے مختلف موضوعات پر قلم اُٹھایا اور اپنے اسلاف کے دفاع کی کوشش کی یا اہلِ سُنّت بریلوی حضرات کے عقائد پر اور ان کے اکابرین پر جرح و قدح اور ردّ و انکار کی سعی فرمائی اور سچّی بات یہ ہے کہ اپنے اسلاف کی نسبت اسلوبِ بیان اور طرزِ نگارش میں سرآمد روزگار بھی ثابت ہوتے اور اس لیے انہیں اپنے ہم مسلک اور ہم مشرب لوگوں میں مقبولیّتِ تامہ بھی حاصل ہوئی۔

سنہ ۱۹۶۱ء میں بندہ ابھی ابھی کُتبِ درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوا ہی تھا کہ میرے کرم فرما اور محسنِ عظیم حضرت علّامہ ابُوالفتح محمّد اللّٰہ بخش صاحب علیہ الرحمہ مہتمم شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ (واں بھچراں ضلع میانوالی) نے علّامہ صاحب کی کسی کتاب کا ردّ لکھنے کی فرمائش کی اور ان کی تحریرات سے مسلکِ حقّہ پر پڑنے والے بُرے اثرات کی طرف متوجّہ کیا لیکن بندہ نے یہ سوچ کر کہ بڑے بڑے اکابر موجود ہیں اور بالخصوص جن حضرات کو علّامہ سرفراز صاحب نے اپنا مخاطب بنانے کی سعی کی ہے وہ بھی موجود ہیں اور ان کے ہونہار فرزندانِ ارجمند بھی تو بندہ کے اس میدان میں قدم رکھنے

کی چنداں ضرورت نہیں لہٰذا تعمیلِ ارشاد اور امتثالِ حکم سے قاصر رہا۔

تا آنکہ ۱۹۸۶ء میں منکیرہ میں مولانا احمد حسن صاحب کے ہاں جلسہ پر حاضری کا موقعہ ملا تو انہوں نے علاّمہ سرفراز صاحب کا ایک رسالہ گلدستۂ توحید بندہ کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کا ردّ ضرور بالضرور لکھا جانا چاہیے۔ بندہ نے عدیم الفرصتی اور صحت کے ناقابلِ رشک ہونے کا عذر کیا لیکن مسموع نہ ہُوا اور اصرار حد سے متجاوز ہُوا تو بندہ نے تعمیلِ ارشاد اور امتثالِ امر کی حامی بھر لی۔ چند دن بعد دارالعلوم ضیا شمس الاسلام میں سالانہ تعطیلات شروع ہوگئیں تو بندہ نے اس رسالہ کا جواب لکھنے کا آغاز کر دیا اور بحمدہٖ تعالیٰ دو ماہ میں "گلشنِ توحید و رسالت" کے نام سے مبسوط کتاب کا مسوّدہ تیار ہوگیا۔ لیکن پھر اسباق کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا اور تقاریر وغیرہ کی مصروفیات بھی مزید برآں تھیں اسلئے نظرِ ثانی کا معاملہ التوا پذیر رہا حتیّٰ کہ دوبارہ تعطیلات کا دَور آگیا اور وُہ مصروفیات کم ہوئیں تو اس اہم کام کو مکمل کرنے کی ٹھانی اور بطفیل مقربانِ بارگاہِ ناز کامیابی نصیب ہوئی اور یہ اہم ترین اور مبسوط کتاب "گلشنِ توحیدِ و رسالت" تیار ہوگئی جس میں علاّمہ سرفراز صاحب کے پیش کردہ دلائل کا علمی محاسبہ کیا گیا ہے اور ان کی طرف سے کی گئی تحریفات اور مغالطہ آفرینیوں کا پول کھولا گیا ہے اور حوالوں میں قطع و برید اور ہیرا پھیری کی مکمل نشاندہی بھی کی گئی ہے اور آیات کلامِ مجید اور احادیثِ رسُول صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ اور اسلاف کرام کے اقوال و ارشادات سے مؤلف کے غلط افکار اور فاسد نظریات کا ابطال کیا گیا ہے اور [illegible] سنت اور

اکابرینِ اُمّت کے ارشادات سے تہی دامن ہونا ثابت کیا گیا ہے کہ مشرکین اصنام واوثان کو صرف قبلہَ توجہ سمجھتے تھے اور معبود ومسجود بالکل نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے اصل معبودات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام علیہم الرّضوان ہی تھے ۔ حتّٰی کہ آپ کو مؤلّف موصوف کا واحد سہارا یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا دامن بھی اس کے ہاتھ سے جاتا دکھائی دیگا بلکہ اَپنے اکابرین دیوبند کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹتا محسوس ہوگا بلکہ صرف اور صرف اکیلے ہی اپنے توہمات اور تخیّلاتِ فاسدہ کے بادپا پر سوار ہوکر ہی نعرہ لگاتے نظر آئیں گے کہ عقل تسلیم نہیں کرسکتی کہ کوئی شخص بقائِ ہوش وحواس مٹّی، پتّھر اور لکڑی کے مجسّموں کو پوج سکتا ہے ؟

اور یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ قرآنِ مجید کے قطعی ارشادات اور احادیثِ مُبارکہ اور اکابرینِ ملّت کی تصریحات کے مقابل اس انفرادی سوچ اور ذاتی رائے کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے ؟ ناظرین وقارئین انشاء اللہ روزِ روشن کی طرح واضح اور بین دلائل کی روشنی میں محسوس کریں گے کہ علامہ سرفراز صاحب ظنون فاسدہ اور خیالاتِ کاسدہ کی سیاہ کالی رات میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں اور روزِ روشن کے اُجالوں میں راہِ حق کو دیکھنے کی سعادت سے سراسر حرمان نصیب ہیں۔

نیز علماءِ دیوبند کی قرآن دانی اور حدیث شریف میں مہارت کا بھانڈا بھی انشاء اللہ العزیز چوراہے میں پھوٹتا نظر آجائے گا اور اہم ترین عقائد

کے اثبات کے دوران قرآنِ مجید کے ارشادات سے فرار بلکہ ان کی مخالفت اور مصادمت دوپہر کے اُجالے کی طرح چشمِ بصیرت سے ہی نہیں چشمِ بصر سے بھی محسوس و شہود ہوگی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ ۔ ع

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سُن لے

علماءِ دیوبند اور نجد وغیرہ کے ساتھ اختلاف اپنی جگہ قائم ہے اور ہو سکتا ہے مدّتوں تک قائم رہے اگرچہ مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب نے تقویۃ الایمان جیسی شور افگن اور اختلافات برپا کر دینے والی اور اہل السُّنّت والجماعت کی جمعیّت اور وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالنے والی اور ان کو نجدیوں کے نقشِ قدم پر چلنے پر مجبُور کرنے والی کتاب لکھ کر کہا تھا کہ "میں جانتا ہُوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدّد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان اُمور کو جو شرکِ خفی تھے شرکِ جلی لکھ دیا گیا ہے ان وجُوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی ــ مگر توقّع ہے کہ لڑ بھِڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔"

(ارواحِ ثلاثہ اشرف علی تھانوی ص۱۰۳-۱۰۴)

مگر دُوسری صدی جارہی ہے اور مولوی صاحب موصُوف کی پیشگوئی حرف بحرف غلط ثابت ہو رہی ہے اور اختلافات و نزاعات ہیں کہ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں اور مولوی صاحب کے پیروکار شب و روز اسی فکر میں ہیں کہ اس آگ کو مزید بھڑکائیں اہل السُّنّت والجماعت کے نظریات و عقائد اور ان کے افعال و اعمال کو بدعت اور شرک کے

فتوے لگا کر اس آتش تو ہب میں جلا ڈالیں بلکہ سُنّیوں کا وجُود ہی لوحِ کائنات اور تختۂ ارض سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیں اور صفحۂ ہستی سے ان کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیں۔

مگر دُوسری طرف عوام اہل السُنّت تو خوابِ غفلت میں سرگرداں تھے ہی خواص بھی سکر و مستی کی حالت میں ہیں۔ ہمارے امراء تو دینِ متین اور مذہب برحق کی ترویج و اشاعت سے محروم تھے ہی وُہ خواص جن کا کھانا پینا، رہنا، سہنا، آرام و سکون اور عیش و عشرت اور شان و شکوہ، جاہ و جلال رُعب و دبدبہ اور امارت و غنا اور سیادت و قیادت اور تعظیم و تکریم صرف اور صرف اسلام کی بدولت تھی اور اللہ تعالیٰ کے بعد ان کو واجبُ الاحترام والتّوقیر صرف اسلام کی بدولت سمجھا جاتا تھا یعنی موجودہ مشائخ عظّام اور پیرانِ کرام کہلانے والے طبقہ نے ہی بالعموم اس کو نظر انداز کیا اور اس سے مکمّل بے اعتنائی اور لاپرواہی برتی الاّ ما شاء اللہ نہ خود اسلامی تعلیمات حاصل کیں، نہ اولادوں کو اس طرف راغب کیا اور نہ مُریدین میں ہی ایسا جذبہ پیدا کیا اور نہ ہی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اِسلامی فرقوں میں سے کونسا فرقہ حق پر ہے اور نہ یہ ضرورت محسوس کی کہ اس فرقہ کے علماء کی سرپرستی کی جائے اور ان کو ہی مطلوب ضروری تعاون مہیّا کیا جائے اپنے تعلیمی اداروں کی سرپرستی کی جائے اور مسلک حقّہ کی اشاعت و ترویج اور دفاعی کارروائیوں میں مصروف اداروں اور شخصیّات کی سرپرستی کی جائے بلکہ وُہ صرف اور صرف اپنی تن آسانیوں اور عیش کوشیوں میں

مصروف ہیں اور بلا امتیازِ مسلک ان کے نزدیک ہر عالم اور مولوی قابلِ نفرت ہے اور ناقابلِ برداشت بلکہ تحقیر و تذلیل اور ہتک و توہین کا سزاوار حتّٰی کہ وُہ کتّے جو ان کی حویلیوں کا پہرہ دیں یا شکار میں کام آئیں یا ریچھوں کے ساتھ لڑ کر ان کی تسکینِ نفس کا سامان بہم پہنچائیں ان کی بھی اپنے مذہب و مسلک کے علماء سے ہزاروں درجہ زیادہ قدر و قیمت ہے جو مذہبِ حق کی ترویج و اشاعت اور اس کی حفاظت و نگہبانی کے لیے شب و روز کوشاں ہیں اور اپنے تن من کی بازی لگا کر اعدائے دین اور بد مذہبوں کی یلغار سے قلعۂ اسلام کو بچانے کی سعیٔ مشکور میں مصروف ہیں۔ بلکہ بذاتِ خود اسلاف کرام اور مشائخ عظام کے اعمال و افعال اور اشغال و کردار کے برعکس عمل پیرا ہو کر وُہ مذہبِ برحق کی تباہی و بربادی کا موجب بن رہے ہیں، ہر عیب اور نقص اور کمزوری و کوتاہی ان میں کامل و اکمل طریقہ پر موجود ہے اور دُوسرے لوگ ان کے عمل و کردار کو سُنّیت کی علامت اور پہچان قرار دیکر عام اہلِ اسلام کو صرف ان سے نہیں بلکہ مسلکِ حقّہ سے برگشتہ کرنے اور ضلالت و گمرہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرانے میں کامیاب ہوتے جا رہے ہیں اور ان ننگِ اسلاف کو ذرّہ بھر احساس بھی نہیں ہو رہا کہ ہم اپنے اس محسن مذہبِ اسلام اور مسلکِ حقّہ یعنی سُنّیت کا شکریہ کس جفا کاری اور ظلم و زیادتی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
[illegible] زیاں جاتا رہا

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں نے صرف مال و متاع سے نہیں بلکہ اپنی شب و روز کی جانفشانی اور محنت و کوشش سے شجرِ اسلام کو پروان چڑھایا بلکہ اپنے خون سے اس کی آبیاری کی اور اپنے علم و آگہی اور ایمان و عرفان کے نور سے گمرہی و ضلالت کے گھپ اندھیروں میں ہدایت کے چراغ روشن کیے اور اپنے عمل و کردار کی درستی اور پختگی سے اور امانت و دیانت اور صداقت و حقانیت اور اخلاص و للّٰہیت اور حق گوئی و بیباکی کے ذریعے اسلام کو بالعموم اور مسلکِ اہل السنّت والجماعت کو بالخصوص اوجِ ثریا تک بلکہ عرش کی بلندیوں تک پہنچایا ان کے اخلاف اور مسند نشین ہی اسکو زمیں بوس کرنے بلکہ تحت الثریٰ میں پھینکنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش کر رہے ہیں اور علامہ محمد اقبال مرحوم کے اس فرمان کا عملی نمونہ بن رہے ہیں اور واقعی برحق مصداق ثابت ہو رہے ہیں : ؎

میراث میں ہاتھ آئی ہے ان کو مسندِ ارشاد

ہیں زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

کم از کم اتنا ہی سوچ لیتے کہ اگر حرمین شریفین میں صحابہ کرام، اہلبیتِ عظام، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابرین کے مزاراتِ پاک کی بیحرمتی ہو سکتی ہے، ان کو بلڈوز کیا جا سکتا ہے اور ان مقدس ہستیوں کے مقدس اجسام پر صدیوں بعد گولیاں چلا کر یہ نعرہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم نے جدید مشرکوں کے خداؤں کو اور معبوداتِ باطلہ کو نیست و نابود کر دیا ہے

تو یہاں بھی وُہ ڈرامہ رچایا جا سکتا ہے۔ اگر وہاں پر محافلِ میلاد شریف اور اعراس پر بدعت کے فتوے لگا کر پابندی عائد کی جا سکتی ہے تو یہاں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر وہاں پر بیعت وارادت اور پیرو مُرید والے رشتے قائم کرنا اور سلاسلِ اربعہ میں سے کوئی سلسلہ جاری کرنا اور اسکے اوراد و وظائف اور اشغال واعمال حرام اور ناجائز قرار دیئے جا سکتے ہیں، تو یہاں بھی وہی کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔ اگر وہاں یا رسُول اللہ[1] کہنے والوں کو مشرک قرار دیکر تہ تیغ کیا جا سکتا ہے تو یہاں بھی وُہ تاریخ دہرائی جا سکتی ہے؟ کیا اپنے اسلاف کی حرمت وعزت اور رسُولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت و اُلفت اور تعظیم و توقیر کا حق ادا کرنے کا یہی انداز و اسلوب اور طور وطریقہ ہونا چاہیے جو یہ حضرات اپنائے ہوتے ہیں۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ ان شاہین بچّوں کو اپنے جہانِ بلند پروازی تک پہنچائے اور ہوائے نفسانی کے جال اور سفلی جذبات کے پھندے سے نجات عطا فرمائے اور اسلاف کرام اور مشائخ عظام کا منصبِ سیادت وقیادت سنبھالنے کی اہلیت واستعداد اور توفیق واستطاعت نصیب فرمائے، اور احساسِ زیاں اور جذبۂ انابت ارزانی فرمائے اور دینِ متین کی خدمت اور مسلکِ حقّہ کی ترویج واشاعت کی ہمت وقوت بخشے۔

ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

[1] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

پیش لفظ

علامہ سرفراز صاحب کا رسالہ "گلدستۂ توحید" ہاتھ میں لیتے ہی یہ خیال ذہن میں جاگزین ہوا کہ جناب نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل کے انبار لگائے ہونگے اور عقلی ونقلی براہین کے ذریعے مشرکینِ عالم اور ملحدین وزندیقین کا ناطقہ بند کر دیا ہوگا اور ان کے توہمات کے بیتِ عنکبوت کی ہر ہر تار ادھیڑ کر رکھ دی ہوگی اور اہلِ ایمان کے لیے توحیدِ خداوندی میں ثابت قدمی اور راسخ الاعتقادی کا سامانِ وافر مہیا کر دیا ہوگا مگر ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آپ کا سارا زورِ بیان صرف مسلمانوں اور مومنوں کو مشرک ثابت کرنے میں صرف ہوتا نظر آیا، یا رسالت ونبوّت کے منصب کو غیر اہم اور غیر ضروری ثابت کرنے میں، حتیٰ کہ آپ کو ان کے پورے رسالے میں مشرکینِ مکّہ اور کفّارِ عرب پر بارگاہِ نبوّت ورسالت کی توہین وتحقیر اور اسارت وبےادبی کی وجہ سے ناقابلِ مغفرت وبخشش ہونے اور توفیقِ ہدایت سے محروم ہوجانے پر دلالت کرنے والا کوئی جملہ نہیں ملے گا۔ بلکہ یہ تصریحات ملیں گی کہ وہ نبی اور رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تو بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور مشرکین میں ہر وصفِ کمال موجود تھا اور ہر نقص وعیب سے دور تھے بس توحید پر کامل

عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے مشرک بھی ٹھہرے اور دائمی دوزخی بھی اور ناقابلِ مغفرت و شفاعت وغیرہ وغیرہ حالانکہ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت باہم لازم و ملزوم ہیں اور ایک کا انکار دوسرے کے انکار کے مترادف ہے بلکہ بارگاہِ نبوّت میں ذرا سی بے پرواہی اور لااُبالی تمام نیکیوں کی بربادی اور ایمان کی تباہی کا موجب بن جاتی ہے لیکن علّامہ صاحب نے اس اہم ترین عقیدہ اور رُکنِ ایمانی بلکہ جان ایمان اور رُوحِ اسلام سے اپنے قارئین کو مکمّل طور پر محروم کرنے کی سعیِ نامشکور فرمائی ہے جو کسی بھی مُسلمان کے لیے روا نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ علماء کے لیے۔

دوہرا معیارِ عدل

جب علماءِ دیوبند پر گستاخانہ عبارت کی وجہ سے علماءِ عرب و عجم نے کُفر کا فتویٰ لگایا تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ دیکھو ان لوگوں نے کلمہ گو اور علماء و فضلاء اور خادمان دینِ متین کو کافر کہنا شروع کر دیا ہے حالانکہ کِسی مُسلمان کی عبارت میں ننانوے احتمالات کُفر کے ہوں اور ایک فی صد احتمال ایمان و اسلام کی بقا والا ہو تو عبارت کو اس پر محمول کرنا چاہیے اور اہلِ اسلام کی تکفیر سے گریز کرنا چاہیے مگر جب اپنی باری آئی اور مشرک بنانے کا شوق دامن گیر ہُوا تو انہیں نہ ان لوگوں کا علماء و فضلاء ہونا اور خدامِ دین ہونا نظر آیا، نہ ان کی نمازیں اور دیگر عبادات نظر آئیں ... ان کا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

پڑھنا سُنائی دیا اور نہ ہی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ والی شہادت توحید و رسالت کا ن پڑی۔ اور نہ عقل نے ہی یاری دی کہ جب یہ لوگ رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اور صرف عبد خُدا اور رسولِ خُدا مان رہے ہیں اور رسول کریم کے حق میں بھی بدنی مالی عبادت کے روادار نہیں ہیں چہ جائیکہ دُوسروں کے حق میں ایسی عبادات کے روادار ہوں تو ان کو شرک جیسے اکبر الکبائر اور ناقابلِ عفو و مغفرت جُرم کا مرتکب کیونکر قرار دیں اور ابد الآباد کے لیے جہنّم کا حقدار کیوں سمجھیں؟

وُہ علماءِ دیوبند جو معتزلہ کے اس عقیدہ کے باوجود کہ ہر بندہ اپنے اعمالِ اختیاریہ کا خود خالق ہے انہیں کافر و مشرک نہیں کہتے صرف اس لیے کہ وُہ بندے کی خالقیت اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو ایک جیسا نہیں مانتے بلکہ بندے میں خالقیت کی قدرت و طاقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تسلیم کرتے ہیں انہیں اہل السُنّت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب اور مقبولانِ بارگاہ کے علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور رسولِ معظّم نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حاضر و ناظر ہونے وغیرہ میں بیسیوں وجوہ سے فرق بیان کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اعانت و امداد میں اور مقبولانِ بارگاہِ لایزال کی امداد و اعانت میں ذاتی قوّت اور عطائی قوّت وغیرہ کا تفرقہ کرنے کے باوجود شرک ہی شرک نظر آتا ہے اور کوئی علامت اور قرینہ ان کے مومن اور مُسلم ہونے کا انہیں نظر نہیں آتا بلکہ وُہ ببانگِ دہل اعلان کرتے ہیں۔

لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

۱۔ مگر افسوس کہ آجکل کلمہ گو مسلمانوں نے شرک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ مثلاً عالم الغیب، حاضر و ناظر مختارِ کُل، نافع وضار، رازق پناہ دہندہ، فریاد رس، مشکلکشا، حاجت روا دافع البلاء ہونا وغیرہ وغیرہ۔ غیر اللہ میں اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ صرف یہ کہ ثابت کرتے ہیں بلکہ اپنی اس کارروائی پر مُصر بھی ہیں۔

(گلدستہ ص۱۷)

۲۔ حضرات! آج بعض کلمہ گو مدعیانِ اسلام کا بھی یہی شرک ہے، ایک رتی برابر فرق نہیں ہے۔ کیا ما فوق الاسباب سفارشوں کا نظریہ ان میں آج موجود نہیں ہے؟ یا عبدالرسول، عبدالنبی اور پیراندتہ وغیرہ نام آج سُننے میں نہیں آتے؟ شرابِ شرک تو وہی پُرانی ہے البتہ بوتلوں کی رنگت بدل دی گئی ہے اور لیبل بھی اِسلامی لگا دیا گیا ہے۔

(گلدستہ ص۱۲۷)

۳۔ مشرکینِ مکّہ اس شرک سے بڑھ کر ہرگز کوئی اور شرک نہیں کرتے تھے جس کو آج کے بعض کلمہ گو کر رہے ہیں اور جس کے اثبات پر پُورا زور صرف کیا جاتا ہے۔

(گلدستہ ص۸۵)

۴۔ شیطان کے لیے یہ تو از حد مُشکل تھا کہ وُہ کلمہ پڑھنے والوں سے بتوں کی پرستش کراتا اس لیے اس نے پینترا بدلا اور بزرگوں کے بُتوں اور

مجسموں کی بجائے ان کی قبروں کے ساتھ وہی عقیدت رکھنی شروع کرا دی جو پہلے بتوں اور مجسموں سے وہ بار ہا کرا چکا ہے۔

(گلدستہ ص ۶۵)

قارئین حضرات آپ نے دیکھ لیا کہ ان علماء نے کس طرح اہلِ ایمان اور مشرکینِ مکہ کو ایک سطح پر رکھا اور انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کی سطح پر اور ان کے متبعین و مطیعین اور محبّین و مخلصین کو صنم پرستوں کی سطح پہ لا کھڑا کیا جو سراسر لغو اور باطل دعویٰ اور فاسد و بے بنیاد نظریہ و عقیدہ ہے جیسے کہ آئندہ اوراق میں اس حقیقت کا بے پردہ مشاہدہ ہو جائے گا اور التباس و اشتباہ کی گرد مکمل طور پہ صاف ہو جائے گی لیکن ہمیں صرف یہاں پہ اس نا انصافی اور ظلم پر متوجہ کرنا ہے کہ جو پیمانہ ان فتووں کا اپنے لیے مقرر کیا تھا وہ دوسروں کے لیے کیوں یاد نہ آیا اور اطاعت و عبادت کا فرق ایصالِ ثواب اور مالی عبادت کا فرق، اہلِ قبور کی امداد بصورت دعا اور اصنام کی امداد بصورت تصرف و تاثیر میں فرق کیونکر نظر انداز ہو گیا۔

الغرض علامہ سرفراز صاحب نے اپنے پیشرو مولوی اسمٰعیل دہلوی وغیرہ کی طرح اہلِ اسلام کو مشرک ٹھہرانے میں بلکہ قولِ باری:

فاقتلوا المشركين .... کے مطابق

ان بیگناہوں کا خونِ ناحق مباح ٹھہرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ نشانی کے مطابق اپنے متعلق پکے خارجی ہونے کا ثبوت فراہم کر [illegible] ص ۱۰۲۲ جلد ۲ پر

منقول ہے :

كان ابن عمر رضی اللہ عنہما یراھم شرار خلق اللہ وقال انہم انطلقوا الیٰ اٰیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین -

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو تمام مخلوقات سے بدتر سمجھتے تھے اور فرمایا وہ ان آیات کی طرف متوجہ ہوئے جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں پس انہیں اہلِ ایمان پر منطبق کر دیا۔ یہ فرمانِ صداقت نشان خارجیت کی شناخت اور پہچان بڑے واضح انداز میں کرا رہا ہے اور ان علماء کی خارجیت کو بھی اُجاگر کر رہا ہے کیونکہ ان مولوی صاحبان نے بھی اصنام و اوثان کی مجبوری اور بے بسی کے بیان پر مشتمل آیات کو مقبولانِ بارگاہِ خداوند پر منطبق کر کے انہیں سننے دیکھنے اور دُعا و شفاعت وغیرہ جیسے اوصاف سے بھی محروم ثابت کر دیا اور ان سے علاقہ محبت اور ربطِ عقیدت رکھنے والوں کو اصنام پرستوں والی آیات کا مصداق بنا دیا۔ اگر ان علماء کو اپنے خارجی ہونے سے انکار ہے تو حضرت عبد اللہ بن عمر کے فرمان کا مصداق بتلائیں کہ کونسے لوگ ہیں؟ اور کیا شیخ نجدی نے اہلِ حرمین کو اسی فتوے سے نہیں نوازا تھا اور ان کو مشرک قرار دیکر تہ تیغ نہیں کیا تھا اور اللہ تعالےٰ اور نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں بسنے والوں کا خونِ ناحق سے اسی نظریہ کے تحت ہولی نہیں کھیلی گئی تھی؟ اگر محمد بن عبد الوہاب نجدی خارجی ہے اور علماء دیوبند نے المہند جیسے اپنے اجماعی عقیدہ پر مشتمل رسالہ

میں علامہ شامی کی طرح اس کا خارجی ہونا تسلیم کر لیا ہے تو پھر انہیں اپنی خارجیت بھی تسلیم کرنا لازم ہے اور اگر علماءِ دیوبند یہ فتوے لگا کر خارجی نہیں بنتے تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کیسے خارجی ہو سکتا ہے؟

دَورِ جدید کے خارجی لباسِ منافقت میں

لہٰذا یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ اس دَور میں خارجی لوگ اَپنے آپ کو اہل السُنّت ظاہر کر کے اپنی خارجیت پھیلا رہے ہیں اور اہلِ اسلام اور کامل الایمان مؤمنین کو ابوجہل اور ابولہب جیسے مشرک قرار دے رہے ہیں۔ اگلے خارجی اس نفاق سے مبرّا تھے مگر آجکل کے خوارج خارجیت کے ساتھ ساتھ نفاق کو بھی اپنائے ہوئے ہیں جو انتہائی خطرناک صورت ہے۔

وَاللّٰہُ المستعان ۔

خارجیوں کے متعلّق ارشاداتِ نبویہ

یاد رہے کہ فرقہ خوارج کے متعلّق نبیِ اکرم صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے واضح علامات بیان فرمادی ہیں اور ان کے خروج کے زمانے اور مکان کی بھی نشاندہی فرمادی ہے اور ان کے ساتھ جو سلوک لازم اور ضروری ہے اس کے متعلّق بھی واضح ارشادات موجود ہیں جیسے کہ بُخاری شریف مُسلم شریف اور مشکوٰۃ میں منقول احادیث سے واضح ہے آپ نے فرمایا کہ :

"یخرجون علیٰ حینِ فرقۃ"

جب اہلِ اسلام میں باہمی افتراق و انتشار اور حرب و قتال ہوگا اس وقت نکلیں گے اور فرمایا:

یخرجون علیٰ خیر فرقۃ۔

بہترین جماعت اور افضل ترین گروہ کے خلاف خروج کریں گے۔

یلی قتلھم اولی الطائفتین بالحق۔

ان کے قتل کا متولّی اور کفیل وُہ گروہ ہوگا جو اہلِ اسلام کے دونوں گروہوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا چنانچہ حسب الارشاد جب مولائے مرتضیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی اور نوبت ثالثی فیصلہ تک پہنچی تو ان کا خروج ہُوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر اللہ کا حکم ماننے کی وجہ سے کافر و مشرک قرار دیتے ہُوئے کہا قرآنِ مجید میں ہے ان الحکم الا للّٰہ کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا واجب الاطاعت ہے اور تم نے غیر اللہ کا حکم مان لیا ہے لہٰذا تُو نے شرک و کفر کا ارتکاب کیا۔ آپ نے فرمایا کلمۃ حق ارید بھا الباطل ..... آیتِ کریمہ برحق ہے مگر اس کا جو معنیٰ مُراد لیا گیا ہے وُہ غلط ہے اللہ تعالیٰ کی یہ مُراد نہیں تھی اور پھر ان کی چیرہ دستیاں جب حد سے متجاوز ہوئیں تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کیا اور ان کی قوّت و شوکت کو خاک میں ملا دیا اور یہ اقدام سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے غیبی فرمان کے عین مطابق ہُوا اور حکمِ رسالت کو بروئے کار لاتے ہوئے سرانجام دیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا حکم تھا:

اذا لقیتموھم فاقتلوھم

اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی و منشا پوری کرتے ہوئے ان کا صفایا کیا گیا۔ کما قال ، "لو لقیتھم لاقتلنھم قتل عاد" اگر میں ان سے ملوں اور ان کا زمانہ پاؤں تو انہیں قوم عاد کی طرح نیست و نابود کر دوں۔

(مزید تفصیلات معلوم کرنے کے لیے فتح الباری جلد نمبر ۱۲ ص ۲۷۵ تا ص ۲۶۵ کا مطالعہ فرمائیں)۔

بعد ازاں وقفے وقفے سے یہ لوگ برآمد ہوتے رہے اور ملوک و سلاطینِ زمان کے لیے تشویش و اضطراب کا موجب بنتے رہے تاآنکہ ابتدا تیرھویں صدی میں محمد بن عبد الوہاب نجد سے ظاہر ہوا اور اس نے اس فتنہ کی آبیاری کی اور حجازِ مقدس اور حرمین شریفین پر خوارج کو تغلب حاصل ہو گیا اور ان کے باسیوں کو مشرک قرار دیکر تہ تیغ کیا جانے لگا اور ان کے اموال و املاک کو مالِ غنیمت اور عورتوں، بچیوں کو لونڈیاں اور باندیاں بنایا جانے لگا۔ تب حاکمِ مصر نے ان کے خلاف کارروائی کر کے انکی جمعیت کو پراگندہ کیا اور قوت و سلطنت کو تہس نہس کیا۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار علی الدر المختار ص ۳۳۹ ج ۳ میں فرماتے ہیں :

قوله يكفرون اَصحاب نبيّنا صَلّى الله عَليه وسَلّم قد علمت ان هٰذا غير شرط فى مسمّٰى الخوارج بل هو بيان لمن خرجوا على سيّدنا على رضى الله عنه

والا فیکفی فیھم اعتقادھم کفر من خرجوا
علیہ کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب
الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین
و کانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم
اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف
اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذلک
قتل اھل السنۃ وقتل علماءھم حتی کسر اللہ
شوکتھم وخرب بلادھم وظفر بھم عساکر
المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین والف

(صفحہ نمبر ۳۳۹ ج ۳)

یعنی درِ مختار میں خوارج کی امتیازی علامت اور نشانی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تکفیر ٹھہرائی ہے لیکن تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ خوارج کہلانے والوں کے لیے یہ لازمی شرط نہیں ہے بلکہ یہ صرف ان خوارج کا بیان ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج و بغاوت سے کام لینے والے تھے ورنہ خارجی ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ان کے متعلق کافر ہونے کا عقیدہ رکھیں جن کے خلاف وُہ خروج و بغاوت سے کام لیں جیسے ہمارے زمانہ میں (محمدّ بن) عبدالوہاب کے اتباع اور مقتدیوں میں وقوع پذیر ہُوا کہ وُہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب آگئے اور وُہ اپنے آپ کو حنبلیوں کے مذہب کی طرف منسُوب کرتے تھے لیکن ان کا عقیدہ یہی تھا کہ

مسلمان صرف وہی ہیں اور جو ان کے معتقدات کے خلاف ہیں وہ سبھی مشرکین ہیں اور اس نظریہ و عقیدہ کی وجہ سے عوام اہل السنّت کا قتل اور انکے علماء کرام کا قتل مباح ٹھہراتے تھے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت و شوکت کو ختم کیا اور ان کے شہروں کو تباہ کیا اور ۱۲۳۳ھ میں ان پر مسلمانوں کے لشکر غالب آگئے۔

اور انگریز کی سازش سے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف کارروائی کے لیے ان کو پھر استعمال کیا گیا اور انہیں ابتدا میں نجد میں غلبہ حاصل ہو گیا اور ۱۹۲۲ء میں حجاز مقدس پر بھی ان کو دوبارہ غلبہ حاصل ہو گیا اور انہوں نے پھر اہل السنّت عوام اور ان کے علماءِ اعلام کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی، اور مزاراتِ مقدسہ کی بے حرمتی کی اور صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیتِ کرام علیہم الرضوان کے مزارات پر بلڈوزر چلاتے بلکہ اہلِ قبور پر گولیاں چلائیں اور بعض مساجد بھی شہید کر دیں جو سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کے محلِ ظہور پر تھیں یا دیگر اکابرین کی طرف منسوب تھیں۔ حتّٰی کہ روضۂ مقدسہ کے شہید کر ڈالنے کا پروگرام بھی بنا لیا لیکن عالمِ اسلام کی طرف سے سخت احتجاج اور دھمکیوں کے بعد اس بُرے ارادہ سے وقتی طور پر باز آگئے۔

(مزید تفصیلات معلوم کرنے کے لیے "تاریخِ نجد و حجاز" مؤلفہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا مطالعہ فرمائیں)۔

انہیں سب بے ادبیوں اور گستاخیوں اور ظلم و زیادتیوں کو نگاہِ نبوت سے دیکھتے ہوئے باعلام اللہ عالم ما کان وما یکون نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نجد

کے لیے بار بار توجہ دلانے پر بھی برکت کے لیے دُعا نہ فرمائی بلکہ فرمایا:

هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان۔

(مشکوٰۃ ذکرِ یمن و شام وغیرہ - بخاری شریف ص ۱۴۱، جلد ۱)۔

وہاں پر زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں سے شیطانی جماعت برآمد ہوگی اور صدیوں بعد وُہ غیبی خبر حقانیت و واقعیت کا نمونہ بن کر ہر صاحبِ بصیرت اور صاحبِ بصارت کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا درس دے رہی ہے کیونکہ یہ سفاک اور ظالم تو صدیوں بعد پیدا ہوئے لیکن سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس خطے سے ہی اسقدر بیزار اور متنفر تھے کہ اس کو بھی دعا سے نوازنا گوارا نہ فرمایا۔ نیز ان کا محروم ازلی ہونا بھی اس سے ظاہر ہے ورنہ دُعائے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اللہ تعالیٰ ان کا مقدر سنوار دیتا اور ان مظالم اور چیرہ دستیوں سے بچ بھی سکتے تھے لیکن یہ رو سیاہی اور شقاوت و بدبختی ان کا مقدر بن چکی تھی اور تقدیر مبرم قرار پا چکی تھی اسلیے اللہ تعالےٰ کے خلیفۂ مطلق سیدالرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکمِ ازل میں کسی تغیر و تبدیلی کی دُعا و التجا مناسب نہ سمجھی۔

مگر ہم ہند و پاک کے ان مدعیانِ سُنیت پر حیران ہیں کہ وُہ اپنے دعوائے سُنیت کے برعکس اہل السُنت کے قاتلوں اور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ مقدس میں مبغوض ترین لوگوں اور صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیتِ کرام علیہم الرضوان کے گستاخوں اور بعد از وصال بھی ان پر ظلم و زیادتی سے باز نہ آنے والے خارجیوں کی راہ پر چلنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں

اور اہل السنت کو کافر و مشرک ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگا رہے ہیں۔ کیا وہ یہاں پر بھی نجد و حجاز والا خارجیت کا ڈرامہ رچانا چاہتے ہیں؟ اور مظلوم سنیوں کے ناحق خون سے اپنے ہاتھ رنگنا چاہتے ہیں؟ اہل السنت کا تو جو مقدر ہے وہی ان کو ملے گا اور جو ازلی فیصلے ان کے مستقبل کے متعلق صادر ہو چکے ہیں وہ وارد ہو کر رہیں گے مگر یہ علماء حضرات اتنا تو کریں کہ نفاق کا پردہ اتار کر سامنے آئیں اور اپنی خارجیت کو چھپانے کی منافقانہ پالیسی سے تو باز رہیں۔

نجدیوں کے ساتھ بھی منافقت

علماء دیوبند اپنی اس پالیسی میں جس تذبذب کا شکار ہیں وہ انکی تحریرات سے عیاں ہے۔ علماءِ دیوبند کے سرخیل مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی شیخ نجد محمد بن عبدالوہاب کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں:

سوال: محمد بن عبدالوہاب حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اور ان کے مال و آبرو کو اور تمام لوگوں کو شرک کی طرف منسوب کرتا تھا، اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

الجواب: محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا ہے عقائد سب کے متحد ہیں اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی

اور حنبلی کا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص۱۱۲)

سوال: عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟

جواب: محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا۔ بدعت اور شرک سے روکتا تھا، مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی۔

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص۷۹)

اس کے برعکس المہند جو علماء دیوبند کے اجماعی عقیدہ پر مشتمل ہے اس میں اپنا عقیدہ اور نظریہ اس طرح تحریر کیا ہے اور علماء حرمین کو مطمئن کرنے کیلئے لکھا کہ ہمارا اس کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو صاحب درمختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں تحریر فرمایا ہے۔

بارھواں سوال: محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اور ان کے مال و آبرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا، اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی اس تاویل سے کہ امام کو کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہماری جان و مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔ ان کا حکم باغیوں کا ہے اور علامہ شامی نے اس کے حاشیے میں فرمایا جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے تابعین

سے رُنو ہُوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہوں وُہ مشرک ہیں۔ اور اس بنا پر انہوں نے اہل السُنّت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا یہاںتک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی۔

(المہند مترجم صلا۴۶)

اور علاّمہ حُسین احمد صاحب دیوبندی شہابِ ثاقب میں لکھتے ہیں:

۱۔ صاحبو محمّد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہُوا، اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل السُنّت والجماعت سے قتل و قتال کیا، ان کو بالجبر اپنے خیالاتِ باطلہ کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہلِ حرمین کو خصوصاً اور اہلِ حجاز کو عموماً اس نے تکالیفِ شاقہ پہنچائیں۔ سلفِ صالحین اور اتّباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے۔

بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیفِ شدیدہ کے مدینہ منوّرہ اور مکّہ معظّمہ چھوڑنا پڑا۔ ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

الحاصل وُہ ایک ظالم و باغی، خونخوار اور فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہلِ عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتّباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اسقدر ہے کہ اتنا نہ قوم یہود سے ہے اور نہ نصاریٰ سے، نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔ غرضیکہ وجُوہاتِ مذکورہ کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے

اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بیشک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیے، وُہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج اور عداوت نہیں رکھتے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں۔

(شہابِ ثاقب ص۴۲)

۲- محمّد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جُملہ اہلِ عالم و تمام مسلمانانِ دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال چھیننا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔

(شہابِ ثاقب ص۴۳)

۳- نجدی اور اس کے اتّباع کا ابتک عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کی حیات فقط اس زمانہ تک ہے جبتک وُہ دُنیا میں تھے بعدازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ یہ ایک خاص مسئلہ ہے جس میں وہابیہ نے علماءِ حرمین کی مخالفت کی ہے اور بارہا جدال و نزاع کی نوبت آئی۔ اس مسئلہ میں اور آئندہ مسئلہ کی وجہ سے وہاں وہابی سُنّی سے متمیز ہوتا ہے۔

(شہابِ ثاقب ص۴۵)

۴- زیارتِ رسُول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم وحضُوری آستانۂ شریفہ و ملاحظۂ روضۂ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت حرام وغیرہ لکھتا ہے۔ اس طرف اس نیت سے سفر کرنا محظور اور ممنوع جانتا ہے۔ لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد ان کا مستدل ہے۔ بعض ان میں کے سفرِ زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام

ذاتِ اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا مانگتے ہیں۔ (ص۴۵ ص۴۶)

۵ - ہمارے اکابر شفاعت رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت مانتے ہیں بخلاف وہابیہ کے کہ مسئلہ شفاعت میں ہزاروں تاویلیں اور گھڑنت کرتے ہیں۔ اور قریب قریب انکارِ شفاعت کے بالکل پہنچ جاتے ہیں۔
(شہابِ ثاقب ص۴۷)

۶ - شانِ نبوت و حضرت رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذات سرورِ کائنات خیال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حق اب ہم پر نہیں ہے اور نہ کوئی احسان، اور نہ کوئی فائدہ ان کی ذاتِ پاک سے بعد وفات ہے اور اس وجہ سے توسل دعا میں آپ کی ذات پاک سے بعد وفات کے ناجائز کہتے ہیں۔

ان کے بڑوں کا مقولہ ہے معاذ اللہ نقلِ کفر کفر نباشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرورِ کائنات کی نسبت ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو دفع کر سکتے ہیں اور ذاتِ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔
(ص۴۷)

۷ - وہابیہ اشغالِ باطنیہ و اعمالِ صوفیہ مراقبہ، ذکر و فکر، ارادت و مشیخت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و

لغو اور بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں۔ (ص ۵۹)

۸ ۔ وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور آئمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں وہابیہ الفاظِ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے وُہ گروہ مسائل میں اہل السنت والجماعت کے مخالف ہو گئے چنانچہ غیر مقلدینِ ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملدرآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں الخ۔ (ص ۶۲)

۹ ۔ قولِ باری تعالیٰ علی العرش استویٰ وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استوار ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوتِ جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے۔

۱۰۔ مسئلہ ندائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں— وہابیہ نجدیہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یارسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وُہ شرک ہے اور یہ وجہ بھی ان کے نزدیک سبب مخالفت کی ہے۔ (ص ۶۴ ص ۶۵)

۱۱۔ وہابیہ خبیثہ کثرت صلوٰۃ و سلام و درُود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرأت دلائل الخیرات و قصیدہ بُردہ اور قصیدہ ہمزیہ وغیرہ کے پڑھنے کو اور اس کے استعمال کرنے اور ورد بنانے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ بُردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے

ہیں۔ مثلاً : ؎

یا اشرف الخلق مالی من الوذ بہ

سواک عند حلول الحادث العمم

یعنی افضل المخلوقات میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں بجز تیرے بروقت نزولِ حوادث۔

۱۲۔ وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم و اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرورِ کائنات خاتم النبیین علیہ السلام کو خالی مانتے ہیں۔

۱۳۔ وہابیہ نفس ذکر ولادتِ حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والثناء کو قبیح اور بدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اذکار اولیاء کو بھی برا سمجھتے ہیں

(شہابِ ثاقب ۶۷)

صاحبان آپ حضرات کے ملاحظہ کے واسطے یہ چند امور ذکر کیے ہیں جنہیں وہابیہ نے علماءِ حرمین الشریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہتے اور اس وجہ سے جبکہ انہوں نے غلبہ کر کے حرمین شریفین پر حاکم ہو گئے تھے ہزاروں کو تہ تیغ کر کے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ بارہا ان سے مباحثے ہوتے ان سب امور میں ہمارے اکابر ان کے سخت مخالف ہیں۔ پس تو ہب اور وہابیت کا الزام لگانا ان پر سخت افتراء اور بہتان بندی ہے۔ (ایضاً ۔ ص ۶۸)

حالانکہ عقائدِ وہابیہ اور ان اکابر (علماءِ دیوبند) کے معتقدات و اعمال میں زمین و آسمان بلکہ اس سے بھی زائد کا فرق ہے۔ (ص ۴۳)۔

ناظرین وقارئین حضرات مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی فتاوٰی رشیدیہ سے منقول دونوں عبارتیں بھی غور سے پڑھیں اور المہند اور شہابِ ثاقب سے منقول عبارات بھی اور خود فیصلہ فرماویں کہ علماءِ دیوبند کا دراصل نظریہ اور عقیدہ کیا ہے اور ان میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور کیا المہند میں اجماعی عقائد بیان کرتے وقت ان علماءِ دیوبند کو علامہ رشید احمد کا نظریہ وعقیدہ محمد بن عبدالوہاب اور اس کے متبعین کے متعلق معلوم نہیں تھا اور مدنی صاحب کو بھی شہابِ ثاقب لکھتے وقت اس کی خبر نہیں تھی؟ اگر تھی اور یقیناً تھی تو کذب اور غلط بیانی ظاہر و نمایاں ہے۔ اور اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ کے فرمان کی واقعیت وحقانیت ثابت ہوگئی اور اگر اُن کے عقیدہ کی خبر نہیں تھی تو ان کی جہالت و بے خبری کے ساتھ ساتھ جواب سے عاجزی اور بے بسی ثابت ہوگئی یا پھر مولوی رشید احمد صاحب کا علماءِ دیوبند سے خارج ہونا اور وہابیہ نجدیہ میں سے ہونا لازم آئیگا حالانکہ وُہ علماءِ دیوبند کے نزدیک امامِ ربانی بھی ہیں، بلکہ وُہ صدیق فاروق ہیں بلکہ بانیٔ اسلام کے ثانی بھی ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

بلکہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود سیاسی چال چلی کہ وہابیہ نجدیہ غالب رہیں تو کہہ دیں گے ہم تمہارے ساتھی اور ہمنوا و ہم عقیدہ ہیں اور فتاوٰی رشیدیہ سے شیخ گنگوہی کے ارشادات ان کو دکھلا دیں گے اور اگر اہل السنّت غالب آگئے تو انہیں المہند اور شہابِ ثاقب دکھلا دیں گے اور ہر فریق سے اپنا مفاد حاصل کرلیں گے۔ ؎

ع باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی

قابلِ غور امر یہ ہے کہ نجدیوں نے بھی اہلِ حرمین شریفین پر شرک اور بدعت کے فتوے لگا کر ہی ان کے ساتھ ظلم و عدوان اور ایذا رسانی اور قتل و غصب اور حرب و قتال کو مباح ٹھہرایا اور انہیں عقائد اور اعمال کو علماءِ دیوبند شرک اور بدعت سے تعبیر کر رہے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا اصلی پروگرام کیا ہے اور کس منصوبہ بندی کے تحت یہ کارروائی کی جا رہی ہے

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

علماء دیوبند کہنے کو تو نجدی علماء کے عقائد اور اپنے عقائد کے درمیان زمین و آسمان بلکہ اس سے بھی زیادہ کا فرق ثابت کر رہے ہیں مگر علماءِ حجاز بالعموم اور علماءِ حرمین شریفین نے بالخصوص کیا تسلیم کر لیا تھا کہ واقعی ہم مشرک اور بدعتی ہیں یا انہوں نے اپنے شرک و بدعاتِ سیئہ سے منزّہ و مبرّا ہونے کے جو وجوہ بیان کیے تھے کیا علماءِ نجد نے وُہ تسلیم کر لیے تھے جس طرح علماءِ حرمین و حجاز کی تمام تر سعی و کوشش علماءِ نجد کے سامنے بیکار اور بے نتیجہ ثابت ہوئی اسی طرح ہماری تمام تر سعی اور کوشش بے سُود اور بے ثمر ثابت ہو رہی ہے اور تمام دیوبندی عالم ہمارے جوابات اور دلائل و براہین سُننے کو تیار نہیں ہیں تو آخر یہ فیصلہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نجدیوں نے جن امور کو شرک اور بدعت کہا وہ تو شرک اور بدعت نہیں تھے مگر علماءِ دیوبند جن کو شرک اور بدعت کہہ رہے ہیں واقعی شرک و بدعت ہیں یا علماء ... شریفین نے

اپنے شرک و بدعت سے مبرّا و منزّہ ہونے پر جو دلائل دیتے تھے وُہ تو برحق تھے اور جو دلائل و براہین اور توجیہات و تاویلات ہم پیش کر رہے ہیں وُہ باطل و ناحق ہیں؟

لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ علماءِ دیوبند نجدیوں کے ہی نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور وہی مدّعا و مقصد حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں جو نجدیوں کا تھا وُہ بظاہر حنبلی کہلاتے تھے اور یہ حنفی کہلاتے ہیں۔ حقیقی حنبلی بھی اہل السُنّت ہی ہیں اور حقیقی حنفی بھی مگر جس طرح ان کا دعوائے حنبلیت وسُنّیت محض دکھاوے کے لیے تھا ان علماءِ دیوبند کا دعوائے حنفیت وسُنّیت بھی محض دکھاوے کے لیے ہے۔ وَاللہ یھدی من یشآء الیٰ صراط مستقیم فالی اللہ المشتکیٰ من ھٰذہ البلیۃ العظمیٰ وَالطامۃ الکبریٰ وَعَلَیْہ التوکّل وبہ الاعتصام وھوالمعین والمستعان۔

مقدّمہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ
اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ
الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○

(سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۴)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْن

اللّٰہ رَبُّ العزّت نے اپنے جُود و نوال اور فضل و کرم سے خلقِ خدا کے لیے بالعموم اور انسانوں کے لیے بالخصوص رُشد و ہدایت اور رُوحانی تربیّت اور باطنی تطہیر کا انتظام فرمایا اور آیاتِ آفاقیہ و انفسیہ قائم کرنے کے علاوہ کتابوں کو نازل فرمایا اور رُسلِ کرام اور انبیاءِ عظام علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا تاکہ راہِ راست ان پر واضح کریں اور بدعقیدگی اور بدعملی کی آلائشوں سے ان کو پاک و صاف کریں اور انہیں کفر و شرک کی ظلمتوں سے نُورِ ایمان اور ضیاءِ عرفان کی طرف نکالیں اور بے راہروی و ضلالت

کے عمیق گڑھوں سے نکال کر ہدایت کے بلند مقام اور وصول الی اللہ کے بامِ عروج اور معراجِ انسانیت پر فائز کریں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید و تفرید کے انوار سے ان کے قلوب و اذہان کو منوّر کریں اور اپنی نبوّت رسالت کے فیوض و برکات سے ان کے ویران قلب کو رشکِ گلزارِ جنّت بنائیں اور ان کے ارواح کو نفوس کی آلودگیوں سے اور عالمِ آب و گل کی کثافتوں سے منزّہ و مبرّا اور مطہر و مزکّٰی بنائیں اور ان خاکی نہادوں کو نوری صفات بنائیں اور بقول ملائکہ من یفسد فیھا و یسفك الدّماء کے مصداق بننے والوں کو اِنِّیْ اعلم ما لا تعلمون کا رمز آشنا کریں بلکہ رشکِ ملائکہ بنائیں۔

اور یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ اگر سبھی مکلّفین صحیح عقائد اور درست اعمال اپناتے رہتے تو ان کے لیے ان مرشدینِ کرام اور ہادیانِ اسلام کے مبعوث فرمانے کی حاجت اور ضرورت نہ تھی بلکہ جبھی ان میں عقیدہ و عمل کے لحاظ سے بگاڑ پیدا ہُوا اور یہ اشرف المخلوقات بد ترین جانوروں کی پست ترین سطح اور نشیب میں گرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے جوش مارا اور ان کی دستگیری کے لیے اہتمام فرمایا اور ضلالت و کفر کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے اور بدکاری و بدکرداری و ہوائے نفسانی اور اغوائے شیطانی کے دامِ فریب اور حبالۂ مکر میں پھنسنے اور گرفتار ہونے سے بچاؤ اور تحفّظ اور عصمت و صیانت کا سامان کرنے کے لیے ان نفوسِ قدسیہ کو مبعوث فرمایا اور معجزات و خوارق عادات کے ذریعے ان کی تائید و تصدیق فرمائی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے اور اس کے

برحق رسول و نبی اور خلفاء و نائبین ہونے کے واضح نشانات اور امتیازی علامات عطا فرماتے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور ان کے عصیان کو اپنا عصیان اور ان کے محبوں اور غلاموں کو اپنے محبوب اور دوست قرار دیا اور ان کے باغیوں اور مخالفوں کو اپنے دشمن اور مبغوض و مقہور ٹھہرایا اور اپنی توحید کے ساتھ ساتھ ان کی نبوت و رسالت کے اقرار و اعتراف کو اسلام و ایمان کی بنیاد قرار دیا اور منکرِ توحید کی طرح منکرِ نبوت و رسالت کو بھی دولتِ ایمان اور متاعِ اسلام سے محروم اور دارین میں خائب و خاسر اور ذلیل و رسوا ٹھہرایا۔ دنیا میں مستحقِ لعنت اور آخرت میں مستحقِ نارِ سقر ٹھہرایا اور دنیا میں طرح طرح کے عذاب دے کر اہلِ دنیا کے لیے نمونۂ عبرت بنایا اور اپنے رسولانِ گرامی اور انبیاءِ عظام کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی راحت کا سامان فرمایا اور جب تک ان مقدس ہستیوں کی بعثت کے ذریعے اتمام حجت نہ فرمایا اور لوگوں کیلئے معذرت اور بہانہ سازی کے دروازے بند نہ کر دیئے انہیں عذاب و عتاب اور تباہی و بربادی کا نشانہ نہ بنایا۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۱۵)

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ

(سورہ نساء آیت ۱۶۵)

اور جب حجت تمام ہو چکی اور معذرت خواہی اور بہانہ سازی کا سد باب ہو چکا تو پھر انبیاء و رسل کے مخالفین اور باغیوں کو اس عداوت و بغاوت

و عصیان کی پاداش میں حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیا گیا۔

عبدیت و بندگی کا تقاضا

چاہیے تو یہ تھا کہ بندے اللہ تعالیٰ کے تمام تر انعامات و احسانات کا شکریہ ادا کرتے اور بالخصوص اس انعام و احسان کا کہ ان کی دُنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اور کفر و شرک اور گمراہی و ضلالت سے بچانے کے لیے انبیاء و رسل کی بعثت کا سامان فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت واحدیت اور توحید و تفرید کا اقرار و اعتراف کرتے اور شب و روز اس کی عبادت و پرستش میں مصروف و مشغول رہتے اور اس کے خلفاء و نائبین اور رسل و انبیاء کی اطاعت و اتباع اور غلامی و خدمت کو اوّلین فریضہ سمجھتے اور بلا چوں و چرا ان کے احکام و ارشادات پر عمل پیرا ہوتے مگر افسوس کہ من حیث المجموع اس طرح نہ ہو سکا بلکہ پتھر کی مورتیوں کو پوجنے پر تو اصرار کیا اور اللہ تعالیٰ واحد کے حضور سرِ نیاز خم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور پتھروں سے تراشیدہ بے جان مجسموں کو الٰہ ماننے والوں نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ان ہادیانِ برحق کو رسول اور نبی ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اللہ واحد کے ساتھ متعدد آلہہ تسلیم کر لینے والوں نے اور آتش و آب اور سورج و چاند اور ستاروں میں نیز اپنے تراشیدہ بے جان مجسموں میں الوہی کمالات تسلیم کر لیے اور ان کو اپنی

عبادت اور پرستش کا حقدار تسلیم کر لیا مگر سُورج کو اُلٹے پاؤں چلانے والوں، اس کو گردش وحرکت سے باز رکھنے والوں، چاند کو اشارہ سے چیر ڈالنے والوں اور آگ کو سرد کر دینے والوں، دریاؤں کو خشک کر دینے والوں، اور درختوں کو جڑوں پر چلانے والوں اور کنکریوں سے اپنے کلمے پڑھا لینے والوں اور پتھر کی چٹانوں سے چٹانوں جیسی تنو مند و قد آور حاملہ اُونٹنیاں پیدا کر دکھانے والوں اور مادر زاد اندھوں کو چشمِ بینا اور مٹی کے مجسّموں کو پھونک مار کر اُڑتے پرندوں میں ڈھالنے والوں اور صد سالہ مُردوں کو قبوُر سے زندہ کر کے کھڑے کر لینے والوں اور غیب کی خبریں دینے والوں کو پیغمبر ماننے کو بھی تیار نہ ہوئے کیونکہ یہ بظاہر ان جیسے بشر تھے۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ (سُورہ انبیاء ۳)

اور ظالموں نے خفیہ میٹنگ کی کہ نہیں ہیں یہ مگر تمہاری طرح بشر۔

قال اللہ تعالیٰ :

مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ○ (سُورہ یٰسین ۱۵)

نہیں تم مگر بشر مانند ہمارے اور رحمٰن نے کوئی شے نازل نہیں فرمائی اور نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولنے والے۔

قال تعالیٰ :

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا (الآیۃ) (سورہ تغابن ۶)

پس انہوں نے کہا کیا بشر، ہمیں ہدایت کرتے ہیں انہوں نے کفر کیا۔ وغیر ذٰلک من الاٰیۃ ۔ حالانکہ جن کو معبود کا درجہ دیا وہ نہ دیکھنے کے قابل، نہ سننے کے لائق اور نہ ان میں پکڑنے کی استعداد و استطاعت اور نہ ہی چلنے پھرنے کی۔

کما قال تعالیٰ :

اَلَھُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا ط

(سورہ اعراف ۱۹۵)

بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی شے لے کر بھاگ جاتے تو وہ اس حقیر وضعیف سے اس قدر حقیر چیز بھی واپس لینے پر قادر نہیں۔

کما قال تعالیٰ :

وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ط ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ (سورہ حج ۷۳)

لیکن اپنے سے عاجز اور کمترین مخلوق کو خدائی درجہ دینے والوں نے اس قدر بلند و بالا مقام و مرتبہ کے مالک اور امتیازی اوصاف و کمالات سے موصوف و متصف حضرات کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ و وسیلہ و سفیر و رسول اور اس کا خلیفہ و نائب بھی تسلیم کرنا گوارا نہ کیا اور ان کو دعوائے توحید و رسالت میں سچا ماننے کو تیار نہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ

کے اس عظیم انعام و احسان کی ناشکری کی انتہا کر دی۔

بعض لَا اِلٰہ کے وارثوں کا کردار

لیکن اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت کے قائلین میں سے کچھ بدنصیب ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا کہ رسل کرام اور انبیاء کرام کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری عقل رسا اور فہم و فراست ہی صحیح اور غلط عقائد اور اچھے اور بُرے اعمال کی تمیز کے لیے کافی ہے اور بعض نے اس سے بھی دُور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا کہ بعثت رسل کو بندگانِ خُدا کے لیے اوامر و نواہی کے ساتھ مکلّف ٹھہرانا لازم ہے اور ایسے اعمال شاقہ کے ساتھ مکلّف ٹھہرانا اور مشغول رکھنا اللہ تعالیٰ کی ذات میں استغراق اور اس کی معرفت کے حصُول میں انہماک سے مانع ہے اور اس کے حق میں جائز اور ممتنع امور کا فیصلہ کرنے اور ان کے متعلّق غور و فکر کرنے میں مانع ہے اور یہ لوازم باطل و فاسد اور ناقابلِ تحمّل اور ناگوار ہیں لہٰذا نبوّت و رسالت بوجہ ان مفاسد کے مستلزم ہونے کے محال ہے۔ ملاحظہ ہو شرح مواقف صہ ۶۷۲ و شرح مقاصد صہ ۱۷۵ ج ۲۔

اور بعض نے اپنے آپ کو مستغرق فی التّوحید قرار دیتے ہوئے کہا:

الرسل سوی اللہ وکل ماسواہ فھو حجاب عنہ جلّ شانہٗ فالرسل حجاب عنہ وکل ماھو حجاب لاحاجۃ للخلق الیہ فالرسل

لاحاجة للخلق اليهم (روح المعانی صفحہ ۹۵ جلد ۱۴)

یعنی رسل اللہ تعالیٰ کا غیر اور ما سوا ہیں اور ما سوا اللہ اس سے حجاب ہے لہٰذا رسل بھی اس سے حجاب اور باعثِ حرمان ہیں اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ سے حجاب بنے مخلوق کو اس کی حاجت نہیں ہو سکتی لہٰذا رسل و انبیاء کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ یہ الحاد اور زندقہ ہے کیونکہ رسل کرام اللہ تعالیٰ تک رسائی اور وصول کا ذریعہ و وسیلہ ہیں اور اس کی صحیح معرفت اور پہچان کے لیے آئینہ حق نما ہیں اور کوئی عقلمند یہ باور نہیں کر سکتا کہ بادشاہ کا نائب مملکت اس کے لیے حجاب ہے لیکن انہوں نے بہر حال رسالت و نبوت کو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے حجاب اور اس کی معرفت سے مانع قرار دے کر اسے شرک کا شعبہ بنا ڈالا۔ اور اس کے اقرار و اعتراف کو واجب اور لازم سمجھنے کی بجائے اس کے کفر و انکار کو واجب و لازم ٹھہرا دیا اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور عظیم انعام و احسان کی ناشکری کی اور کفرانِ نعمت کیا۔

دورِ جدید کے موحدین کی بیباکی و جسارت

اور اس قسم کے توحیدیوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو ان کو طارش اور چٹھی رساں کا درجہ دیتے ہیں اور مزید کوئی مرتبہ و برتری ان کیلئے ماننے کو تیار نہیں بلکہ اس وقت تو وہ ہاتھ کی لاٹھی کو بھی نبیِ مکرم اور امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ مفید اور کارآمد سمجھتے

ہیں ۔ چنانچہ علاّمہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب نجدیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"شانِ نبوّت اور حضرتِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذاتِ سَرورِ کائنات خیال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانۂ تبلیغ کی مانتے ہیں اور اپنی شقاوتِ قلبی اور ضعف الاعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسُولِ مقبُول علیہ السّلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں ہے اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان کی ذاتِ پاک سے بعدِ وفات کے ہے اور اس وجہ سے توسل دُعا میں آپ کی ذاتِ پاک سے بعدِ وفات ناجائز کہتے ہیں۔

ان کے بڑوں کا مقولہ ہے معاذ اللہ "نقلِ کفر کفر نباشد" کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذاتِ سَرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کُتّے کو بھی دفع کر سکتے ہیں اور ذاتِ فخرِ عالم سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے"۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ۔

(شہاب ثاقب ص۴۷)

اب ذرا علماءِ دیوبند کے مقتدار و پیشوا اور ان کے مسلّم ولی اللہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی بارگاہِ نبوّت میں جسارت و بیباکی اور بے ادبی و گستاخی ملاحظہ فرمادیں:

ا۔ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وُہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۱۱)

۲- یعنی جتنے پیغمبر آئے وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو ماننے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے۔

(تقویۃ الایمان ص۱۱)

۳- ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔

(تقویۃ الایمان ص۱۳)

۴- انبیاء و اولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے سو ان میں بڑائی یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ بتلاتے ہیں اور برے بھلے کاموں سے واقف ہیں سو لوگوں کو سکھلاتے ہیں (تا) اور اس بات کی ان میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو (تا) سب بندے بڑے اور چھوٹے برابر عاجز اور بے اختیار ہیں۔

(تقویۃ الایمان ص۱۷)

۵- یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔ (ص۱۸)

۶- ان باتوں میں (سوداگری میں نفع، لڑائی میں فتح وغیرہ) سب بندے

بڑے ہوں یا چھوٹے سب یکساں بیخبر اور نادان ہیں۔

۷۔ یعنی اللہ سے زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجیے۔

۸۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ (صـ۲۸)

۹۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ (تقویۃ الایمان صـ۳۸)

۱۰۔ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر؟ (صـ۴۰)

۱۱۔ سارا کاروبار جہان کا اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہی ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (صـ۱۱)

۱۲۔ یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔ اولیاء و انبیاء امام اور امام زادے پیر اور شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔ (صـ۴۲)

۱۳۔ یعنی میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ (صـ۱۱)

۱۴۔ اور اگر غیب دانی میرے قابو میں ہوتی تو پہلے ہر کام کا انجام معلوم کر لیتا اور اگر بھلا معلوم ہوتا تو اس میں ہاتھ ڈالتا اور اگر برا معلوم ہوتا تو اس میں کاہے کو قدم رکھتا (گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم برے کاموں میں بھی قدم رکھتے ہیں۔ معاذ اللہ) (صـ۱۷)

۱۵۔ شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالتمآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔

(صراطِ مستقیم فارسی ص۸۶)

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں ان عبارات کے متعلق اتنا عرض کرنا ہی کافی ہوگا۔ ؎

یہ ہے دیں کی تقویت اس کے گھر اور یہ ہے مستقیم صراط شر
جو شقی کے دل میں ہے گاؤ خر تو زباں پہ چوڑھا چمار ہے

لیکن صرف یہ نہیں کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے ہی کلمہ پڑھانے والے اور خدا تعالیٰ کا راستہ دکھلانے والے نبی کے احسان کا بدلہ اس انداز سے چکایا بلکہ دیگر علماءِ دیوبند نے بھی اس کارِ شر میں محرومی برداشت نہ کرتے ہوئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور علاّمہ رشید احمد گنگوہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یوں گوہر افشانی فرمائی،

۱۔ مجھے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہے

۲۔ خود فخرِ عالم فرماتے ہیں وَاللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم الحدیث۔ یعنی بخدا مجھے معلوم نہیں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

۳۔ الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ

سے ثابت کرنا شرک نہیں تو ایمان کا کون سا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے؟

(براہین قاطعہ صا۵)

اور علّامہ اشرف علی تھانوی صاحب یوں رقمطراز ہیں:

۴۔ پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدّسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مُراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض غیب مُراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید و عُمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات اور بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

(حفظ الایمان مصنفہ علّامہ تھانوی صاحب ص۸)

الغرض جو کچھ نجدیوں نے اسارت اور بے ادبی بارگاہِ رسالت مآب[1] میں روا رکھی اور اس کو بزعمِ خویش شرک سے بیزاری کا لازمی تقاضا اور توحید پر ثبات اور یقینِ کامل کا لازمی ثمرہ اور نتیجہ سمجھ لیا اسی طرح ان علماء نے بھی جوشِ توحید میں اور شرک سے برارت ونزاہت کے زعم میں عظمتِ رسالت اور رفعتِ نبوّت کو نظر انداز کرنا بلکہ اس مرتبہ ومقام اور منصبِ جلیل اور درجۂ رفیع کی تنقیص اور توہین کو ضروری سمجھا اور اسے کمترین درجہ اور پست ترین مقام بنانے کی سعیٔ نامشکور کی حالانکہ اگر انبیاء و رسل کے لیے بالعموم اور سید الرسل صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے بالخصوص صرف اور صرف

[1] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

یہ جہت اور پہلو احسان کا ہی ملحوظ رکھتے کہ اللہ واحد کا تعارف انہوں نے کرایا اور کفر و شرک کی خار زار وادیوں میں بھٹکنے سے بچاؤ کا سامان انہوں نے کیا تو بھی ایسی جسارت اور بیباکی کا مظاہرہ نہ کر سکتے اور اس بے ادبی اور گستاخی سے باز رہتے۔ ؎

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

ضرورتِ نبوّت ورسالت

حالانکہ سلسلۂ اسباب و مسبّبات کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے کام لیتے ہوئے ان مقدّس ہستیوں کی بعثت ہماری ہدایت و رہنمائی کے لیے ضروری سمجھی اور ان کی اتّباع و اطاعت میں ہی ہماری بھلائی اور خیر خواہی کو مضمر جانا کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور وہ اپنے معاملات میں خود کفیل نہیں بلکہ دوسروں کے تعاون و اشتراک کا محتاج ہے اسی لیے اس حکیم و دانا اور کارساز خداوند جلّ وعلیٰ نے ہر شخص میں علیحدہ علیحدہ صلاحیت و استعداد ودیعت فرمائی اور ہر ایک کو کسی نہ کسی خاص شعبہ کی طرف مائل اور راغب فرمایا تاکہ ہر ایک کی ضروریات دوسروں کی معاونت سے پوری ہوتی رہیں۔ اگر ہر شخص آپ اناج پیدا کرنے لگے اور اس کے لیے ضروری آلات اور اسباب جمع کرنے لگے اور اپنے جوتوں اور لباس کی تیاری کا سامان بھی آپ کرلے اور بیماری کی صورت میں علاج معالجہ کا بھی اور مکان وغیرہ بھی

خود تعمیر کرے اور اس کے لیے مطلوب اینٹیں اور گاڈر اور ٹی آر وغیرہ بھی خود تیار کرے وغیرہ وغیرہ تو یہ ناممکن ہے اور اس کی زندگی وبال بن کر رہ جائے لہٰذا حکمت و دانائی کا تقاضا یہی ہے کہ تقسیمِ کار کر لی جائے اور زندگی کے لازمی تقاضے پورے کرنے میں ایک دوسرے کی معاونت کی جائے۔

اسی طرح عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق میں سے کونسا صحیح ہے اور کونسا غلط اور کونسا مفید ہے اور کونسا مضر اور کونسی شے حلال ہونی چاہیے اور کونسی حرام، کونسی مفید ہے اور کونسی مضر اس کے لیے ہر آدمی آپ تحقیق شروع کر دے تو زندگی ختم ہو جائے اور وہ دو تین عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق اور حلال و حرام اشیاء کے متعلق بھی حتمی رائے قائم نہ کر سکے تو اس عظیم تر مقصد کے لیے بھی مخصوص افراد درکار ہیں جو دوسروں کو اس جدّ و جہد اور محنت و مشقّت اور کاوش و کاہش سے بچائیں اور ان کی رہنمائی کا ذمہ اٹھائیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ازراہِ لطف و کرم اور جود و نوال چند قدسی نفوس اور نورانی اشخاص پیدا فرمائے اور ان کے دل و دماغ اور حواس و مشاعر کو عام لوگوں سے مختلف بنایا اور اپنی ذات اور ملائکہ کے ساتھ رابطہ و تعلّق کے قابل بنایا اور انہیں عقائدِ حقّہ اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اور حلال و حرام اور طیب و خبیث اور پاک و پلید میں تمیز اور پہچان عطا فرمائی اور انہیں مخلوق کی ہدایت و رہنمائی اور قیادت و رہبری کا فریضہ سونپا اور لوگوں پر ان کی تقلید و اطاعت اور اتباع لازم فرمائی۔

کما قال تعالیٰ :

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ط

(سُورۃ النسآء ۶۴)

ہم نے ہر رسُول اور نبی صرف اور صرف اس لیے بھیجا کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن سے اطاعت کی جائے اور ان کے احکام کی تعمیل کی جائے۔

بالخصوص پیغمبرِ آخر الزّمان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اعلیٰ ترین اختیارات اور تصرّفات کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے حکم کو اپنا حکم، ان کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کے عصیان کو اپنا عصیان، ان کے کلام کو اپنا کلام، ان کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اور ان کے مارنے کو اپنا مارنا اور ان کے ادب و احترام کو اپنی عبادت اور انکی تعظیم و توقیر کو اپنی توحید و تقویٰ کا لازمی تقاضا قرار دیا۔ ان کی بارگاہ کی حاضری کو اپنی بارگاہ کی حاضری، اور ان کی طرف ہجرت کو اپنی طرف ہجرت قرار دیا اور اپنی بخشش کے حصُول کے لیے محبُوب کی شفاعت و سفارش کو ضروری اور لازمی قرار دیا اور ان کی عطا کو اپنی عطا اور ان کی منع کو اپنی منع ٹھہرایا۔

ان کا مالک و مولا ہو کر ان کی بارگاہ کے آداب خود سکھلاتے، کبھی اُونچا بولنے سے منع کیا اور لا پرواہی سے پکارنے کو حرام ٹھہرایا اور خلاف ورزی پر تمام اعمال برباد کر دینے اور سب محنت و مشقّت اور کمائی

پر پانی پھیر دینے کی دھمکی دی اور کبھی ان کے حریم ناز میں داخل ہونے کے آداب بتلائے اور ان کی ازواجِ مطہرات کے مرتبہ و مقام کو ملحوظ رکھنے اور انہیں ایذاء پہنچانے سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا اور کبھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ چلنے کا ادب اور سلیقہ سکھلایا اور کہیں ان کو اپنی طرف متوجّہ کرانے کی کیفیّتِ نداء اور خطاب سے آگاہ فرمایا اور کبھی ان کے بلاوے کی اہمیّت اور فوری حاضری کے وجوب و لزوم پر روشنی ڈالی اور تغافل و سرد مہری اور لاپرواہی کے امکانات کا سدِّباب کیا وغیرہ وغیرہ جیسے کہ اہلِ علم اور قرآن و حدیث سے باخبر حضرات پر مخفی نہیں ہے۔ تاکہ لوگ ان کی عظمت و رفعت اور بلندیٔ مقام و مرتبت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ان سے کما حقہٗ مستفید ہو سکیں اور ان کی اطاعت و اتّباع کو اور غلامی و خدمت کو شرک اور منافیٔ توحید و ایمان نہ سمجھنے لگیں بلکہ واضح فرما دیا کہ ان کی بعثت کے بعد انبیاء و رسل کو بھی ان کی اتّباع و اطاعت اور ان کی پیروی اور اقتداء کے بغیر چارہ نہیں۔

کما قال تعالیٰ :

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

(آلِ عمران آیت ۸۱)

روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ کسی بندے کا محب اور مخلص ہونا اور مطیع و فرمانبردار ہونا قابلِ اعتبار اور لائقِ اعتداد نہیں جب تک

اس محبوب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی غلامی کا طوق اس کے گلے میں نہ ہُوا اور اگر ان کی غلامی اور اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈال لیا تو پھر نہ صرف یہ کہ اس کا محب ہونا قبول ہو گا بلکہ اس کو محبوب بنا لیا جائے گا اور حریم ناز میں مسندِ تکریم پر بٹھایا جائے گا اور عرشِ بریں سے فرشِ زمین تک اس کے اس منصبِ رفیع اور مقامِ منیع کی جبریلِ امین علیہ السّلام کے ذریعے منادی کرا کر ساری مخلوق ارضی وسماوتی اور خاکی و آبی، آتشی اور ہوائی اور رُوحانی اور نُورانی کو اس کا محب بنا دیا جاتے گا اور سب کے ہاں واجب الاحترام والتعظیم اور مفترض التوّقیر والتکریم بنا دیا جائے گا (جیسے کہ نصوص کلامِ مجید اور احادیثِ صحاح سے ثابت اور اہلِ علم اور اربابِ دین وایمان پر واضح ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السّلام کا خالق و مالک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ان کا محب گردانا اور پھر اس محبت کے تقاضے اس طرح پُورے کیے کہ ان کے قول کی عظمت اُجاگر کرتے ہُوئے فرمایا :

وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (الزخرف آیت ۸۸)

اور ان کی زندگانی کی اہمیّت اُجاگر کرتے ہُوئے فرمایا :

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝

(الحجر آیت ۷۲)

ان کے زمانۂ سعادت نشان کی امتیازی نشانی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ ۔ (سُورہ عصر ۱-۲)

اور ان کے قدموں سے مساس کا شرف حاصل کرنے والی مکہ مکرّمہ کی گلیوں کے ذرّہ ہائے خاک کی قدر و قیمت کو اس طرح نمایاں فرمایا :

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ

(سورہ بلد-۱-)

بلکہ ان کے پیاروں سے بھی پیار و محبّت اور ان کی سواریوں بلکہ ان کے سموں سے لگنے والی مٹّی اور سم پتھروں پر پڑنے سے اُڑنے والی چنگاریوں کی قسم اُٹھا کر اپنے دعوئ محبّت کو نبھایا اور ہمیں یہ درس اور سبق دیا اور تعلیم و تربیّت فرمائی کہ محبّت صرف محبُوب تک محدود ہو تو دعوائے محبّت خام اور ناتمام ہوتا ہے بلکہ محبُوب کے آشناؤں محبّوں اور غُلاموں سے بھی بلکہ ان سے متعلّق اشیاء بلکہ ان سے تعلّق رکھنے والی مٹّی اور غبار سے بھی محبّت ضروری ہے۔ کما قال :

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ

(سورہ عادیات-۱)

ایمان و ایقان اور اسلام و اطاعت گزاری اور اللّٰہ تعالےٰ سے محبّت کا یہ تقاضا ہرگز نہ تھا کہ ان مقبُولانِ بارگاہ کے خیال کو العیاذ باللّٰہ اپنے اُوپر حرام کر لیا جائے بلکہ گدھے اور بیل کے خیال میں استغراق سے اس محبُوب کی طرف میلانِ قلب کو بدرجہا بدتر قرار دیا جائے اور اس توجّہ اور صرف ہمّت کو شرک ٹھہرایا جائے اور ان کو چمار سے ذلیل سمجھ لیا جائے

اور مجبور و بے بس اور ذرّہ ناچیز سے کمتر قرار دیا جائے۔ نعوذ باللہ۔ ہر ادنیٰ سمجھ والا مسلمان جانتا ہے کہ والدین جو صرف جسمانی تربیّت کا سبب ہیں ان کا حق اولاد پر یہ ہے کہ انہیں اُف نہیں کہہ سکتے۔ جھڑک نہیں سکتے بلکہ ان کے حضور نرم و دھیمے لہجہ میں بات کرنے کے پابند ہیں۔

كَمَا قَالَ تَعَالیٰ:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ (بنی اسرائیل ع۲۳)

تو جو ہستی مقدس اور ذاتِ والا صفات اسلام و ایمان اور سلوک و وصول کا ذریعہ ہو اور عذابِ دوزخ سے نجات اور جنّت کی ابدی راحتوں کے حصول کا وسیلہ ہو اور رُوحانی ترقی اور بارگاہِ صمدیت میں مسندِ کریم پہ جا بیٹھنے اور دارین میں عظمت و عزّت کے ساتھ مختص ہونے اور کونین میں شرف و فضل کے ساتھ بہرہ ور ہونے کے کفیل و ضامن ہوں ان کا ادب واحترام اور تعظیم و تکریم کس قدر لازم اور ضروری ہوگی اور جو رحیم و کریم خُداوند قدّوس ان مادی اور جسمانی وسیلوں کی ایذاء و تکلیف اور اسارت و بے ادبی گوارا نہیں فرماتا وُہ ربِّ کریم اور خُداوند قدّوس ایسے رُوحانی اور نُورانی وسائل و ذرائع اور وسائط کی ایذاء و تکلیف اور بے ادبی و گُستاخی اور ان کے حضور جسارت و بیباکی کو کیونکر گوارا فرماتے گا بلکہ وُہ اس کو اپنی ایذاء و اسارت و بے ادبی قرار دیتے ہُوئے ایسے لوگوں کو اپنے قہر و غضب کا نشانہ بنائے گا اور ان کے ساتھ اعلانِ جنگ کر کے انتہائی

ذلت وخواری کے ساتھ انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دے گا۔ کما قال :

من عادیٰ لی ولیًا فقد اٰذنتہ بالحرب ۔

جب ولی کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں کا انجام یہ ہے تو نبی الانبیاء امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے گستاخوں اور بے ادبوں اور ان کے ایذاء رسانوں کا انجام کیا ہوگا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

من اٰذانی فقد اٰذیٰ اللّٰہ ومن اٰذی اللّٰہ فیوشک ان یاخذہ

جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قہر وغضب کی گرفت میں لے لے گا۔

(مشکوٰۃ ، فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم)

اور اگر والدین اولاد کی پرورش اور تربیتِ جسمانیہ کے لیے محنت و مشقت برداشت کریں اور مختلف النوع تکالیف اور شدائد کے متحمل ہوں تو ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے وجوب و لزوم کے ساتھ ہی ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور اخلاص وخیر خواہی کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ، قال تعالیٰ :

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳)

اور تیرے رب نے فیصلہ دے دیا ہے کہ نہ عبادت کرو مگر اس کی اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور حُسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کو پائیں تو انہیں اُف نہ کہو اور نہ سرزنش کرو اور ان کے سامنے نرم انداز میں باتیں کرو اور ان کے لیے از روئے مرحمت تواضع اور انکساری کے پہلو اور بازو جُھکاؤ اور دُعا کرتے ہُوئے کہو، اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے صغر سنی میں میری تربیت کی۔

تو رسُولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں دینِ اسلام عطا کرنے کے لیے اور دوزخ کی دہکتی آگ سے بچانے کے لیے اور جنّت کے ابدی راحتوں والے مقام تک پہنچانے کے لیے اور بارگاہِ خُداوند تعالیٰ تک پہنچانے اور اس کے حریمِ قدس میں مسندِ کرامت پر بٹھانے کے لیے کیا کیا محن و تکالیف اور مصائب و شدائد برداشت کیے، پتھر کھائے، تلواروں کے وار سہے، زخمی اور لہولہان ہُوئے، وطن سے بے وطن ہُوئے اور شب و روز سجدہ میں گر کر ہماری مغفرت و بخشش کے لیے دُعائیں فرمائیں اور اب بھی مزارِ پُرانوار میں دُعا گو ہیں جیسے کہ فرمایا:

حیاتی خیرلکم ومماتی خیرلکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیٔ استغفرت اللہ لکم۔

(خصائص [illegible])

اور مغفرتِ ذنوب اور تکفیرِ سیئات اور عفوِ گناہ کے لیے دست بدعا ہیں اور قیامت کے دن کبھی پُل پر کبھی میزان کے پاس عاصیوں کی شفاعت اور سفارش کے لیے موجود ہوں گے اور کبھی حوض پر دستِ کرم سے جامِ کوثر پلا کر ہمیشہ کے لیے پیاس کی مشقّت و محنت سے رہائی اور خلاصی دلانے کے لیے کوشاں اور ساعی ہوں گے تو کیا ایسے رحیم و کریم، مربّی اور محسن اور بہی خواہ اور سراپا شفقت و رحمت نبی کا ادب و احترام اور عزّت و توقیر اور تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب و لازم نہیں ہو گی اور کیا اللہ تعالیٰ ان کی توقیر و تکریم کو اپنی عبادت قرار دینے کی بجائے شرک اور کفر قرار دے گا؟ نعوذُ باللّٰہ من ذٰلک ۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے ۔

بارگاہِ رسالت کے اَدب و احترام کا وجوب و لزوم

الغرض رسل کرام اور انبیاء عظام بلکہ تمام اولیاء کرام کا ادب و احترام اور عزّت و تکریم جانِ اسلام اور رُوحِ ایمان ہے اور تقوٰی و اخلاص کا مغز اور زبدہ و خلاصہ ہے اور توحیدِ خداوند تعالیٰ کی شہادت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت رسالت کے اعتراف و تسلیم کے بغیر اور مقامِ نبوّت کی تعظیم و تکریم کے بغیر قطعاً قابلِ قبول اور لائقِ اعتبار نہیں اور نہ اس کا کوئی ثمرہ اور نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے بلکہ انکارِ رسالت انکارِ خُداوند تعالیٰ کے مترادف ہے ۔ اسی لیے فرمایا :

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ (سورۃ الانعام ۹۱)

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی۔

اور اگر ان کے حضور لاپرواہی سے کسی کی آواز ان کی آواز پر بلند ہو جائے یا ان کو عامیانہ انداز میں مخاطب ٹھہرایا جائے تو سارے اعمالِ صالحہ اور عقائدِ صحیحہ پرکاہ کی حیثیت نہ رکھیں اور بالکل رائیگاں اور برباد ہو کر رہ جائیں کما قال تعالیٰ :

لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

(سورۃ الحجرات ۲)

اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس خسرانِ عظیم اور حرمانِ کبیر کا شعور و احساس بھی دنیا میں نہیں ہونے دیا جائے گا اور توبہ و انابت اور ندامت و پشیمانی کا موقعہ بھی نہیں دیا جائے گا اور صرف و صرف آخرت میں کشف و حجاب اور انکشافِ حقیقت ہوگا تاکہ تلافی و تدارک کی کوئی سبیل و صورت نہ اپنائی جا سکے اس مقام پر عقل و خرد اور ہوش و حواس کو اور فہم و فراست کو پوری طرح بروئے کار لا کر سوچنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر معظّم و مکرّم اور مستحقِ آداب و تکریمات ہستیوں کو نظر انداز کرنے اور ان کے متعلق بے پرواہی سے التفات یا نہ کرنا جائز ہو سکتا ہے؟

گلدستۂ توحید

علمائے دیوبند کی نظر میں کفار و مشرکین کی مخالفت کا حقیقی سبب

علامہ سرفراز کی نظر میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایذاء رسانی کا سبب صرف اور صرف یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی اشاعت کیوں شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچار کیوں کیا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اعلان کیوں کیا اور صحابہ کرام نے اس معاملہ میں آپ کا ساتھ کیوں دیا۔ بس اور کوئی وجہ نہیں تھی چنانچہ لکھتے ہیں :

اُب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تکالیف جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو دیں ان کا سبب علت اور وجہ کیا تھی ؟ کیا آپ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور ذات منوانا چاہتے تھے اور وُہ اس کا انکار کرتے تھے ؟ قطعاً نہیں کیا آپ ان کے سامنے شریعت کے اوامر یعنی نماز و روزہ اور زکوٰۃ و حج وغیرہ پیش کرتے تھے جن کے ماننے میں مشرکین کو تامل تھا ؟ یہ بھی نہیں۔ تو کیا آپ ان کے سامنے نواہی یعنی شراب نکاح متعہ ، بے پردگی ، حرام جانوروں کے کھانے سے روکنا وغیرہ پیش کرتے تھے جس سے وُہ رُک نہ سکتے تھے اور آپ کا مقابلہ کیا ؟ لیکن یہ بھی نہیں تو کیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ سُنا (العیاذ باللہ) جس کی پاداش میں مصائب کا یہ بے پناہ طوفان اُمڈ آیا ؟ نہیں بالکل نہیں۔ چنانچہ

تمام قبائلِ قریش نے متفقہ طور پر آپ سے عرض کیا " ہم نے آپ سے صرف سچ ہی سُنا ہے"، اور ایک روایت میں ہے کہ ہمارا تجربہ ہے کہ آپ نے کبھی جھُوٹ نہیں کہا۔

(بُخاری ص ۷۰۲ جلد ۲، مُسلم ص ۱۱۴ جلد ۱)

بادشاہِ رُوم نے جناب ابُوسفیان سے دریافت کیا کہ انہوں نے کبھی جھُوٹ بولا؟ حضرت رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں اقرار کیا کہ نہیں۔ اور اس نے دریافت کیا کہ کبھی غدر اور عہد شکنی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں

(بُخاری ص ۴ جلد ۱، مُسلم ص ۹۷ جلد ۲)

آپ حیران ہوں گے پھر بات کیا تھی کہ مشرکین آپ کا ساتھ نہیں دیتے تھے ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور باتیں بھی سچی کرتے ہیں۔ ہم آپ کو نہیں جھُٹلاتے بلکہ اس چیز کو جھُٹلاتے ہیں جس کو آپ لے کر آتے ہیں۔

(ترمذی ص ۱۳۲ جلد ۲ اور مستدرک ص ۳۱۵ ج ۲)

اور اس پر قرآنِ مجید میں مندرجہ ذیل ارشاد نازل ہُوا :

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○

(سُورہ انعام - ۳۳)

یعنی ہم کو معلوم ہے کہ تجھے غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وُہ تجھ کو نہیں جھُٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

مذکورہ حدیث اور قرآنی آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین خصوصاً ابوجہل
آپ کو سچا اور با اخلاق مانتے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے
تھے۔ اس مضمون سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ابوجہل وغیرہ مشرکوں کو
توحید سے عناد تھا نہ کہ ذاتِ رسول اور ان کے مکارمِ اخلاق سے۔

گلشنِ توحید و رسالت

تکذیبِ آیات تکذیبِ نبوّت ہے اور تکذیبِ نبوّت تکذیبِ الوہیت ہے،

علاّمہ صاحب موصُوف نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کے بعد خلاصہ یہ نکالا کہ مشرکین کو نہ آپ کی ذات سے عناد تھا اور نہ آپ کے مکارمِ اخلاق سے بس صرف توحید سے عناد تھا اور یہی سبب اور باعث تھا تمام تر عداوت و دُشمنی اور عناد و مخالفت کا اور بس اور علاّمہ صاحب نے ابوجہل کی حرف بحرف تصدیق کر دی حالانکہ معمُولی سُوجھ بُوجھ والا شخص بھی اس حقیقت سے غافل اور بے خبر نہیں رہ سکتا کہ پُورے قرآن یا اس کی کسی آیت کو جھُٹلانا اور اسے کلامِ خُداوند تعالیٰ تسلیم نہ کرنا اور اس کے معنٰی و مفہوم کو باطل اور غلط قرار دینا خود نبیِ کریم علیہ السّلام کی تکذیب ہے اور آپ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کو جھُٹلانا ہے۔ ابوجہل کے نزدیک تو ذاتِ رسُول (صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم) اور منصبِ رسالت اور کلامِ رسُول اور کلامِ خُداوند تعالیٰ الگ الگ ہو سکتا ہو گا اور ایک کی تکذیب دُوسرے کی تکذیب نہیں ہوتی ہو گی لیکن ایک مُسلمان اور مومن اور عالم و فاضل اور بزعمِ خویش ماہر ترین محدّث و مفسّر ایسی حماقت کیسے کر سکتا ہے کہ قرآنِ کریم اور کلامِ خُداوند تعالےٰ کی تکذیب کو رسُولِ برحق صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی تکذیب نہ مانے۔

نیز آیتِ کریمہ کا معنی و مفہوم بھی بالکل غلط سمجھا گیا اور اس کی تعبیر میں سرسر

تحریف سے کام لیا گیا اور یہ بھی ساری نحوست ابوجہل کی تقلید و اتباع کی ہے ورنہ آیتِ کریمہ کا مطلب اور مقصود و مدّعا صرف اور صرف یہ ہے کہ آپ کو کفّار کے جھٹلانے سے پریشان اور مضطرب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ بحیثیت رسُول کے جب آپ کے قول وارشاد کو جھٹلاتے ہیں تو وُہ صرف آپ کو نہیں بلکہ ہمیں اور ہماری آیات کو ہی جھٹلاتے ہیں اور یہ انداز و اسلوب بالکل وہی ہے جو **اللہ** تعالیٰ نے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج" (سُورۃ الانفال ۱۷) میں اختیار فرمایا یعنی تمہارا مارنا الگ نہیں اور ہمارا مارنا الگ نہیں بلکہ تمہارا مارنا ہی **اللہ** تعالیٰ کا مارنا ہے اور جو **اللہ** تعالےٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج (سُورۃ الفتح ۱۰)

بیشک جو لوگ تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں وُہ صرف اور صرف **اللہ** تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں (نہ کہ غیر کے ساتھ) **اللہ** تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(سُورۃ النجم ۳-۴)

وُہ خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ وُہ قول تو صرف وحیِ الٰہی ہے جو ان پر نازل کیا جاتا ہے یعنی قولِ نبوی قولِ خُداوند تعالیٰ ہے - قولہ تعالیٰ:

فانهم لا يكذبونك کا حقیقی معنی ومفہوم -

۱۔ اور یہی معنی و مفہوم اس آیتِ کریمہ کا علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے بیان کیا ہے:

ان آیات میں آپ کو تسلی اور ان اشقیاء کو دھمکی دی گئی ہے کہ آپ ان کے اعراض اور تکذیب سے اس قدر دلگیر اور بے چین نہ ہوں۔ یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں فی الحقیقت آپ کو نہیں جھٹلاتے (تا) مکذبین کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی جنگ حقیقۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نہیں بلکہ ربِّ محمد سے ہے جس نے ان کو اپنا سفیرِ اعظم اور معتمد علیہ بنا کر کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ان خدائی نشانات کی تکذیب ہے۔

۲۔ علامہ نظام الدین نیشاپوری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ جھٹلائے جانے اور آیات اللہ کے جحود و انکار میں بظاہر جو تعارض ہے اس میں تطبیق دیتے ہوئے چار اقوال ذکر فرمائے جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ قولِ باری تعالیٰ، ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ[1] کی مانند ہے اور دوسرا قول یہ ذکر فرمایا کہ یہ آیت کریمہ: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ[2] کی مانند ہے یعنی علانیہ اور بظاہر آپ کی تکذیب بھی کرتے ہیں لیکن قلبی طور پر آپ کی صداقت اور حقانیتِ دعویٰ کے معترف بھی ہیں اور تیسرا قول یہ ذکر کیا ہے کہ وہ آپ کو کاذب نہیں کہتے کیونکہ عرصہ دراز سے آپ کے صدق کا ان کو تجربہ ہے لکن جحدوا صحۃ نبوتک و رسالتک۔ لیکن انہوں نے آپ کی نبوت و رسالت کے صحیح ہونے اور برحق ہونے کا انکار

[1] سورہ فتح آیت ۱۰ [2] سورہ نمل آیت ۱۴

کیا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں عقلی نقص اور ذہنی فتور لاحق ہوگیا ہے اس لیے اپنے آپ کو رسول و نبی سمجھ لیا ہے ورنہ وہ قصد وارادہ جھوٹا دعوٰی کرنے کا نہیں رکھتے تھے یا اس لیے کہ ان کے نزدیک آپ دیگر اقوال و افعال میں تو صادق و امین تھے مگر اس ایک دعوٰی میں سچے نہیں تھے اور چوتھا قول تفسیر کبیر کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ کفار صرف آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ معجزہ کی نبی کے صدق پر دلالت کے ہی منکر ہیں اور اس لیے تمام رسل و انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں۔

۳- امام ابنِ جریر نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کا آغاز ہی اس طرح کیا ہے یقول اللہ تعالیٰ:

لنبیّه محمد صلی اللہ علیہ وسلم قد نعلم یا محمد انه یحزنك الذی یقول المشرکون وذلك قولهم له انه کذاب۔

یعنی ہم جانتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کو حزن و ملال میں ڈالتا ہے جو کچھ مشرک کہتے ہیں اور وہ ہے ان کا قول کہ یہ کذاب ہیں' اور بعد ازاں مشرکین کے دو گروہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ان میں بعض تو بالکل آپ کو جھٹلاتے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختصاصِ نبوت کی نفی کرتے تھے پس بعض آپ کو شاعر کہتے اور بعض ساحر اور بعض کاہن اور بعض مجنون کہتے تھے؛

وینفی جمیعهم ان یکون الذی اتاهم به من

وحی السمآء ومن تنزیل ربّ العالمین قولا۔

اور یہ کفّار ومشرکین سبھی اس پر متّفق تھے کہ آپ جو کچھ ان کے پاس لاتے وُہ آسمانی وحی اور ربّ العٰلمین کا نازل فرمایا ہُوا قول نہیں ہے۔

جبکہ دُوسرا فریق وُہ ہے جس کو قلبی طور پر آپ کے برحق نبی ہونے کا یقین ہے لیکن وُہ حسد اور عناد کی بنا پر جحود و انکار کرتے ہیں اور ان کا حال اللّٰہ تعالٰی کے اس فرمان کے مطابق ہے "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں اور کما حقّہٗ عرفان رکھتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں مگر بایں ہمہ منکر بھی ہیں۔

الغرض کسی مفسر نے نبیِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تکذیب اور آیاتِ باری تعالٰی کی تکذیب میں تفریق اور دوئی ثابت نہیں کی اور یہ تسلیم نہیں کیا کہ کفّار کے نزدیک نبیِ مکرّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم تو سچّے تھے مگر قرآن جھوٹا تھا العیاذ باللّٰہ۔ بلکہ بقول سدی و ابن جریر آیات اللّٰہ کا مصداق ہی رسُولِ معظّم ہیں اور تمام مفسّرین کرام نے قولِ باری تعالٰی وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا (الآیۃ) (سُورۃ الانعام۔۳۴) کو اللّٰہ تعالٰی کی طرف سے نبیِ مکرّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے تسلّی اور اطمینان دلانے کا موجب قرار دیا ہے کہ آپ سے قبل رسُلِ کرام کی تکذیب کی گئی اور انھوں نے صبر کیا اور اعلٰی درجات حاصل کیے تو تم اس تکذیب پر صبر کرنے کے زیادہ لائق ہو کیوں کہ رسُول خلائق ہو۔

فانت اولٰی بھٰذا ا سیرۃ لانک مبعوث الی کافۃ

ل[illegible]

الخلائق فاصبر کما صبروا تظفر کما ظفروا نیشاپوری ص۱۳۶ -

نیز قول باری تعالیٰ :

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ (سورۃ الانعام ۳۳)

تحقیق ہم جانتے کہ آپ کو حزن و ملال میں ڈالتا ہے وہ جو کفار و مشرکین کہتے ہیں -

تو اس کے متعلق بھی تمام مفسرینِ کرام یہی تصریح کر رہے ہیں کہ اس سے مُراد ان کا آپ کو ساحر ، شاعر ، کاہن اور مجنون قرار دینا ہے اور آپ کے دین کو قبول نہ کرنے کا اعلان اور آپ کے دعوائے نبوّت و رسالت کی تکذیب کرنا اور آپ کو جُھٹلانا ہے -

الحاصل علاّمہ صاحب نے اس آیتِ کریمہ کے ماقبل پر غور کیا اور نہ مابعد پر اور نہ خود اس حصّہ پر نظر غائر ڈالی جس سے اپنا مطلب کشید کرنیکی سعیِ ناتمام فرما رہے تھے اور نہ ہی اقوالِ مفسّرین کو حتّٰی کہ اپنے علماء کے اقوالِ تفسیریہ کو بھی مدِّ نظر نہ رکھا اور نہ ہی لائقِ اعتناء اور قابلِ اعتبار سمجھا صرف ابوجہل کے قول پر اپنے دعوے کی بُنیاد رکھ لی اور درحقیقت سمجھ اس کو بھی نہ سکے کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم ان کے دعوائے نبوّت و رسالت کی تائید و تصدیق کر دیں تو ان کی بالادستی اور فوقیّت و برتری تسلیم کرنا پڑے گی ، اور فی الواقع سچے ہوں تو بھی ہم ان کی نبوّت و رسالت کو کبھی بھی برحق نہیں مانیں گے اور ہر حال میں اس کو جُھٹلانے اور اس کے رد و انکار میں پُوری قوّت صرف کر دیں گے -

لہٰذا علامہ صاحب کا یہ نتیجہ برآمد کرنا کہ مشرکین بالعموم اور ابوجہل بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سچا اور با اخلاق مانتے تھے اور ان کو صرف توحید سے عناد تھا نہ کہ ذاتِ رسول اور ان کے مکارمِ اخلاق سے یہ سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف و تبدیلی ہے اور واقعات و حقائق سے دیدہ دانستہ آنکھیں بند کرنے اور دیانت و امانت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

کیا کفار و مشرکین کو رسالتمآب[1] سے عناد نہیں تھا؟

۱۔ کیا انہوں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے جیسا بشر قرار دے کر آپ کی نبوت و رسالت کا دعویٰ رد نہیں کیا تھا؟ قال تعالیٰ:

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ

(سورۃ الانبیاء۔۳)

قال تعالیٰ:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○

(سورۃ بنی اسرائیل۔۹۴)

۲۔ کیا انہوں نے نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے نبی و رسول بنائے جانے کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور نبوت نہ ملنے کی صورت میں ان کی نبوت کو نہ ماننے کا اعلان نہیں کیا تھا؟

[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

قال تعالیٰ :

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ط (سورہ انعام۔۱۲۴)

۳۔ کیا کفارِ مکہ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ مکرمہ اور طائف کے روساء کو فوقیت دیتے ہوئے یہ نہیں کہا تھا۔ قال تعالیٰ :

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (سورہ زخرف۔۳۱)

اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کے لیے آپ کی اہلیت و استعداد کو محلِ تنقید اور نشانہ تضحیک نہیں بنایا تھا ؟

۴۔ کیا کفارِ مکہ نے آپ کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر نہیں کہا تھا :

قال تعالیٰ :

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (سورہ طور۔۳۰)

۵۔ کیا کفارِ عرب اور مشرکینِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب اور وحی کو بیہودہ خواب و خیال اور من گھڑت کلام اور شعر قرار نہیں دیا تھا۔ قال تعالیٰ :

بَلْ قَالُوْآ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ج

(سورہ انبیاء۔۵)

اور کیا شاعروں کو گمرہوں کا مقتدا پیشوا نہیں کہا گیا۔ قال تعالیٰ :

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ (سورۃ الشعراء ۲۲۴)

۶۔ کیا ابوجہل اور اس کی پارٹی نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جادوگر اور ساحر نہیں کہا تھا؟ اور کلامِ مجید کو سحر سے تعبیر نہیں کیا تھا؟ :

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ (سورہ انبیاء ۳)

جبکہ عمل سحر کو قرآن مجید نے کُفر سے تعبیر کیا ہے۔ قال تعالیٰ :

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط (سورۃ البقرہ ۱۰۲)

نیز سحر کہنے کے ساتھ ساتھ کلامِ مجید کو انسان کا بنایا ہُوا کلام قرار دیا اور کہا :

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝

(سورہ مدثر ۲۴)

۷۔ کیا کفار و مشرکین نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنات کے ساتھ رابطہ رکھ کر غیبی خبریں بتانے والے اور ان کے جھوٹ مُوٹ پر اعتماد کرنے والے قرار نہیں دیا تھا؟

۸۔ کیا انہوں نے آپ کو مجنون اور دیوانہ نہیں کہا تھا؟ جس کا رد کرتے ہُوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ط

(سورہ طور ۲۹)

نیز فرمایا : وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(سورۃ الحاقہ ۴۲)

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (سورہ قلم ۲)

ہم حیران ہیں کہ قرآنِ مجید کے صریح نصوص سے کفّار و مشرکین کے اس قدر سنگین الزامات اور افترآت نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حق میں ثابت ہونے کے باوجود علاّمہ صاحب کو یہ دعوٰی کرنے کی جرأت و جسارت کیسے ہوئی کہ ان کفّار و مشرکین کو نہ ذاتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عناد تھا اور نہ ان کے مکارمِ اخلاق سے کیا شاعر و ساحر اور کاہن و مفتری اور مجنون و دیوانہ ہونا سبھی مکارم اخلاق ہیں اور رسُول کی ذاتِ والا میں ان کا پایا جانا درست اور قابلِ تسلیم ہے۔

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اور اگر یہ مکارمِ اخلاق ہیں تو اللہ تعالیٰ کا رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ان کی نفی کرنا اور ذاتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اس گرد و غبار سے محفوظ و معصُوم ہونے کا دعوٰی غلط ہونا چاہیے۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ وُہ قسمیں اٹھا کر ان عیوب و نقائص کی نفی کر رہا ہے اور ان کے برعکس آپ کے لیے روز افزوں اجر اور خلقِ عظیم پر غلبہ و تسلّط ثابت فرما رہا ہے۔

لہٰذا علاّمہ سرفراز صاحب نے یہ دعوٰی کر کے صرف اہلِ اسلام پر ہی نہیں بلکہ خود اپنی جان پر بھی ظلمِ عظیم کیا ہے۔ اور دانستہ یا نادانستہ طور پر قرآنِ مجید اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو جھٹلانے کی سعی نامشکور اور جہدِ نامسعود

فرماتی ہے۔

علامہ صاحب کی معذوری

لیکن ہم علامہ صاحب کو مشرکین و کفار کی وکالت اور ترجمانی میں معذور سمجھتے ہیں کیونکہ اگر علماءِ دیوبند کے اکابرین نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر معلمین کو چمار سے ذلیل اور ناکارہ لوگ جان کر اور ذرّہ ناچیز سے کمتر اور مجبور و بے بس اور اپنے انجام سے بھی بیخبر اور مرکر مٹی میں ملنے والے مان کر اور شیطان سے بھی علم میں کمتر اور ان کے تصوّر و خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر مان کر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم بچوں، پاگلوں اور حیوانات کی مانند تسلیم کرکے بھی انتہائی کامل مومن اور متادب اور سراپا خلوص اور مجسمہ محبت و عقیدت ہیں تو وُہ لوگ کافر و مشرک ہوکر ایسے کلمات کہہ دیں تو انکا ذاتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مکارمِ اخلاق سے عناد کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ ولقد صدق اللہ تبارك وتعالیٰ :

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ (سورہ انعام ۱۱۲)

اور ایسے ہی بنائے ہم نے دشمن پہلے ہر نبی کے انسانوں اور جنوں

میں سے شیطان القا کرتے ہیں ان میں سے بعض طرف بعض کے ملمع شدہ باتیں بطور دھوکہ دہی کے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا (ان کا اس طرح نہ کرنا) تو وُہ نہ کرتے لہٰذا چھوڑ دو ان کو ان کے بہتان تراشی والے حال پر

کیا مشرکین کو صرف توحید سے عناد تھا؟

علّامہ صاحب موصوف کی ساری تگ و دو اور جدّوجہد اور سعی و کوشش یہ ہے کہ کفّارِ عرب کو صرف توحید کا معاند اور مخالف ثابت کیا جائے اور بس حالانکہ وُہ سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت کے معاند و مخالف تھے اور کسی بھی بشری صُورت والی قدسی صفات اور نوری نہاد شخصیّت کو رسُول اور نبی ماننے کو تیار نہ تھے اور ان کی کھوپڑی میں یہ بات سما بھی نہیں سکتی تھی کہ صُورتِ بشری میں بھی نُور آ سکتا ہے؟ اس لیے ہر دور کے مشرک انکارِ رسالت کی بُنیاد اسی واہمہ پر رکھتے رہے:

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (سُورہ ابراہیم آیت ۱۰) اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (سُورہ اسرا آیت ۹۵) مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ لا یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ (سُورہ مومنون ۲۴) مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ لا یَاْکُلُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ (مومنون ۳۳) (فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا وتولوا وغیر ذلك من الاٰیٰت)۔

اور اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی طرف سے اور رسل کرام کی زبانی اس

شائبہ دور توہم کا ازالہ فرمایا کہ بشریت اور رسالت میں کوئی منافات نہیں ہے لہٰذا یہ بظاہر تمہاری طرح بشر ہونے کے باوجود اپنے نُورانی باطن اور امتیازی صلاحیتوں کی وجہ سے رسالت کے لائق ہیں اور اللّٰہ تعالیٰ نے ان کی اسی امتیازی حیثیّت کی وجہ سے ان کو یہ منصب سونپا ہے۔ قال تعالیٰ:

اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ -

اور چونکہ افاضہ و استفاضہ کے لیے قانونِ قدرت کے تحت باہمی مناسبت ضروری ہے اس لیے ہم اگر نُوری فرشتہ کو بھی رسُول بنا کر بھیجیں تو ظاہری شکل اس کی بھی بشری ہی ہو گی۔ کما قال تعالیٰ:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (سُورہ اسراء ۹۵)

یعنی اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو ان کے لیے رسُول بھی فرشتہ اُتارتے لیکن چونکہ تم انسانوں کی ہدایت مطلوب ہے، لہٰذا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (سُورہ انعام ۹)

اگر رسُول فرشتہ کو بھی بنائیں تو اس کی ظاہری صُورت مَردوں والی اور فردِ انسانی والی ہی بنائیں اور ان پر وہی التباس و اشتباہ ڈالیں گے جس میں وُہ اب مبتلا ہیں اور اس قانونِ قدرت کا بیان، قولِ باری تعالیٰ:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝

(سُورہ مریم ۱۷)

سورہ مریم میں ہے کہ جبریل امین علیہ السّلام اللہ تعالیٰ سے حضرت مسیح کلمۃ اللہ والا تحفہ وصول کر رہے ہے تھے تو بشری حالت اپنانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی مگر جب حضرت مریم علیہا السّلام کو وہ امانت سونپنے لگے تو کامل، مکمل بشر بن کر سونپی۔

نوٹ : اس مسئلہ پر مفصّل و مدلّل بحث ہماری کتاب "تنویر الابصار" میں ملاحظہ فرمادیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ کفّار کو صرف اللہ تعالےٰ کی توحید سے ہی نہیں بلکہ رسولوں سے بھی عناد تھا۔

کفّار کے معاندانہ اعتراضات

۱۔ اور اللہ تعالیٰ پر انہیں یہ اعتراض تھا کہ اگر اس نے یتیمِ ابُوطالب کو رسالت دی ہے تو ہم مکّہ کے چودھریوں کو کیوں نہیں دی اور ان کو فقر و درویشی کے باوجود نبوّت مل گئی تو طائف اور مکّہ میں بسنے والے کسی سردار کو کیوں نہیں ملی۔ پھر اس نے فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہ بھیج دیا۔ کیا ضروری تھا کہ ہمیں ایک انسان اور بشر کا غلام بناتا اور اس کا محتاج ٹھہراتا ؟

۲۔ نیز کفّارِ مکّہ کو قرآنِ مجید پر یہ اعتراض تھا :

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ (سورہ مدثّر ۲۵)

یہ انسانی کلام ہے۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ قصے کہانیاں ہیں۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ (سورۃ الانفال ۳۱) - اگر چاہیں تو ہم بھی اس طرح کا قرآن بنالیں۔ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ

جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ (سورہ فرقان ۳۲) اگر یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا ہے تو اکٹھا کیوں نہیں نازل ہوا تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، جس کا اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر رد فرمایا اور انکو مختصر ترین سورت کی مثل لانے سے بھی عاجز ثابت کر کے قرآن کی حقانیت واضح کی۔

۴۔ علاوہ ازیں وُہ عذاب و ثواب، دوزخ و جنت و حشر نشر اور قیامت و رستاخیز کے بھی منکر تھے اور گلی سڑی ہڈیوں کا جی اُٹھنا ان کا ذہن قطعاً قبول نہیں کرتا تھا اور اس نظریہ پر انہوں نے بہت تعجب اور حیرت کا اظہار کیا۔ کما قال:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ (سورہ یٰسین ۷۸)

اِذا متنا وكنا ترابا أانا لفی خلق جدید وغیر ذٰلك

بلکہ اس نظریہ کی تبلیغ و اشاعت پر انہوں نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو افترا پرداز، بہتان تراش اور مجنون ہونے کا طعنہ دیا۔ کما قال تعالیٰ:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○

(سورہ سبا ۷)

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ○

(سورہ سبا ۸)

اور کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسے شخص کی طرف رہنمائی کریں جو

تمہیں خبر دیتا ہے کہ جب تم تمام تر ممکنہ ذرّات اور ریزوں میں تبدیل کر دیئے جاؤ گے تم نئے نئی تخلیق میں ڈھلنا ہے۔ کیا اس شخص نے اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان سے کام لیا ہے یا اُس کو سودا اور جنون ہے (کچھ بھی نہیں) بلکہ آخرت پر ایمان نہ لانے والے عذاب میں ہیں اور راہِ راست سے بہت دُوری اور گمراہی میں ہیں، ان کی ہر وقت رٹ یہی تھی :

ان هي الا حياتنا الدّنيا نموت ونحيٰ

بس یہی دنیوی زندگی ہے مریں گے اور زندہ رہیں گے (اس دنیا میں) شہداء کرام کی حیات اور ان کے رزق دیئے جانے کو اور ابدی نعمتوں اور راحتوں سے بہرہ ور ہونے کو وُہ خام خیال اور توہم پرستی اور شاعرانہ تخیلات سے تعبیر کرتے ہوتے قرآنِ کریم کو شعر اور نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ پر ردّ فرمایا۔

۴ - نیز وُہ تقدیر اور قضا و قدر کے بھی قائل نہیں تھے اسی لیے ہلاکت کو گردشِ زمانہ کی طرف منسُوب کر دیتے تھے۔ کما قال تعالیٰ :

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ (سُورہ جاثیہ ۲۴)

اور اللہ تعالیٰ کی رزّاقی پر بھی اعتماد نہیں رکھتے تھے اسی لیے رزق میں تنگی اور فقر و فاقہ کے خوف کے تحت اولاد کا قتل روا سمجھتے تھے۔

کما قال تعالیٰ :

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ (سُورہ بنی اسرائیل ۳۱)

اور بعض بچیوں کی ولادت کو عار سمجھتے ہوئے ٹھکانے لگا دیتے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قضاء قدر پہ ناپسندیدگی اور نفرت و کراہت کا اظہار کیا ہے

۵ - پھر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے اور ملائکہ کو بنات اللہ مانتے تھے گویا اللہ تعالیٰ کی بھی توہین اور ملائکہ کی شان میں بھی اسارت و بے ادبی کا ارتکاب کرتے تھے - جن بچیوں سے خود نفرت و کراہت کا اظہار کرتے تھے انہیں کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات کر کے غیر منصفانہ تقسیم کے مرتکب ہوتے تھے - کما قال تعالیٰ :

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ○ (سورہ نجم ۲۲)

۶ - نیز اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کے انتظام و انصرام میں عاجز و بے بس سمجھتے ہوئے اس کے معاونین و مددگار فرض کر رکھے تھے - اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اعلانِ توحید پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے اور اکیلے خداوند تعالیٰ کو اتنی وسیع کائنات میں قدیر و مقتدر مدبّر اور متصرّفِ مطلق ماننے کو تیار نہ تھے -

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی فرماتے ہیں :

كان ضلالهم الشرك والتشبيه والتحريف وانكار المعاد واستبعاد رسالته صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وشيوع الاعمال القبيحة والمظالم فيما بينهم وابتداع الرسوم الفاسدة واندراس العبا[illegible]

یعنی کفّارِ عرب کی ضلالت و گمرہی یہ اشیاء تھیں، شرک اور تشبیہ یعنی اللہ تعالیٰ میں بشریت کا اثبات اور تحریف یعنی ملّتِ حنیفیہ کو بُت پرستی وغیرہ میں بدلنا اور عمرو بن لحی کی اتّباع کرنا اور قیامِ قیامت کا انکار کرنا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کو مستبعد سمجھنا اور خلافِ عقل قرار دینا نیز اعمالِ قبیحہ اور مظالم کا عام ہونا اور رسُومِ فاسدہ کا اختراع کرنا اور عبادات کا مٹ جانا۔

لہٰذا ان کی گمرہی اور ضلالت کو صرف شرک اور انکارِ توحید میں منحصر کرنا بالکل لغو اور باطل ہے۔

اگر ان کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس قُرآن کی بجائے کوئی دُوسرا قرآن لاؤ یا اسمیں تغیرّ و تبدل کرو۔

قال تعالیٰ : وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ (سُورہ یونس ۱۵)

اور جب ان پر ہماری آیات بیّنات تلاوت کی جائیں تو ہماری ملاقات کی اُمید نہ رکھنے والے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے مُنکر کہتے ہیں اس کے علاوہ کوئی دُوسرا قرآن لاؤ یا اس کو تبدیل کر دو، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ کیونکر ہوگیا کہ وُہ صرف توحیدِ خُداوند تعالیٰ پر مشتمل آیات سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور بس۔ کیا دیگر شدید بدعقیدگیاں ان میں موجود نہیں تھیں اور وُہ ان کو آسانی سے چھوڑ سکتے تھے؟ کیا

کیا آیاتِ بیّنات صرف توحید پر مشتمل آیات ہی ہیں؟ نیز قرآن مجید کے اس عام کو کس دلیلِ قطعی سے مخصوص ٹھہرایا جا رہا ہے؟ پھر الّذین لایرجون لقاءنا کیوں فرمایا گیا مشرکون اور الّذین یعبدون غیراللہ وغیرہ صریح الدلالت الفاظ کیوں نہ ذکر کر دیئے گئے؟ لہٰذا یہ سب کچھ علامہ سرفراز صاحب کی اختراع ہے اور محض منصبِ رسالت کو غیراہم رکنِ ایمانی ثابت کرنے کی مذموم کوشش ہے ورنہ کسی بھی صاحبِ علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ توحید کا اقرار و اعتراف بغیر رسالت کے اقرار و اعتراف کے بے نتیجہ اور بے فائدہ ہے اور کسی بھی حتمی طور پر ثابت عقیدہ کا انکار انکارِ توحید بھی ہے اور انکارِ رسالت بھی اور موجبِ نار بھی ہے اور سب اعمالِ خیر کی بربادی کا موجب اور علّتِ تامہ بھی۔ مزید تفصیل اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

پادشاہِ رُوم کے مکالمہ کی حکایت میں غلطی

علاّمہ صاحب لکھتے ہیں کہ ۶ھ میں ہرقل رُوم نے حضرت ابُوسفیان اور ان کے چند دیگر تجّار رفقاء کو بُلا کر (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلّق چند سوالات کیے جن میں دو سوالات یہ بھی تھے، کیا اس (یعنی جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے کبھی جھُوٹ کہا ہے؟ حضرت ابُوسفیان نے بھرے مجمع میں اقرار کیا کہ نہیں!

پھر سوال ہُوا کہ اس نے کبھی غدر اور عہد شکنی کی ہے؟ حضرت ابُوسفیان نے کہا نہیں ۔ (بُخاری شریف جلد اوّل ص۴، مُسلم شریف ص۹۷)

حالانکہ تیرہ ۱۳ سالہ مکّی زندگی میں آپ کے خلاف کذب بیانی اور بہتان تراشی اور افتراء پردازی کے الزام عائد کیے جاتے رہے، اور علّامہ صاحب نے خود ص۱۲ پر ابولہب کی زبانی نقل کیا ہے، انه صابئ کاذب (مستدرک جلد اوّل ص۱۵) بیشک وُہ بے دین جھوٹا ہے، العیاذ باللہ۔ اور پھر بدر کی جنگ اور اُحد کی لڑائی اور خندق کے موقعہ پر چڑھائی کیا آپ کے اعلانِ صداقت کے لیے تھیں اور اہلِ دُنیا پر آپ کی حقانیت واضح کرنے کے لیے تھیں؟ جب آپ کے لائے ہوئے دین کو آپ کے نبوّت ورسالت کے دعوٰی کو جھُوٹ سمجھتے تھے اور آپ کو کاذب سمجھتے ہُوئے آپ کو اور آپ کے غُلاموں کو شہید کرنے اور مذہب اسلام کو خاکم بدہن غلط سمجھتے ہوئے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کے درپے تھے تو پھر سچّا ماننے کا تصوّر اعلانِ نبوّت کے انیسویں سال میں کیونکر ہو سکتا تھا۔ لہٰذا عقلاً اور درایۃً اور واقعتاً وحقیقتہً یہ بات غلط ہونے کے علاوہ ترجمہ اور معنٰی ومفہوم کی ادائیگی میں خیانت اور بد دیانتی پر بھی مشتمل ہے۔ کیونکہ شہنشاہِ رُوم کا سوال یہ تھا، ھَل کنتم تتھمونه بالکذب قبل ان یقول ماقال "کیا تم انہیں کبھی جھُوٹ کے ساتھ متہم کرتے تھے قبل اس دعوٰی کے جو انھوں نے کیا اور پہلے اس قول کے جو کیا تو جناب اَبُوسفیان نے کہا نہیں یعنی یہ سوال کذب کے اتہام والزام کے متعلق اعلانِ نبوّت سے قبل

کے ۔ور کے متعلق تھا نہ کہ اعلانِ نبوّت کے وقت سے اس مکالمہ تک جا ابھ
یہ تو ہرقل کو بھی معلوم تھا کہ یہ لوگ ان کے مخالف ہیں اور انکو اعلانِ نبوّت
میں اور دیگر عقائدِ اسلام کے بیان میں جھوٹا سمجھتے ہیں اسی لیے اس نے
ان پر چوٹ کرتے ہوئے اور سوء رائی اور غلط سوچ پر تنقید کرتے ہوئے
کہا کہ :

فقد اعرف انہ لم یکن لیذر الکذب علی
النّاس ویکذب علی اللہ ۔ (بخاری شریف صہ ج ۱)

میں البتہ اس حقیقت کو جانتا ہوں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر
تو جھوٹ نہ باندھیں اور ان کے ساتھ غلط بیانی نہ کریں اور اللہ تعالےٰ
پر جھوٹ باندھنے لگیں اور بہتان تراشی کریں اور نبی و رسُول نہ ہونے کے
باوجود دعویٰ کردیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی و رسُول بنایا ہے ۔
نیز دوسرے سوال کے جواب میں بھی ممکن حد تک وسوسہ اندازی کی
کوشش کی لیکن ہرقل نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ جناب ابُوسفیان
نے کہا تھا پہلے تو عہد شکنی اور بدعہدی نہیں کی لیکن :

"نحن فی مدۃ منہ لا ندری ما ھو فاعل فیھا قال
ولم یمکنی کلمۃ ادخل فیھا شیئا غیر
ھذہ الکلمۃ ۔"

ہم اب ان کے ساتھ ایک مدّت تک مصالحت کے عہد پر ہیں نہیں معلوم
کہ وُہ اس میں کیا کریں ، حضرت ابُوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے کسی جوابی جملہ

میں کوئی لچک اور کمزوری پیدا کرنے کا موقع نہ ملا سوائے اس جملہ کے۔
اور اس صاف گوئی اور حقیقت کے اظہار کا موجب کیا تھا۔ ذرا اس پر
بھی نظر رہے۔ فرماتے ہیں :

فواللّٰہ لولا الحیاء ان یاثروا علیّ کذبا لکذبت علیہ

بخدا اگر یہ حیا دامن گیر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرے متعلق جھوٹا ہونے کا پرچار کریں تو میں ضرور ان پر جھوٹ باندھتا لیکن اس حیا نے مجھے اس اقدام سے باز رکھا کہ لوگ مجھے جھوٹا اور کاذب نہ سمجھیں۔

مقامِ عبرت ہے "امکانِ کذب" کے قائلین کے لیے

یہاں علامہ صاحب اور ان کی جماعت کے لیے سامانِ عبرت ہے کہ کافر بھی جھوٹ کو صفت نقصان اور قبیح امر سمجھتے تھے حالانکہ وہ شریعت کے اور دینِ اسلام کے منکر اور مخالف تھے تو معلوم ہوا کہ کذب اور جھوٹ از روئے عقل قبیح ہے اور موجبِ نقص ہے، اور جو امر عقلاً قبیح اور صفت نقصان ہو اس کا اللہ تعالیٰ میں پایا جانا محال ہے اور اس پر اہلِ اسلام اور علماءِ اعلام کا اجماع و اتفاق ہے مگر حیرت و تعجب ہے علماء دیوبند پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں دلائلِ شرعیہ سے اس کا امکان ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ کم از کم علامہ صاحب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے اتنا ہی سبق حاصل کر لیتے!

مگر یہ تو آپ کے مقاصد سے بعید تر ہے آپ تو صرف تلبیس و تدلیس

اور دھوکہ دہی اور فریب کاری کے ہی درپے ہیں اور ظاہر ہے ان کے مقدر کو ہم تو بدلنے سے قاصر ہیں اور جس کے بس میں ہے وہ انہیں وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ کے اندھیروں میں رکھنا چاہتا ہے اور اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (سورہ کہف ۱۰۴) کے مطابق کھوکھلی خوش فہمیوں میں گرفتار دیکھنا چاہتا ہے۔ ؎

گلیم بخت کسے کہ بافند سیاہ
بآبِ کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

گلدستۂ توحید

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ سوق ذوالمجاز میں ارشاد فرمایا، یا ایّھا النّاس قولوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تفلحوا تو ابولہب نے کہا یہ بے دین جھوٹا ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہ وہی ابوجہل ہے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سچا مانتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ ہم آپکو نہیں جھٹلاتے لیکن جو مسئلہ توحید آپ بیان کرتے تھے اس کو سُن کر وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ بس یہی حال آج بھی ہے کہ شرک کے شیدائی حضرت محمدؐ رسُول اللہ کو سچا مانتے اور عقیدت کا دَم تو بھرتے ہیں مگر جو مسئلہ آپ نے بیان فرمایا تھا اس کا انکار بھی ہے جناب رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور حضرات صحابہ کرام کو یہ تمام تکالیف صرف خدا تعالیٰ کی الوہیت اور توحید خالص سنانے کی کی وجہ سے پیش آئیں اور حقیقت میں توحید کا لُطف ہے ہی تب آتا ہے جب

اس کو صاف اور کھلے لفظوں میں بیان کر کے صرف ایک ہی خدا کو حاجت روا اور مشکل کشا اور مسجود یقین کیا جائے گو دنیا سب ناراض ہو جائے۔ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

گلشن توحید و رسالت

الحمد للہ ہم اپنے آپ کو توحیدِ خالص پر کار بند سمجھتے ہیں اور فی الواقع ہیں بھی توحیدِ خالص پر مگر ہم توحید کے اس مفہوم کے خلاف ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ہم تیری خاطر تیرے رسلِ کرام اور اولیاءِ عظام سے بھی خفا ہیں اور ان کو چمار سے ذلیل اور ناکارہ لوگ سمجھتے ہیں اور ذرّہ ناچیز سے کم تر اور شیطان لعین کو علم میں ان پر فوقیت دیتے ہیں اور ان کے خیال و تصوّر کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر سمجھتے ہیں، وغیر ذٰلک، کیونکہ ایسے کلمات کو مقبولانِ بارگاہ کی گستاخی اور بے ادبی سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ اور حرب و قتال سمجھتے ہیں۔ جب صفا و مروہ پہاڑیاں حضرت ہاجرہ کے قدموں سے مس ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے بن جائیں اور انکی تعظیم و تکریم اللہ تعالےٰ کی عبادت بن جائے اور اخلاص و تقوٰی کی ضمانت۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ (سورہ بقرہ ۱۵۸)

وکما قال:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○

(سورۃ الحج ۳۲)

تو سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور انبیاء و رسل اور اولیاء و محبوبانِ خداوند تعالیٰ کا مقام کس قدر بلند و بالا ہوگا اور ان کی تعظیم و تکریم کس قدر عظیم عبادتِ الٰہیہ ہوگی؟ اور کامل ترین مومن ہونے کی ضمانت ہوگی

نیز ملائکہ سے خفا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خفا ہونے کے مترادف ہے اور سُنّتِ یہود ہے کیونکہ وہ جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ردّ میں فرمایا کہ فرما دیجیے کہ جس نے جبرئیل سے عداوت رکھی تو اس نے قرآنِ مجید کو آپ کے دل پر نازل کیا اللہ تعالیٰ کے اذن سے

قل من کان عدوا لجبرئیل فانہ نزلہ علیٰ قلبك باذن اللّٰہ

الایہ اور ساتھ ہی واضح فرما دیا کہ جبرئیل کی عداوت میکائیل اور دیگر تمام ملائکہ کی عداوت ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی عداوت ہے اور اس کے رسولوں کی عداوت ہے:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ (سورہ بقرہ ۹۸)

نیز دو عالم سے خفا ہونے کا لازمی نتیجہ جنّت اور اس کی نعمتوں سے خفگی اور بیزاری ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر اور حمد و ثنا لازم ہے، اور کفران و خفگی حرام اور کفر ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔

نیز شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافے کا باعث ہوتا ہے اور ناشکری نعمتوں کے سلب ہونے اور عذابِ الیم سے دوچار ہونے کا موجب بنتی ہے

کما قال تعالیٰ :

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

اور جہاں صرف ناشکری ہی نہیں بلکہ خفگی اور ناراضگی پائی جائے تو وہاں اللہ تعالیٰ کا قہرِ عظیم اور عذابِ شدید نازل ہوگا اور اخروی نعمتیں تو درکنار ایمان وایقان والی دولت اور پونجی بھی سلب ہوجائے گی اور دنیوی و اخروی خسران اور ذلّت و خواری مقدّر بن جائے گی۔ لہٰذا اگر علّامہ سرفراز صاحب کو اپنی مصنوعی اور اختراعی توحید کی خاطر ملائکہ اور حُور و غلمان اور جنّت سے بھی ناراضگی ہے اور انبیاء و رسل سے بھی خفا ہیں تو ہم ان کو اس سے باز تو نہیں رکھ سکتے لیکن وُہ انجام کے متعلق خود ہی غور و فکر کرلیں کہ وُہ کس قدر خراب اور موجبِ ذلّت و رسوائی ہوگا۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک۔ کیونکہ کسی ایک ولی کی دُشمنی جب اللہ تعالےٰ کے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال کی موجب ہے تو سب انبیاء و رسل اور ملائکہ و رُوحانیین کی عداوت اور حُور و غلمان اور جہان سے نفرت و کراہت کا انجام اور نتیجہ کتنا بھیانک ہوگا۔ لہٰذا مخلصانہ مشورہ ہے کہ حُبّ فی اللہ سے بھی کام لیں اور اس کو مدارِ ایمان سمجھیں اور اسی حُبّ فی اللہ کی وجہ سے اللہ والوں سے محبّت فرض سمجھیں۔

دیکھیں اللہ تعالیٰ کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار اور محبت ہے تو اس کے تحت اُس نے آپ کے شہر اور اس کی گلیوں کی مٹی سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف اور قول و کلام سے محبت کا اظہار کیا ہے اور کہیں لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (سورہ بلد-۱) فرمایا تو کہیں لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ (سورۃ الحجر ۷۲) اور کہیں وقیلہ یارب فرمایا بلکہ اس محبوب کے یاروں سے بھی اپنی محبت کا اظہار فرمایا بلکہ ان کے گھوڑوں کے ہانپنے کی آواز سے، انکے سموں سے لگنے والی مٹی سے اور سموں کے پتھروں پر پڑنے کی صورت میں اُڑنے والی چنگاریوں سے بھی محبت کا اظہار فرمایا۔ قال تعالیٰ:

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝

(سورۃ العٰدیٰت ۱)

لہٰذا توحید یہ نہیں کہ بندہ دو عالم سے خفا ہو جائے بلکہ ہر اُس شے سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور نسبت ہو اور صرف ان چیزوں سے متنفر اور بیزار ہو جن کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ ہو اور نہ اس سے کوئی انتساب ہو۔ خدا جانے قرآن و حدیث کے واضح ارشادات کو چھوڑ کر سرفراز صاحب شاعروں کی اتباع پر کیوں کمربستہ ہیں۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

احبونی لحب اللہ واحبوا اھل بیتی لحبی ایاھم۔

[illegible]

مجھے محبوب رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہلبیت سے محبت رکھو میرے ان سے محبت رکھنے کی وجہ سے۔ اور جن تین چیزوں پہ ایمان کی حلاوت سے لُطف اندوز ہونے کا دارو مدار رکھا ان میں پہلی چیز ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمیع ماسوا سے محبُوب ترین ہونا اور دُوسری چیز یہ بیان فرمائی، ومن احب عبداً لا یحبہ الا للہ اور جو کسی بندے سے محبت رکھے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ (کتاب الایمان مشکوٰۃ)

الغرض صرف دوعالم سے خفا ہونے کو توحید سمجھنا سراسر غلط ہے بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے مقبُولانِ بارگاہ اور عباد صالحین بھی ہیں جن کی محبّت لازم اور ضروری ہے اور ان کی تعظیم وتکریم رُوحِ ایمان اور جانِ اسلام ہے اور ان سے عداوت اور دُشمنی اور کدورت و نفرت ایمان وایقان کی بربادی اور تباہی کی موجب ہے، لہٰذا توحید کی آڑ میں اتنی بڑی محرومی اور خسران و خذلان برداشت کرنا عقلمندی کا تقاضا بھی نہیں اور ایمان و اِسلام کا تقاضا بھی نہیں۔

یہی بُنیادی فرق ہے علماءِ دیوبند اور ہماری سوچ میں کہ وُہ ان مقدس ہستیوں کی توہین وتحقیر اور کسرِشان اور تفریطِ قدر کو توحیدِ خداوندی کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی تقرّب اور وصل والی نسبت کے تحت ان کی تعظیم وتکریم اور عزّت وتوقیر کو توحید اور ایمانِ خالص کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں اور ان کی اسائت و بے ادبی اور توہین وگستاخی کو توحید

و ایمان کی بربادی اور دنیوی و اُخروی خسران کا موجب و باعث اور علتِ تامہ کاملہ یقین کرتے ہیں۔

علّامہ صاحبؒ کی بے شعوری

ادھر تو ذکر کیا تھا کہ ابولہب نے بجواس کیا یہ بیدین جھوٹا ہے نعوذ باللہ اور حاشیہ میں بھی ابولہب کے متعلّق ہی لکھا کہ اس نے کہا یہ تمہیں دینِ آبا سے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ایک نہ سُنو، مگر درمیان میں فرمایا یہ وہی ابوجہل ہے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو سچا مانتا تھا۔ ہم حیران ہیں ابولہب ایک سطر بعد ابوجہل کیسے بن گیا اور یہ دُو شخص فردِ واحد کیونکر بن گئے۔

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے ؎

کیا صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ فلاح ونجات کے لیے کافی ہے؟ علّامہ صاحب نے یہ روایت (قولوا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ تفلحوا) ذکر کر کے یہ غلط تاثر دینے کی سعی فرمائی ہے کہ فلاح ونجات کے لیے صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا کافی ہے، اور رسالت پر ایمان اور کتابوں اور ملائکہ کی تصدیق اور قیامت اور تقدیر پر ایمان لازم نہیں' العیاذ باللہ۔ حالانکہ ان قطعی عقائد کا انکار تو دُور کی بات ہے فرائض اور محرمات میں سے کسی کا انکار بھی کفر و بے دینی ہے، اور توحید کا اقرار بھی اس صورت میں بے فائدہ اور بے اثر ہو جاتا ہے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ عنوان ہے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے لائے ہوئے دین کا اور جملہ عقائد اور فرائض و محرمات وغیرہ کا اعتراف و اقرار اس میں مندرج ہے۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا :

والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھٰذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

اس امّت دعوت کا کوئی فرد حتّٰی کہ یہودی اور نصرانی ہی کیوں نہ میرے متعلق سُن لے پھر مر جائے اور میرے ساتھ ایمان نہ لائے تو وہ ہمیشہ کے لیے آتشِ دوزخ میں رہنے والوں میں سے ہوگا۔

اور اسی لیے وفد عبدالقیس کو حکم دیا کہ اللہ وحدہٗ کے ساتھ ایمان لاؤ اور پھر دریافت فرمایا :

اتدرون ما الایمان باللہ وحدہٗ ۔

کیا جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ کے ساتھ ایمان کیا ہے جب انہوں نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم ، تو آپ نے فرمایا :

شھادۃ ان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وان محمدًا رسول اللّٰہ

اللہ واحد کے ساتھ ایمان نام ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی شہادت کا۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من مات وھو یعلم انہ لآ الٰہ الآ اللہ دخل الجنّۃ

(رواہ مسلم)

جو شخص بھی اس حال میں مرے کہ اس کو لآ الٰہ الآ اللہ کا حتمی اور قطعی علم ہو تو وُہ جنّت میں داخل ہو جائے گا۔

تو علاّمہ علی القاری نے اس کی شرح میں فرمایا، وھٰذہٖ الکلمۃ علم لکلمتی الشھادۃ ولذا اقتصر علیھا۔ ص۱۱۱ ج ۱۔ لآ اِلٰہ الآ اللہ کا کلمہ اور جُملہ شہادت توحید اور شہادت رسالت کا عَلَم اور نام ہے۔ اور دونوں شہادتوں کا عنوان ہے اسی لیے اس پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور اس مضمون کی دُوسری حدیث، مفاتیح الجنّۃ شھادۃ لآ الٰہ الآ اللہ کے تحت فرمایا:

فیہ الاستغناء باحد المتلازمین عن الآخر اذ لا یعتد باحدی الشھادتین الامع الاخریٰ۔ (ص۱۱۴)

یعنی اس حدیث میں دو متلازم شہادتوں میں سے ایک کے ذکر پر اکتفاء کر لیا گیا ہے اور دُوسری شہادت کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا کیوں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دُوسری کے بغیر قابلِ اعتداد اور لائقِ اعتبار نہیں ہے۔ اور خود رسولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حلاوتِ ایمان سے لطف اندوز ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کا اور اپنا جمیع ماسوا سے محبوب ترین ہونا لازمی قرار دیا اور فرمایا:

ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من

كان اللّٰہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما الحدیث

اور واضح فرما دیا کہ :

ان المعتبر ھو المجموع المرکب من المحبّتین لا کل واحدۃ فانھا وحدھا ضائعۃ لاغیۃ والیہ الاشارہ بقولہ تعالیٰ :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(سورہ آل عمران ۳۱)

کہ حلاوتِ ایمانی سے لطف اندوز ہونے کے لیے دونوں محبّتیں مجموعی طور پر پائی جانی ضروری ہیں اور ان میں ہر ایک کا فرداً فرداً پایا جانا ناکافی اور بے نتیجہ اور بے ثمر ہے اور قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:
اے محبوب فرما دیجیے اگر تم اللّٰہ تعالیٰ سے محبّت رکھتے ہو تو میری اتّباع کرو اللّٰہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا اور تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللّٰہ تعالیٰ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

۱؎ مرقاۃ ص[illegible] ج ۱ و کذا فی عمدۃ القاری شرح بخاری ص[illegible] ج ۱)

بلکہ خود قرآن مجید اس امر کا شاہد صادق ہے کہ انکارِ رسالت، انکارِ توحید ہے اور رسالت کی ناقدری خود الوہیت کی ناقدری ہے، قال اللّٰہ تعالیٰ:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

(سورہ انعام ۹۱)

اور نہیں قدر پہچانی انہوں نے اللّٰہ تعالیٰ کی [illegible] کہا کہ اللّٰہ تعالیٰ

نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔ لہٰذا علامہ صاحب کی عبرت کے لیے ان کے مسلم قلندر لاہوری کا ارشاد پیشِ خدمت ہے۔ ؎

بمصطفٰےؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ۔

محمدؐ عربی کابروئے ہر دو سرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

(علامہ سرفراز کا جدید اسلام)

علامہ سرفراز صاحب نے جوشِ توحید میں اپنے اکابر کے اقوال اور نظریات کو اور ان کی تعلیمات کو بھی نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ان کے ردّ و ابطال کے درپے ہیں، بلکہ نئے اسلام کی بنیاد رکھنے کے درپے ہیں اور پرانے اسلام سے اہلِ اسلام کو دور کرنے پر کمر ہمت باندھے ہوئے ہیں۔

علامہ اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں :

سوال : حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو جب ذکر شریف تعلیم فرمایا تھا کہ لا الٰہ کے وقت یہ خیال کرے کہ جس قدر محبتیں غیرِ خدا کی ہیں سب نکال کر پس پشت ڈال دیں اور الا اللہ کے وقت یہ خیال کرے کہ صرف اللہ تعالٰی کی محبت قلب میں داخل کی تو اب وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہؐ کی محبت کو بھی بروقت ذکر شریف کے ایسا ہی خیال کرے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہوگی تو

ؐ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مسلمان نہیں۔

جواب: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت عین خدا کی محبت ہے بلکہ جمیع اہل اللہ کی محبت بھی عین خدا تعالیٰ کی محبت ہے پس مراد اس تعلیم میں یہ ہے کہ جو محبتیں خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتیں ان کو پس پشت ڈال دیا۔

اب کوئی اشکال نہیں، فقط ۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۴ھ الکشف ص ۴۳۔

گویا سن مذکور تک تو علماءِ دیوبند کا عقیدہ و نظریہ یہی تھا کہ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر ایمان کافی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت نبی الانبیاء اور دیگر محبوبانِ بارگاہِ اقدس کی محبت کے منافی اور مناقض نہیں بلکہ دونوں میں تلازم بلکہ عینیت موجود ہے۔ اگر سنہ ۱۳۲۴ھ کے بعد کوئی نیا اسلام آگیا ہے تو اس جدید ترین اسلام سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا ہم تو رسول گرامی[1] کے عطا کردہ اسلام کی اتباع و اقتداء کے ہی پابند ہیں۔

[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

بَابْ اوّل

گلدستۂ توحید

اس باب میں علامہ سرفراز صاحب نے شرک کی مذمت بیان کی ہے اور متعدد آیات ذکر کی ہیں۔

۱۔ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا، اے پیارے بیٹے شریک نہ ٹھہراؤ اللہ کا بے شک شریک ٹھہرانا بھاری ناانصافی ہے۔

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝

(سورہ لقمان آیت ۱۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان فرمایا۔

بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک ٹھہرائے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اس کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ۝ (سورہ نساء آیت ۴۸)

۳۔ بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں گناہگاروں کی مدد کرنیوالا

إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ
وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ○

(سورہ مائدہ آیت ۷۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے گویا تمام پیغمبروں کا ذکر کر کے آگے فرمایا:
وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

(سورہ انعام آیت ۸۸)

یعنی بالفرض خدا تعالیٰ کے پیغمبروں سے بھی شرک سرزد ہوتا تو انکے اعمال بھی بالکل ضائع ہو جاتے اور ان کو کوئی بھی نیکی کا کام مفید نہ ہو سکتا

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ
مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ (سورہ زمر آیت ۶۵)

اگر تُو نے شرک کیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تُو ہو جائے گا نقصان اُٹھانے والوں میں۔

خلاصہ امر یہ کہ شرک کرنا ظلمِ عظیم ہے اور ہمیشہ کیلئے مشرک بخششِ خداوندی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس پر جنت حرام ہو جاتی ہے اور شرک اتنی قبیح چیز ہے کہ بالفرض پیغمبروں سے بھی اس کا صدور ہوتا تو ان کے اعمال بھی اکارت ہو جاتے۔ الغرض مشرک سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا باغی اور نافرمان دُوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تُو خُدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ (ص۱۳ تا ص۱۶)

گلشنِ توحید و رسالت

شرک کی طرح انکارِ رسالت اور انکارِ خاتمیت بھی ناقابلِ مغفرت ہے

یہ سب کچھ بجا اور ہمارا اس پر ایمان و ایقان ہے لیکن سوال صرف یہ ہے کہ شرک کیا ہے اور آیا اہلِ السُنّت خواص و عوام میں شرک موجود و متحقّق ہے کیونکہ علاّمہ صاحب کا اصل مقصد تو اہل السُنّت کو مشرک ثابت کرنا ہے حالانکہ وُہ بیچارے اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ ذات و صفات میں اور افعال و اعمال میں اور استحقاقِ عبادت وغیرہ کسی بھی امر میں کسی کی شرکت تسلیم نہیں کرتے اور اسے وحدہٗ لا شریک لہٗ جانتے اور مانتے ہیں اور اسی وحدانیت کا ہر وقت اعلان کرتے ہیں بالخصوص اذان اور اقامت میں اور نماز کے تشہد میں ہر وقت اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دیتے ہیں اور سیّد انبیاء اور امام الرّسل صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی صرف اور صرف اللّٰہ تعالیٰ کا عبد اور رسُول مانتے ہوئے یہ شہادت دیتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ چہ جائیکہ دُوسرے انبیاء یا اولیاء میں الوہیت تسلیم کریں اور ان کو اللّٰہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائیں العیاذ باللّٰہ۔ لیکن ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جس طرح مشرک کی بخشش نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح مُنکرِ نبوّت و رسالت کی بخشش بھی نہیں ہو سکتی اور بالخصوص سیّد الرّسل صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خاتمیت کے منکر کی بھی بخشش ناممکن ہے اور اس پر جنّت ابد الآباد کے لیے حرام ہے۔ توحید و رسالت میں ایمان کے لحاظ سے تفرقہ روا نہیں اور نہ شرک اور انکارِ رسالت کی حرمت میں تفریق جائز ہے۔ ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے :

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ط (سورہ انعام آیت ۹۲)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح معنوں میں قدر نہیں کی اور اس کی شانِ اقدس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جب انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں کی۔

لہٰذا رسلِ کرام اور انبیاء عظّام کی ناقدری دراصل اللہ تعالیٰ کی ناقدری ہے اور ان کی نبوّت و رسالت کا انکار اللہ تعالیٰ کے انکار کی مانند ہے۔

نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوّت و رسالت کی اہمیّت و عظمت بیان کرتے ہوئے انبیاء علیہم السّلام کو خطاب فرمایا :

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (الٰی) فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (سورہ آلِ عمران آیت ۸۱)

پھر تمہارے پاس آئے وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہے ان تمام امور کی جو تمہارے ساتھ ہوں تو تم ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان

کی امداد کرنا (تا) پس جو اس عہد و پیمان سے روگردانی کریں گے تو وہی فاسق اور طاعتِ خُداوندی سے خارج ہوں گے۔ باوجود منصبِ نبوّت و رسالت کے مالک ہونے کے جب انہیں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے علاوہ چارہ نہیں اور اُمّت میں داخل ہونے اور دینِ اسلام کے سپاہی بنے بغیر چارہ نہیں تو دُوسرے کسی شخص کے لیے غلامی و فرمانبرداری سے انکار اور سرتابی کی کیا مجال اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور شرک سے دُوری اور بیزاری اس کے کس کام۔ لہٰذا مشرک جس طرح بخشش اور جنّت کے لائق نہیں مُنکرِ نبوّت بھی اس طرح نا قابلِ بخشش ہے اور نہ جنّت کے لائق۔

ارشادِ خُداوند تعالیٰ ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (سُورہ نسآء آیت ٦٥)

مجھے تیرے پروردگار کی قسم وُہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تمہیں حاکم اور فیصل تسلیم کریں اپنے متنازعہ امور میں پھر نہ پائیں اپنے نفوس میں تنگی اور بیقراری آپ کے فیصلہ سے اور دل و جان سے تسلیم کریں جیسے کہ حق ہے تسلیم کرنے کا۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ اقرارِ توحید اور شرک سے تنفر و بیزاری اپنی جگہ اہم ترین فرائض سے ہیں اور ایمان و اسلام کی بُنیاد ہیں، مگر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و محکومی اور غلامی و فرمانبرداری کے بغیر اس کا ذرّہ بھر فائدہ اور نفع نہیں ہو سکتا

گستاخیِ انبیاء تمام اعمال کی بربادی کی موجب ہے

بلکہ جوشِ توحید میں اگر ان کی شانِ رفیع اور مقامِ منیع میں بے ادبی اور اسارت کا کلمہ زبان سے سرزد ہو گیا تو تمام اعمالِ خیر اور حسنات وصالحات بمع توحید کے اکارت اور برباد ہو جائیں گی اور ان کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں رہے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

(سورہ حجرات آیت ۲)

اے ایماندارو نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیِ مکرم[1] کی آواز پر اور نہ بلند آواز سے پکارو انہیں مانند ایک دوسرے کو پکارنے کے (ورنہ) تمہارے تمام اعمال اکارت جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور و احساس بھی نہیں ہو گا حتیٰ کہ اس خسارہ کا تدارک اور اسکی تلافی بھی تمہارے لیے ممکن نہ ہو سکے گی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب حاشیۂ قرآن میں فرماتے ہیں کہ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں، پیغمبر، قرآن، کعبہ اور نماز اور ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو گا۔

ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب (صـ ۸۸۲)

[1] (علیہ السلام)۔

نیز مقبولانِ بارگاہِ صمدیت کے ساتھ عداوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ حرب وقتال اور جنگ و جدال کے مترادف ہے۔

من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنته بالحرب۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۶۳)

جو شخص میرے کسی بھی دوست اور پیارے کے ساتھ عداوت رکھے گا تو میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

جب اولیاء کرام کے ساتھ عداوت کا یہ حکم ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لیے بطریقِ اولیٰ یہی حکم ہو گا اور بالخصوص سیّد انبیاء اور امام المرسلین خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وعلیہم وسلّم کا بطریقِ اولیٰ یہی حکم ہو گا لہٰذا ان مقبولانِ بارگاہ کی شان میں تنقیص وتفریط اور ان کے خداداد کمالات و اختصاصات کا انکار اور ان کا اصنام واوثان پر قیاس اور ان کی طرح ان کو بھی سُننے اور جاننے سے عاری اور مکھّی کے سامنے بے بس اور عاجز جاننا وغیرہ وغیرہ سخت بے ادبی اور گستاخی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قہر وغضب کا نشانہ بننے کا موجب اور توحید سمیت تمام اعمالِ خیر کو برباد کرنے کا موجب ہے، لہٰذا اس خوش فہمی میں ہرگز نہ رہنا چاہیے کہ شرک سے ورے ہر گناہ بخشا جا سکتا ہے۔

يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورہ نساء آیت ۱۱۶)

بلکہ یہ گناہ بھی شرک کی طرح ناقابلِ معافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ میں حلم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتا ہے لیکن اپنے مقبولانِ بارگاہ کی ایذاء اور ہتکِ حرمت کو بالکل برداشت نہیں فرماتا۔ خدائی دعوے

کرنے والوں کو بھی عرصہ دراز تک مہلت دیئے رکھی مگر جب خلیل و کلیم[۱] سے انہوں نے ٹکر لی تو پھر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور انتہائی ذلیل و خوار کرکے ہلاک کر دیا۔ لہٰذا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ جوشِ توحید میں ہوش اور عقل و خرد کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور مقبولانِ خُدا تعالیٰ کی عزّت و حرمت اور مرتبہ و مقام کسی وقت اور کسی طرح بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے ورنہ الّذین ضلّ سعیھم فی الحیٰوۃ الدّنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا کا مصداق بن کر رہ جاؤ گے۔ اور تمہارے تمام تر مجاہدات و ریاضات و تقوٰی و پرہیزگاریاں سراب ثابت ہوں گی۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک۔

علاّمہ اقبال مرحُوم قلندر لاہوری نے مولوی حسین احمد صاحب مدنی کو جو مشورہ دیا تھا وُہ واجب العمل سمجھو اور اس پر صدق دل اور خلوصِ قلب کے ساتھ عمل کرو۔ ؎

بمصطفٰے[۲] برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

[۱] علیہما السّلام [۲] صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

باب دوم

مشرک کی کوئی عبادت مقبول نہیں

مشرک حالتِ شرک میں جو بھی عبادت اور کارِ خیر کرتا ہے یا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی بھی قدر و منزلت نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کو درجۂ قبولیت حاصل ہو سکتا ہے۔ مشرکینِ مکہ نے اپنی بعض عبادتوں کا ذکر کیا کہ ہم بھی نیکی کے کام کرتے ہیں مثلاً مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور پردیسی مسافروں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (سورہ توبہ آیت ۱۹)

کیا تم نے سمجھ لیا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا برابر اس کے جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا۔ یہ برابر نہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے مسجد تعمیر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مخصوص محل تیار کرے گا۔ نیز مسجد بھی کوئی شاہی نہیں بلکہ کونج کے گھونسلے کے برابر ہی کیوں نہ ہو لیکن مشرکینِ مکہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ نے معمولی

مسجد ہی نہیں بلکہ اُمّ المساجد تعمیر کی تھی اور اس کا چندہ بھی بڑے خلوص سے جمع کیا تھا یعنی صرف اور صرف حلال کی کمائی اور طیّب مال سے اس کو تعمیر کیا اگرچہ پُورا مکان تیار نہ بھی کر سکے مگر بایں ہمہ وُہ کبھی جنّت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

۲۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے جو شخص حج مبرور کریگا، وُہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جائے گا جیسے کہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا لیکن ہر مشرک نے کئی کئی حج کیے ہوئے تھے مگر اہلِ اسلام جانتے ہیں کہ ان کے یہ حج بالکل ضائع اور اکارت گئے۔ انہیں ان کا کوئی ثواب حاصل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ رکھنے سے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بقول شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی، قریشِ مکّہ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ لیکن کسی مُسلمان کو یہ جراَت نہیں کہ وُہ کہے انہیں روزے فائدہ دے سکتے ہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ آزاد کرنے والے کے ہر ہر عضو کو جہنّم سے محفوظ کر دے گا لیکن رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے مطابق اسلام قبُول کیے بغیر ان کو غلام آزاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے مطابق قربانی سُنّتِ ابراہیم علیہ السّلام ہے اور اس کے ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی، لیکن مشرک لوگوں کو ان کی قربانیاں

قطعاً مفید نہیں ہو سکتیں۔ (ملخص گلدستہ ص۱ تا ص۲)

گلشنِ توحید و رسالت

مُشرک کی طرح مُنکرِ رسالت اور گُستاخ کی بھی کوئی عبادت قبول نہیں

یہ سب بجا کہ مشرکین کے تمام تر اعمال رائیگاں اور اکارت ہیں، اور ہمارا اس معاملہ میں آپ کے ساتھ مکمّل اتّفاق ہے لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں اور افعال میں یکتا و یگانہ مان لینے کے باوجود اگر کوئی شخص نبوّت و رسالت کا انکار کر دے اور ان حضراتِ[1] کو اپنے جیسے بشر سمجھ کر ان کی اطاعت و اتّباع سے انکار کر دے اور کہے:

أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُۥٓ إِنَّآ إِذًا لَّفِى ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ۝

(سُورۃ القمر آیت ۲۴)

کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی اتّباع کریں تب تو یقیناً ہم گمراہی اور آتشِ دوزخ میں غرق ہونے والے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ:

وَأَسَرُّوا۟ ٱلنَّجْوَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ هَلْ هَٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ

(سُورہ انبیاء، آیت ۳)

اور ظالم لوگوں نے خفیہ مشورہ کیا کہ نہیں ہے یہ مگر تم جیسا بشر۔ لہٰذا اس کی اتّباع مت کرو بلکہ کوئی شخص پہلے تمام انبیاءِ کرام ماننے اور آسمانی کتب و صحائف کا معتقد ہو لیکن نبیِ آخر الزّمان صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا انکار کر دے بلکہ آپ کو صرف عربوں کا نبی تسلیم کرے تو اس کا بھی

[1] علیہم السلام

عقیدۂ توحید و رسالت اور تمام اعمالِ خیر اکارت اور برباد ہو جائیں گے، جیسے کہ یہود و نصاریٰ میں سے اچھے کام کرنے والوں اور انبیاء و رسل کو اللہ کے عبادِ کاملین ماننے والوں کا معاملہ ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفس بیدہ لو بدا لکم موسٰی فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرك نبوتی لاتبعنی (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

مجھے اپنی جان کے مالک کی قسم ہے اگر موسیٰ علیہ السّلام تمہارے سامنے ظاہر ہوں پس تم ان کی اتّباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو بھی راہِ راست سے بھٹک جاؤ گے۔ اور اگر وہ دُنیا میں زندہ موجود ہوتے اور میرے زمانہ نبوّت کو پاتے تو ضرور میری اتّباع کرتے۔

بلکہ اگر کوئی مُسلمان نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر ایمان رکھے اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کا پابند بھی ہو اور جملہ محرمات بلکہ مکروہات سے منزّہ و مبرّا بھی ہو مگر کسی ایک نبی کی نبوّت کا انکار کر دے تو اس کو یہ توحید، ایمان اور عمل و کردار اور تقویٰ و پرہیزگاری ذرّہ بھر نفع نہیں دے گی کیونکہ مومن کے لیے انبیاء علیہم السّلام کی نبوّت کے اقرار و اعتقاد میں تفرقہ جائز نہیں ہے

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف (سُورہ بقرہ - ۲۸۵)

یعنی نبیِ آخرالزّماں صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور ان کے سچّے غلاموں کا اعلان یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسُولوں میں ایمان و اعتماد کے لحاظ سے فرق روا نہیں

رکھتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں، اور یہود و کفار کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، قال تعالیٰ :

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ (سورہ نسا آیت ۱۵۰)

کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق روا رکھتے ہیں۔ اور قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگر رسلِ کرام نبیِ آخر الزّماں صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے اور ان کی امداد و اعانت اور نصرت و تعاون کے عہد کو نہ نبھائیں تو ان کا نبی و رسول رہنا تو دور کی بات ہے وہ مومن بھی نہیں رہ سکتے

فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ○

(سورہ آل عمران آیت ۸۲)

نیز حدیث قدسی گزر چکی کہ جو محبوبانِ خداوند تعالیٰ میں سے کسی ایک کے ساتھ عداوت رکھے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ اور اسی جنگ کا اہلِ دنیا نے نتیجہ اس طرح دیکھا کہ بعض موحدین موت کے قریب پیشاب پیتے تھے اور بعض کا پاخانہ منہ سے برآمد ہوتا تھا اور بعض کا چہرہ تک دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ انسانی صورت و شکل سے بھی ان کو محروم کر دیا گیا تھا جبکہ بڑے بڑے کافر اور بدکار مرتے ہیں مگر ان کا ایسا عبرتناک انجام نہیں ہوتا۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے قولِ باری تعالیٰ انا کفینا ک المستھزئین، یعنی ہم نے آپ کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا کرنے والوں سے آپ کو کفایت بہم پہنچائی کے تحت لکھا کہ حارث بن عیطل سہمی بھی انہیں لوگوں

میں سے تھا جس کے پیٹ میں زرد آب پیدا ہو گیا :

حتّٰی خرج رجیعہ من فمہ فمات ۔ (صفحہ ۳۸ ج ۱۴)

حتّٰی کہ اس کا پاخانہ اس کے مُنہ سے نکلنے لگا اور وُہ اس حالت میں مرگیا۔

چوں خُدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

لہٰذا صرف توحید کے نشہ میں مست نہیں رہنا چاہیے بلکہ نبوّت و رسالت پر ایمان اور انبیاء و رسل کے آداب و احترام اور تعظیم و تکریم کو اس طرح اہمیّت دینی چاہیے جیسے توحید کو کیونکہ ان میں کوئی ایک بھی دُوسرے کے بغیر کارآمد نہیں ہے۔

نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تین صفات جس شخص میں موجود ہوں گی وُہ ان کی بدولت ایمان کی لذّت اور چاشنی محسوس کرے گا :

من کان اللہ و رسُولہ احب الیہ مما سواھما ومن احب عبداً لایحبہ الا للہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہُ منہ کما یکرہ ان یلقٰی فی النار ۔ (متفق علیہ ۔ مشکوٰۃ باب الایمان)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ مقبُول جس شخص کو ان دونوں کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبُوب ہوں اور جس بندے سے بھی محبّت رکھے صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ [illegible] طرح

ناپسند ہو اس سے اللہ کے بچانے کے بعد جیسے کہ آگ میں ڈالا جانا اس کو ناپسند ہے۔

اس متفق علیہ حدیث میں رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرح جمیع ماسواکی محبت سے زائد اور مقدم ٹھہرایا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل فرما کر تثنیہ کی ضمیر سے تعبیر کیا جس کی حکمت بیان کرتے ہوئے قاضی عیاض علیہ الرحمۃ سے علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری صفحہ نمبر ۱۷۵ ج ۱ میں اور علامہ علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نقل فرمایا:

تثنیہ الضمیر ھٰھنا للایماء اِلیٰ ان المعتبر ھو المجموع المرکب من المحبتین لا کل واحدۃ فانھا وحدھا ضائعۃ لاغیۃ والیہ الاشارۃ ۔ (مرقاۃ جلد اول ص۵۹)

بقولہ تعالیٰ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(سورہ آل عمران آیت ۳۱)

یہاں ممّا سواھما میں تثنیہ کی ضمیر لانا اس طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے کہ حلاوتِ ایمان کے حصول میں اعتبار دونو محبتوں کے مجموعہ و مرکب کا ہے نہ کہ ہر ایک کا الگ الگ کیونکہ ان دونو میں ہر محبت اکیلی اکیلی ضائع اور لغو ہے اور بے فائدہ و بے نتیجہ اور اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں فرمادیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو

تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ ولنعم ما قیل

وانت باب اللہ ای امری ۔ اتاہ من غیرک لا یدخل

یعنی وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا۔

ع ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ ناز میں رسائی اور باریابی اس محبوب کے درِ اقدس پر جبہہ فرسائی کے بغیر اور ان کا طوقِ غلامی پہنے بغیر اس بارگاہِ عالی کی حاضری کی سعادت کا حاصل ہونا ناممکن ہے اور نہ ہی آپ کی اطاعت و انقیاد کے بغیر اس درگاہ تک رسائی ممکن چہ جائیکہ وہاں کوئی مرتبہ و مقام میسّر آسکے۔ ؎

ذکرِ خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو

واللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر کی ہے

لہٰذا توحید خداوند تعالیٰ کا رسالتِ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے الگ کوئی اعتداد و اعتبار نہیں اور نہ اس سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل ہو سکتا ہے۔

گلدستۂ توحید

(ب) مشرک کے لیے کسی کی دعائے مغفرت اور صدقہ و خیرات بھی ہرگز مفید نہیں۔

۱۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے حقیقی چچا ابو طالب کے لیے

لہ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

مغفرت کی دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ نازل فرمائی :

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○

(سورہ توبہ آیت ۱۱۳)

یہ امر لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اگرچہ ہوں قرابت والے جبکہ کھل چکا ان پر کہ وہ دوزخ والے ہیں۔

حالانکہ آپ جانتے ہی ہیں کہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خداوند تعالیٰ کا پیارا اور مقبول بندہ اور کوئی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے لیکن آپ کی اپنے حقیقی چچا کے حق میں دُعا قبول نہ ہوئی بلکہ آپ کو دُعا سے ہی روک دیا گیا کیونکہ چچا شرک کی حالت میں مرا تھا حالانکہ کم و بیش اڑتیس ۳۸ سال اس نے آپ کی خدمت کی تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔

۲ - عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین جس نے زبانی طور پر کلمۂ توحید پڑھ لیا تھا مگر دل میں بدستور کفر و شرک موجود تھا جب وہ مرگیا اور آنحضرت[۱] نے اس کا جنازہ پڑھایا اور اس کے لیے دُعائے مغفرت بھی کی، لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا :

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ

(سورہ توبہ آیت ۸۰)

آپ منافقوں کے لیے دُعا مانگیں یا نہ مانگیں، اگرچہ آپ ان کیلئے ستر دفعہ بھی دُعائے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا بلکہ

[۱] صلی اللہ علیہ وسلم

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ستّر مرتبہ سے بھی زیادہ دُعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت نازل ہوگئی۔

(بُخاری جلد ۲ صـ۶۷۳)

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام قیامت کے دن اپنے باپ کی مغفرت کیلئے اپیل کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب ملے گا:

انی حرمت الجنّة علی الکافرین (متفق علیہ، مشکوٰۃ صـ۴۸۲)

کہ بیشک مَیں نے کافروں اور مشرکوں پر جنّت کو حرام کر دیا ہے۔

ابراہیم علیہ السّلام ایسے اولوالعزم نبی کی دُعا مشرک والد کے لیے قبول نہ ہو سکی اور جب محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا اپنے حقیقی چچے کیلئے اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے لیے قبول نہ ہو سکی تو دُوسروں کی دعائیں مشرکوں کے حق میں کیونکر قبول ہو سکتی ہیں۔ (صـ۲۰ تا صـ۲۲)

گلشنِ توحید و رسالت

مشرک کی طرح مُنکرِ رسالت بھی قابلِ مغفرت اور لائقِ شفاعت نہیں

قطعِ نظر اس سے کہ آذر ابراہیم علیہ السّلام کا باپ تھا جیسے کہ علّامہ سرفراز کا خیال ہے یا چچا تھا جیسے کہ علماءِ اعلام کے جمّ غفیر کا مذہب مختار ہے۔ علّامہ صاحب کو یہ بتانا ہو گا کہ اس نے حضرت ابراہیم کی نبوّت و رسالت، کو تسلیم کر لیا تھا؟ اور اس کا جنّت سے محروم ہونا اور ابراہیم خلیل علیہ السّلام کی شفاعت سے محروم ہونا صرف اور صرف شرک کی وجہ سے تھا، حالانکہ

حقیقتِ حال یہ ہے کہ وہ آپ کی نبوّت و رسالت کا بھی منکر تھا بلکہ اس نے آپ کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی جیسے کہ کلامِ مجید نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے لئن لم تنتہ لارجمنك لہٰذا واضح ہوگیا کہ اس کی حرماں نصیبی کا موجب انکارِ توحید اور ارتکابِ شرک کے ساتھ ساتھ انکارِ نبوّت اور جحود رسالت بھی تھا اور رسُولِ برحق کی ایذاء و تکلیف اور اسارت و بےادبی بھی اس کا باعث تھی لہٰذا صرف شرک کی وجہ سے اس کو ناقابلِ مغفرت قرار دینا منصبِ نبوّت کو غیر اہم ثابت کرنے کے مترادف ہے۔

نیز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچے جناب ابُوطالب کے بارے میں بھی علمائِ اعلام کا اختلاف ہے۔ علاّمہ احمد بن زینی دحلان اور بعض دیگر اکابر ان کے ایمان کے قائل ہیں اور علاّمہ موصُوف کی اس موضوع پر مستقل کتاب، اسنیٰ المطالب فی نجات ابی طالب۔ چھپی ہُوئی ہے اور علاّمہ سہیلی نے مسعودی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے کہ ابُوطالب صاحب مشرّف باسلام ہوگئے تھے۔ (فتح الباری ص ۱۴۹ ج ۷)

اور قولِ باری تعالیٰ: "ما کان للنّبی والّذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین" میں عام مشرکین کا حکم بیان کیا گیا ہے جناب ابُوطالب کی اسمیں تخصیص اور تنصیص نہیں ہے۔ باقی رہا معاملہ روایات کا تو وہ اخبارِ احاد ہیں ان سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا تو کسی کے عقیدہ و ایمان کی نفی و انکار پر ان سے قطعی دلالت کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔ جب کہ محمّد بن اسحٰق نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بوقتِ مرگ

ہونٹ ہلاتے دیکھا تو کان لگاتے کہ کیا کہتے ہیں :

فقال یا ابن اخی واللہ لقد قال اخی الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا ۔ (فتح الباری ص۱۴۸ ج ۷)

تو پکار اُٹھے اسے میرے بھتیجے بخُدا میرے بھائی نے وُہ کلمہ پڑھا ہے جس کا آپ نے پڑھنے کا اسے حکم دیا تھا۔ گو یہ روایت ضعیف ہے لیکن حدیث کُفر کی قطعیت کا دعوٰی تو ختم ہو جائے گا زیادہ سے زیادہ راجح مرجوح والا فرق ثابت ہو گا تو جس طرح اسنادات کے لحاظ سے بوجہ خبرِ واحد ہونے کے قطعیت نہیں تھی مضمون اور مفہوم حدیث کے لحاظ سے بھی قطعیت باقی نہیں رہے گی۔

نیز قطعِ نظر ان کے ایمان دار ہونے اور صحیح عقیدہ اپنانے سے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جناب اَبُو طالب بُت پُوجا کرتے تھے؟ اگر صُورتِ حال واقعی اس طرح ہوتی تو وُہ اَپنے خُداؤں کی عزّت وناموس کے خلاف کوئی بات اَپنے بھتیجے کی کیونکر برداشت کر سکتے تھے؟ اور دیگر مشرکین کو ان کے پاس یہ شکایت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی اور وُہ انہیں باز رکھنے کا مطالبہ آپ سے کیونکر کرتے تھے؟ نیز قحط سالی کے موقع پر بارش کے لیے بُتوّں سے استغاثہ واستمداد نہیں کرتے تھے، بلکہ محمّد کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم سے استغاثہ واستمداد کرتے ہُوئے آپکے بچپن کے زمانہ میں آپ کے معصُوم اور نُورانی ہاتھ اُٹھا کر اللّٰہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کے لیے التجا کرتے تھے اور ہم صل مُراد ہو کر پکار اُٹھتے تھے :

سه

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

یلوذ به الهلاك من اٰلِ هاشم

فهم عنده فی نعمة و فواضل

(خصائص صفحہ ۸۶ جلد-۱)

یعنی وُہ سفید چمکیلی رنگت والے جن کی وجاہت وآبرو کے طفیل برستے بادلوں کی التجا کی جاتی ہے۔ یتیموں کا سہارا ہیں اور بیوگان کی عصمت کا سامان، آلِ ہاشم کے تباہ حال لوگ ان کی پناہ لیتے ہیں پس وُہ ان کی موجودگی میں نعمتوں اور راحتوں میں ہیں۔

جب کبھی سیّدِ عالم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بارش کے لیے دُعا فرمائی اور اجابت وقبولیت نے اس کو بڑھ کر گلے سے لگایا اور فوری طور پر موسلادھار مینہ برسنے لگا تو حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما نے جناب ابُوطالب کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔ (بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۱۳۷)

بلکہ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللّٰہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جس میں اعرابی نے سیّدِ عالم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بارش کے لیے دُعا فرمانے کی التجا کی اور اپنی حالتِ زار عرض کی۔ آپ نے از راہِ لُطف و کرم اس التجا کو شرفِ قبولیت بخشا اور آپ کی دُعا سے فوری طور پر موسلادھار بارش شروع ہو گئی اور اس زور سے برسنے لگی کہ نشیبی علاقوں والے فریاد کرنے لگے یا رسُول اللّٰہ (صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم) الغرق الغرق، اے رسُولِ خُدا

ہمیں غرق ہونے سے بچائیے غرق ہونے سے بچائیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا، اَللّٰھُمَّ حوالینا ولا علینا۔ اے اللہ ہمارے اردگرد ہو اور ہم پر نہ ہو تو بادل فوراً چھٹ گیا۔

فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ
ثم قال للہ درّ ابی طالب لو کان حیا قرت عیناہ
فقال علی رضی اللہ عنہ کانک اردت قولا: ؎

ابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

(خصائص کبریٰ ص ۱۶۲ ج ۲)

تو آپ ہنسے یہانتک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھیں مبارک نمودار ہوئیں پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ابو طالب کی بہتری اور بھلائی اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں (یہ دوسرا معجزہ دیکھ کر) ٹھنڈی ہو جاتیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا گویا آپ کی مراد ان کا یہ قول ہے: ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

الغرض اگر وہ مشرک ہوتے تو ہبل وغیرہ سے استغاثہ واستمداد کرتے اور ان کی پناہ طلب کرتے محبوب کریم علیہ السلام کو وسیلہ نہ بناتے اور ان کی پناہ طلب نہ کرتے اور ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا نہ

کرتے بلکہ مشرکین کے اعتقاد کے مطابق "ھٰؤلاء شفعاءنا عند اللہ" ان اصنام و اوثان کو شفیع بناتے اور جب اعلانِ نبوّت سے قبل آپ کے ساتھ ان کی عقیدت و محبّت کا یہ حال تھا تو اعلانِ نبوّت کے بعد کیا وُہ محبّت و عقیدت نعوذ باللہ ختم ہو گئی تھی؟ اور کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ ان کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر مشرّف باسلام ہو گئے تھے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ انکی اجازت اور رضامندی سے ہی اسلام و ایمان کے ساتھ بہرہ ور ہوئے تھے تو آخر انہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے اور اس پر ایمان لانے کی اجازت اپنے عقیدہ و نظریہ کے برعکس کیونکر دے دی؟ اور اپنے خُداؤں کی خُدائی کی نفی اور انکار پر راضی کیسے ہو گئے؟ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ وُہ موحدین جاہلیت کے قبیل سے تھے اور انہیں اصنام و اوثان سے قطعاً کوئی تعلّق نہیں تھا۔ بلکہ انہوں نے تمام بنی عبدالمطّلب کو اپنے مرضِ وصال کے موقعہ پر بلا کر کہا:

لن تزالوا بخیر ما سمعتم من محمّد وما اتبعتم امرہ فاتبعوہ واعینوہ ترشدوا۔

(خصائصِ کبریٰ ج ۱ ص ۸۶ بروایت ابنِ عساکر)

تم ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ رہو گے جب تک محمّد کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات سُنتے رہو گے اور ان کی اتّباع کرتے رہو گے لہٰذا ان کی اتّباع کرو اور امداد و اعانت کرو تو رشد و بھلائی تمہارا مقدّر بن جائے گی۔

نیز جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان سے کلمہ پڑھنے کا

مطالبہ کیا جبکہ وُہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور ابوجہل و عبداللہ بن ابی امیہ جو پاس بیٹھے تھے انہوں نے کہنا شروع کر دیا :

یَا اَبَا طَالِبْ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّۃِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ یَزَل یُکَلِّمَانِہٖ حَتّٰی قَالَ اٰخِرَ شَیْءٍ کَلَّمَھُمْ بِہٖ عَلٰی مِلَّۃِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (بُخاری شریف مع فتح الباری ص۱۴۹ ج ۷)

اے اَبُوطالب کیا تم عبدالمطّلب کی ملّت سے روگردانی کرنے لگے ہو؟ تو دونو اسی طرح اصرار کرتے رہے حتّٰی کہ آخری جُملہ جو ان کی زبان سے سرزد ہُوا یہ تھا کہ میں عبدالمطّلب کی ملّت پر ہُوں حالانکہ علماءِ اعلام کے جمِّ غفیر کا مذہب مختار یہی ہے کہ جناب عبدالمطّلب موحد تھے اور نجاستِ شرک سے ہرگز ہرگز ان کا دامن آلودہ نہیں تھا جیسے کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ لٰہذا جناب اَبُوطالب کے مشرک ہونے کا دعوی بھی سراسر غلط اور بے بُنیاد ہے۔

کلمہ اعلانیہ نہ پڑھنے کی وجہ

البتہ یہ امر قابلِ تحقیق اور لائقِ تفتیش ہے کہ انہوں نے آپ کو صادق و امین مانا اور آپ کے دعوٰی رسالت و نبوّت کو برحق جانا جیسے کہ ان کا قول ہے :

ودعوتنی وعلمت انّك صادق۔
ولقد صدقت وکنت قبل امینا

تم نے مجھے دعوت دی اور مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ تم سچے ہو اور بخدا تم نے سچ کہا اور قبل ازیں بھی تم امین اور لائقِ اعتماد و وثوق تھے لیکن باایں ہمہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت اعلانیہ پڑھ کر نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حلقۂ غلامی میں داخل نہ ہوئے ورنہ حضرت حمزہ اور حضرت عبّاس رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے میں جس طرح کوئی اختلاف وقوع پذیر نہیں ہوا آپ کے ایمان لانے میں بھی کسی کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہ ہوتی تو علاّمہ شہاب خفاجی نے شرح شفاء میں اس حکمت اور مصلحت سے پردہ اُٹھایا اور بتلایا کہ ان سے قبل علاّمہ ابن القیم نے الہدی النبوی میں اور صاحبِ امتاع نے بھی یہی حکمت و مصلحت بیان کی ہے۔ (ملاحظہ ہو نسیم الریاض ص۳۵۲ ج۲)

واعلم ان اباطالب کانت محبتہ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعرفتہ بانہ رسول اللہ وتصدیقہ فی قلبہ محققۃ لکن اللہ لم یہدہ للاسلام وفیہ حکمۃ عظیمۃ و ھو انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی جوارہ وحمایتہ ظاھراً حتّٰی ماکان یجدی علیہ احدٌ فلو اسلم لم یقبلوا جوارہ اذ لاجوار للمسلمین عندھم فختم اللہ علی لسانہ لذٰلک ولذا لمامات لزمت الھجرۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واھلبیتہ وھٰذا ما تفطن لہ بعض العلماء کابن القیم فی الھدٰی النبوی وصاحب الامتاع۔

یقین جانیے کہ جناب ابُوطالب کی رسُولِ محترم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے محبّت و مودت اور آپ کے رسُول برحق ہونے کی معرفت اور تصدیق قلبی یقیناً موجود و متحقّق تھی لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی ہدایت و توفیق مرحمت نہیں فرمائی تو اس میں عظیم حکمت ہے اور وُہ یہ ہے کہ، رسُولِ کریم علیہ السّلام بظاہر ان کی پناہ اور حفظ و امان میں تھے حتّٰی کہ کوئی کافر و مشرک آپ کے خلاف اقدام کی جراَت نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر آپ اسلام لاتے تو پھر کفّار و مشرکین آپ کے حفظ و امان اور عہد و پیمان کو قطعاً قبول نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک مسُلمانوں کے کسی کو پناہ دینے کی کوئی حیثیت نہیں تھی تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو اس اعلان سے سر بمہر کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپ کے اہلِ بیت کو (اور حلقہ غلامی میں داخل ہونے والوں کو) مجبوراً ہجرت کرنی پڑی۔

سوال: بخاری شریف میں ہے کہ جناب ابُوطالب کے اس جواب کے بعد کہ مَیں ملّتِ عبدالمطّلب پر ہوں، نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: لَاَسْتَغْفِرَنَّ لك مالم انه عنه میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا گیا،

فنزلت ماکان للنّبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربٰی الایہ و نزلت انّك لا تھدی من احببت۔

تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ نبی اور ایمانداروں کو لائق نہیں کہ مشرکین کے لیے استغفار کریں اگرچہ قرابت دار ہوں اور یہ آیت نازل ہوئی، "تم ہدایت نہ فرماتے اسے جس کو محبوب رکھو۔" تو پہلی آیت میں مشرکین کا لفظ مذکور ہے لہٰذا ابُوطالب کا مشرک ہونا قرآنِ مجید سے ثابت ہوگیا۔

جواب : اہلِ عرب چونکہ بالعموم مشرک تھے اس لیے جو ان میں مشرک نہیں تھے لیکن نبیِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوّت و رسالت کا اقرار بھی نہیں کرتے تھے ان کو بھی مشرک کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا جس طرح اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء

کہ میں شرک کو نہیں بخشوں گا اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے حق میں چاہوں گا بخش دوں گا تو لازم آئے گا کہ انبیا و رسل اور ملائکہ اور کتبِ سماویہ اور قیامت کے منکرین و کفّار بھی بخشے جا سکتے ہیں حالانکہ ہرگز ہرگز وُہ لوگ نہیں بخشے جائیں گے لہٰذا جس طرح اس آیتِ کریمہ میں ذکر خاص شرک کا ہے لیکن اس سے مُراد عام ہے یعنی کُفر اسی طرح آیتِ مذکور بالا میں بھی ذکر مشرکین کا کیا گیا مگر معنی عام مُراد ہے یعنی کُفّار والا۔ اگر کسی کو اس پر اصرار ہو کہ نہیں نہیں یہاں پر مشرکین کا لفظ اپنے مخصوص معنیٰ میں ہی استعمال ہُوا ہے تو انہیں دیگر کفّار کے لیے بخشش طلب کرنے کا جواز تسلیم کرنا پڑے گا جو کہ قطعاً باطل ہے۔

نیز مسند امام احمد میں حضرت اَبُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب اَبُو طالب نے کہا:

لولا ان تعیرنی قریش یقولون ماحملہ علیہ الاجزع الموت لاقررت بھا عینك۔

اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش مجھے عیب و عار لگائیں گے اور کہیں گے کہ کلمہ پڑھنے پر اس کو صرف اور صرف موت کی گھبراہٹ اور خوف نے برانگیختہ کیا ہے تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کرتا اور تمہیں خوش کرتا۔

واخرج ابن اسحٰق من حدیث بن عباس نحوہ

(فتح الباری ص۱۲۹ ج ۷)

اور محمّد بن اسحٰق نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح حدیث نقل کی ہے۔

گویا حضرت اَبُو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے صرف اس عار اور عیب اور تہمت و الزام باطل کی وجہ سے کلمہ برملا نہیں پڑھا ورنہ اوثان و اصنام کی الوہیت کا عقیدہ ہوتا تو صاف صاف کہہ دیتے میں تو تمہارے قول کی وجہ سے اپنے خُداؤں کو نہیں چھوڑ سکتا اور صرف ایک خُدا نظامِ کائنات کیونکر چلا سکتا ہے جس طرح مشرکین نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ سُن کر تعجّب وحیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

أجعل الآلھۃ الٰھًا واحدًا ان ھٰذا لَشَئٌ عُجاب

سوال : یہ مانا کہ وہ اعلانیہ اسلام کا اظہار کرتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حفظ و امان اور پناہ و سہارا ثابت نہیں ہو سکتے تھے لیکن جب انہیں اپنی موت سر پہ منڈلاتی نظر آ رہی تھی تو اس وقت یہ مصلحت و حکمت اور نظریہ اور خیال تو ختم ہوتا صاف دکھائی دے رہا تھا پھر کیوں نہ کلمہ پڑھ لیا، کیونکہ موت اسلام پر نہ ہوتی تو بھی بعد از ممات تو آپ کے ملجا و ماویٰ اور سہارا و پناہ ثابت نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا زندگی بھر نبی کریم علیہ السلام کے لیے جس طرح ڈھال بنے رہے تھے دمِ آخریں کلمہ پڑھ کر اسلام و ایمان کو اور پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لیے ڈھال اور ملجا و ماویٰ بنا لیتے اور اخروی عذاب سے تحفظ حاصل کر لیتے

جواب : اوپر والی روایت سے اس کا جواب آ چکا کہ بعد میں ننگ و عار والے توہم کی بنا پر اعلانیہ کلمہ نہ پڑھا نہ کہ مشرک ہونے اور اوثان و اصنام کے ساتھ عقیدت و محبت اور ان کی الوہیت و معبودیت کے عقیدہ کی وجہ سے اور ہمارا بنیادی مقصد انکے مومن و مسلم ہونے کا اثبات نہیں صرف سرفراز صاحب کے دعوائے شرک کا ابطال ہے اور وہ واضح ہو چکا۔

نیز ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال یہ ہو کہ قلبی تصدیق کافی ہے اور اس کی بدولت بھی نجات حاصل ہو جائے گی زبانی اور اعلانیہ اقرار و اعتراف ضروری نہیں حالانکہ صاحبِ شرع کے مطالبہ کے بعد زبانی اقرار و اعتراف بھی ضروری تھا لیکن وہ غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنی حالت کو ان لوگوں پر قیاس کر بیٹھے جن کے دل میں تصدیق و ایمان ہو اور مطالبہ نہ پائے جانے کی وجہ سے زبانی

اقرار و اعتراف نہ کریں تب بھی وُہ ابدی عذاب سے نجات و خلاصی کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اقرار و اعتراف صرف دنیوی طور پر احکام جاری کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے گویہ قیاس غلط تھا۔ واللہ اعلم بحال عبادہ۔

مبحث ایمانِ آبا۔ النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

چونکہ علاّمہ سرفراز صاحب نے آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا حقیقی باپ تسلیم کر لیا اس سے بھی نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سلسلہ آبا۔ و اجداد میں کافر و مشرک کا موجود ہونا لازم آگیا۔

نیز جناب ابُو طالب نے دمِ آخریں کہا ھو علیٰ ملّۃ عبدالمطّلب تو مشرک ماننے سے جناب عبدالمطّلب کا بھی مشرک ہونا لازم آتا ہے اسلئے اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تمام آبا۔ و اجداد میں شرک اور کُفر پایا گیا یا نہیں؟ تو ہمارے نزدیک جمہور علماءِ اسلام کا مذہب یہی ہے کہ نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تمام آبا۔ و اجداد تا حضرت آدم علیہ السّلام مومنین اور موحدین تھے اور حبرامت مفسر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قولِ باری تعالیٰ و تقلبك فى الساجدين سے اس مدّعا پر استدلال فرمایا جیسے کہ تفسیر در منثور جلد پنجم صـ۹۸ـ پر منقول ہے:

اخرج ابن ابی حاتم وابن مردویه و ابُو نعيم فی الدلائل (الی) مازال النبي صلّی الله عليه وسلّم يتقلب فی اصلاب الانبياء حتّٰی ولدته امّه اخرج

ابن مردویہ عن ابن عباس سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الیٰ) لم یلتق ابوای قط علیٰ سفاح لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الیٰ الارحام الطاھرۃ الحدیث۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفاء شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، اور سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی عمر العدنی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے:

ثم لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمۃ و الارحام الطاھرۃ حتّی اخرجنی من بین ابوی

(شفاء مع نسیم الریاض ص ۲۳۵ ج ۱)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

ان ابن عباس رضی اللہ عنہ فسر التقلب فیھم بالتنقل فی اصلابھم حتّی ولدتہ امہ (الیٰ) یراد بالساجدین المومنون۔

خلاصہ مفہوم تمام عبارات کا یہ ہے کہ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابو نعیم نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ساجدین میں تقلب سے مراد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء علیہم السلام کے اصلاب میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے رہے تاآنکہ انہیں والدہ ماجدہ نے جنم دیا اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس

سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ جب آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے (پھر ہنسے) یہاں تک آپ کی ڈاڑھیں مبارک نمودار ہوگئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، انی کنت فی صلبه وهبط الی الارض میں آدم کی پشت میں تھا جبکہ وہ زمین کی طرف اترے (تا) میرے ماں باپ (کسی بھی مرتبہ کے ہوں) کبھی بھی زنا پر جمع نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاکیزہ پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا ہے۔

(الحدیث وکذا فی الشفاء لقاضی عیاض مع شرح ص۴۳۵ جلد اول)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے تقلبك فی الساجدین کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد ہے کہ سجدہ کرنے والوں میں آپ کا یکے بعد دیگرے منتقل ہونا یہاں تک کہ آپ کو والدہ ماجدہ نے جنم دیا اور اس تقدیر پر ساجدین سے اہل ایمان مراد ہونگے۔

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

والذی ادین اللہ به نجاة ابویه صلی اللہ علیه وسلم وقد الفت رسائل فی ذلك رغما لانف علی القاری ومن وافقه واعتقد ان جمیع اٰباءه علیه الصلوٰة والسلام لاسیما من والده بلا واسطة اوفر الناس حظا مما اوتی هنالك من السعادة والشرف وسمو القدر

(روح المعانی ص۴۹ ج ۴)

وہ امر کہ میں اس کو دینِ خداوند تعالیٰ سمجھ کر اپناتا ہوں وہ ہے آپ کے والدین کریمین کا نجات پانا اور اس موضوع پر کئی رسائل تالیف کیے گئے ہیں اور اس امر کو مبرہن انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ مُلّا علی قاری اور ان کے ہمنواؤں کے نظریہ کے برعکس اور میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تمام آباؤ اجداد خصوصاً بلا واسطہ ابوین تمام لوگوں کی نسبت زیادہ حصّہ پانے والے ہوں گے اس سعادت اور فضل و شرف اور بلندی مرتبت سے جو آپ کو روزِ حشر عطا ہو گی۔

یہی علاّمہ والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وانا اخشی الکفر علیٰ من یقول فیھما رضی اللہ عنھما علیٰ رغم انف علی القاری واضرابہ بضد ذٰلک

(صفحہ نمبر ۱۲۴ ج ۱۹)

اور میں اس شخص پر کافر ہو جانے کا خوف رکھتا ہوں جو ان میں ایمان کا قائل نہیں ہے، علی قاری اور ان کے ہمنواؤں کے علیٰ رغم الانف اور ان کی رضا و رغبت کے برعکس۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حقیقی باپ کا ایمان و اسلام اور اس کا ناجی ہونا تسلیم کرنا لازمی ہے اور آذر آپ کا حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا ہے اور چچے کو بطور مجاز اب کہنا جائز اور صحیح ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بیٹوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو آپ کے آباء میں شمار کیا۔ کما قال تعالیٰ:

قالوا نعبد الٰهك والٰہ اٰباءك ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰھا واحداً (الاٰیۃ)

اور یہی جمہور علماءِ اسلام کا مذہب مختار ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر رُوح المعانی میں فرماتے ہیں:

والذی عول علیہ الجم الغفیر من اھل السُّنۃ ان اٰذر لم یکن والد ابراھیم عَلَیْہِ السَّلام وادعوا انہ لیس فی اٰباء النّبی صَلَّی اللّٰہ علیہ وَسَلَّم کافراً اصلا لقولہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الیٰ ارحام الطاھرات، والمشرکون نجس وتخصیص الطھارۃ بالطھارۃ من السفاح لا دلیل لہٗ یعول علیہ والعبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب وقد الفوا فی ھٰذا المطلب الرسائل واستدلوا لہ بما استدلوا والقول بان ذٰلك قول الشیعۃ کما ادعاہ الامام الرازی ناشی من قلۃ التتبع واکثر ھٰؤلاء علیٰ ان آذر اسم لعم ابراھیم علیہ السَّلام۔ (ص ۱۶۹ ج ۷)

اہلِ السُّنّۃ کے جمِّ غفیر کا جس امر پر اعتماد ہے وُہ یہی ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السّلام کا باپ نہیں ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد میں سے کوئی ایک بھی کافر نہیں تھا کیونکہ آپ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم

ـه صلی اللہ علیہ وسلم

کا فرمان ہے، "میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل کیا جاتا رہا" حالانکہ مشرکین نجس اور پلید ہیں اور حدیث شریف میں بیان کردہ طہارت کو زنا والی نجاست سے طہارت کے ساتھ مخصوص ٹھہرانے پر کوئی قابلِ قبول اور لائقِ اعتماد دلیل نہیں ہے جبکہ (ازروئے قواعد و اصول) اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ سبب (اور مورد) کی خصوصیت کا، اور علماءِ اہل السنّت نے اس مطلب و مدّعا کے اثبات کے لیے رسائل تالیف کیے ہیں اور اس پر بہت سے دلائل قائم کیے ہیں۔

رہا یہ امر کہ نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تمام آباء کے مومن ہونے کا قول شیعہ کا قول ہے جیسے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے تو وہ قلّت تتبع اور ناقص تجسّس پر مبنی ہے اور اکثر اہل السنّت اسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ آذر ابراہیم علیہ السّلام کے چچا کا نام ہے اور لفظ اَبّ کا اطلاق چچا پر ثابت ہے۔ قال تعالیٰ:

ام کنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذ قال لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَاءِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

اور اس قولِ باری تعالیٰ میں (آپ کے چچے اسمٰعیل پر جس طرح اَبّ کا لفظ بولا گیا ہے) آپ کے دادے ابراہیم علیہ السّلام کو بھی آپکا اَبّ کہا گیا ہے۔

وايد بعضهم دعوى ان ابا ابراهيم عليه السلام

الحقیقی لم یکن کافراً وانما الکافر عمه بما اخرجه ابن المنذر فی تفسیرہ بسند صحیح عن سلیمان بن صرد رضی اللہ عنه قال لما اراد وان یلقوا ابراھیم علیه السلام فی النار جعلوا یجمعون الحطب حتّٰی ان کانت العجوز تجمع الحطب فلما تحقق ذٰلك قال حسبی اللہ ونعم الوکیل فلما القوه ۔ قال اللہ تعالیٰ: "یٰنار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم" فکانت فقال عمه من اجلی دفع عنه فارسل اللہ علیه شرارة من النار فوقعت علیٰ قدمه فاحرقته ۔ (صـ۱۶۹)

اور علماءِ اہل السنّت میں سے بعض نے اپنے اس دعویٰ کی (کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حقیقی باپ کافر نہیں تھے بلکہ ان کے چچے کافر تھے) کی تائید و تقویت میں وہ روایت پیش کی ہے جس کو ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب نمرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو آگ میں پھینکنے کا پکّا ارادہ کر لیا تو لکڑیاں جمع کرنے لگے یہانتک کہ بوڑھی کھوسٹ عورتیں بھی لکڑیاں جمع کرنے لگیں تو جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اس امر کا یقین ہو گیا تو آپ نے کہا، مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ جب انہوں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آگ ابراہیم پہ ٹھنڈی ہو جا اور سراسر سلامتی بن جا تو وہ حسب الحکم ٹھنڈی ہو گئی تو آپ

کے چچا نے کہا میری وجہ سے ابراہیم سے یہ مصیبت ٹلی ہے اور عذاب دُور ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کا شرارہ اس پر بھیجا جو اسکے قدم پر گرا اور وہ جل گیا۔

اور اس روایت سے بھی تائید و تقویت پیش کی ہے جو محمد بن کعب قتادہ مجاہد اور حسن بصری وغیرہم سے ابن المنذر نے نقل کی ہے :

ان ابراهيم عليه السلام لم يزل يستغفر لابيه حتى مات فلما مات تبين له انه عدو الله فلم يستغفر له ثم هاجر بعد موته و واقعة النار الى الشام ثم دخل مصر واتفق له مع الجبار ما اتفق ثم رجع الى الشام ومعه هاجر ثم امره الله ان ينقلها وولدها اسمٰعيل الى مكة فنقلهما ودعا هنالك فقال ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم الى قوله (ربنا اغفرلى ولوالدى وللمومنين يوم يقوم الحساب) فانه يستنبط من ذلك ان المذكور فى القرآن بالكفر هو عمه حيث صرح الاثر الاول ان الذى هلك قبل الهجره هو عمه ودل الاثر الثانى على ان الاستغفار لوالديه كان بعد هلاك ابيه بمدة مديدة فلوكان الهالك هوابوه الحقيقى لم يصح منه عليه السلام هذا الاستغفار له اصلا

لہ رضی اللہ عنہم۔

فالذی یظھر ان الھالك ھوالعم الکافر المعبر عنہ بالاب مجازاً وذٰلك لم یستغفر لہ بعد الموت وانما المستغفر لہ ھو الاب الحقیقی ولیس بآذر وکان فی التعبیر بالوالد فی اٰیۃ الاستغفار والاب فی غیرھا اشارۃ الی المنایرۃ ۔ (ص ۱۶۹ ج ۷)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنے اَبْ (آذر) کے لیے استغفار کرتے رہے یہاں تک کہ وُہ فوت ہو گئے پس جب وُہ فوت ہو گئے تو ان پر واضح ہو گیا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے دُشمن ہیں تو آپ نے ان کے لیے استغفار نہ کی پھر انہوں نے اس کی موت اور آگ میں پھینکے جانے والے واقعہ کے بعد شام کی طرف ہجرت فرمائی بعد ازاں مصر میں داخل ہُوئے اور انہیں مصری جبار کے ساتھ عظیم واقعہ پیش آیا پھر شام کی طرف مراجعت فرما ہُوئے جبکہ آپ کے ساتھ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں (جو جبار مصر کی طرف سے حضرت سارہ[۱] کو بطور خادمہ دی گئی تھیں) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کو مکّہ مکرّمہ (والی جگہ) کی طرف منتقل فرمائیں چنانچہ انہوں نے انکو مکہ مکرّمہ والی جگہ کی طرف منتقل فرمایا اور وہاں پر دعا فرمائی:

"اے ہمارے رب مَیں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس ٹھہرایا ہے (تا) اے میرے رب مجھے بخش اور میرے والدین اور تمام مومنین کو روزِ حشر بخش۔"

تو اس دُعا سے مستنبط ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید میں جس کے کُفر کا ذکر کیا گیا ہے وُہ آپ کا چچا ہے کیونکہ پہلی روایت سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آپ

[۱] رضی اللہ عنہا۔

کی ہجرت سے قبل فوت ہونے والے آپ کے چچا تھے۔ اور دُوسری روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی والدین کے لیے مغفرت کی طلب آپ کے باپ کی وفات کے بہت عرصہ بعد پائی گئی۔

لہٰذا اگر (آپ کی ہجرت سے قبل وفات پانے والے آپ کے حقیقی باپ ہوتے تو قطعاً ان کے لیے آپ کی طرف سے استغفار نہ پائی جاتی لہٰذا جو کچھ ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے وُہ یہی ہے کہ فوت ہونے والا آپ کا کافر چچا تھا جس کو مجازی طور پر اَبّ (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس کیلئے آپ نے موت کے بعد استغفار نہیں کی بلکہ اپنے حقیقی باپ کے لیے استغفار کی ہے جو آذر نہیں اور گویا استغفار والی آیت میں والد کے لفظ سے تعبیر اور دُوسری آیات میں اَبّ کے لفظ سے تعبیر میں اسی مغایرت کی طرف اشارہ ہے۔

اقول: اسی طرح "اذ قال لابیه اٰذر" میں بھی یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب باپ کہہ دیا گیا تو تعیینِ مراد تو اس سے ہو چکی تھی پھر آذر کے اضافہ کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ حقیقی باپ تو ایک ہی ہوتا ہے نیز مقام بھی مذمّت کا ہے اور ایسے مقامات میں ناموں کی تصریح کی بجائے بطور اشارہ وکنایہ ذکر کرنا ہی مناسب ہوتا ہے جیسے کہ قولِ باری تعالیٰ:

وما کان للنّبی والّذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین

اور قول باری تعالیٰ، انك لا تھدی من احببت الاٰیۃ میں نام کی تعیین شانِ نزول والی روایات کے ذریعے کی گئی ہے۔ آیاتِ کریمہ میں نام کی تصریح سے گریز کیا گیا ہے تو اس قرینہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ

یہاں لفظ اَبْ اپنے ظاہری اور حقیقی معنیٰ پر محمول نہیں تھا اسی لیے ساتھ نام کی صراحت کر دی گئی تاکہ مقصودِ اصلی اور حقیقی مصداق کی وضاحت ہو جائے۔

تنبیہ: علّامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی تحقیق ذکر فرمائی ہے جو علّامہ سیّد محمود آلوسی صاحب نے ذکر کی ہے اور قولِ باری تعالیٰ، وتقلبك فی الساجدین اور قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین الیٰ ارحام الطاہرات سے استشہاد و استدلال پیش کیا ہے۔

نیز علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دلائل قائم کر کے اس کو مدلّل اور مبرھن انداز میں بیان فرمایا اور مجاہد اور سدی اور ابن جریج سے صحیح السند روایات کے ساتھ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ضعیف السند روایت (جو کہ دیگر روایات کے ساتھ مل کر تقویّت حاصل کر چکی ہے) کے ساتھ نقل کیا کہ ابراہیم علیہ السّلام کے حقیقی باپ کا نام آذر نہیں تھا بلکہ ان کا نام تارخ یا تیرح یا تارح تھا۔ مزید تفصیل اصل رسالہ میں ملاحظہ فرمادیں اور ان کے دیگر رسائل میں۔

حضرت شیخِ محقّق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی[1] اشعۃ اللمعات جلد چہارم میں فرماتے ہیں:

اما آبا کرام آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پس ہمہ ایشاں از آدم تا عبداللہ طاہر و مطہر اند از دنس کفر و نجس شرک چنانچہ فرمود بیروں آمدہ ام از اصلاب طاہرہ بارحام طاہرہ و دلائل دیگر کہ متاخرین علماء حدیث آنرا

[1] رحمۃ اللہ علیہ۔

تحریر و تقریر نمودہ اند و بعری ایں علمیست کہ حق تعالیٰ سُبحانہٗ، مخصوص گردانیدہ بایں متاخرین را یعنی علم آنکہ آباء و اجداد شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ بر دین توحید و اسلام بودہ اند و از کلام متقدمین لائح میگردد کلمات برخلاف آں و ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشا و یختص بہ من یشاء و خدا جزائے دہد شیخ جلال الدین سیوطی را کہ دریں باب رسائل تصنیف کردہ افادہ و اجادہ نمودہ ایں مدعا را ظاہر و باہر گردانیدہ است و حاشا للہ کہ ایں نورِ پاک را در جائے ظلمانی پلید بنہند و در عرصات آخرت بہ تعذیب و تحقیر آباء او را مخزی و مخذول گردانند ۔ (ص۴۹۱)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباءِ کرام تمام کے تمام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک کفر کی میل اور شرک کی نجاست سے طاہر و مطہر ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوا ہوں اور دوسرے دلائل بھی قائم کیے گئے ہیں جیسے کہ متاخرین علماء حدیث نے ان کو تحریر فرمایا اور بیان کیا اور مجھے میرے خالقِ زیست کی قسم ہے کہ اس علم کے ساتھ یعنی آپ کے آباؤ اجداد کے توحید اور اسلام پر ہونے کے علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے متاخرین علماء کو مختص اور ممتاز ٹھہرایا ہے جبکہ متقدمین علماء کے کلام میں اس کے خلاف کلمات ظاہر ہوتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے فضل و کرم سے نواز دے اور جس کو چاہے کسی نعمت کے ساتھ مختص ٹھہرا دے۔ اللہ تعالیٰ شیخ جلال الدین سیوطی کو

جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے اس مسئلہ پر رسائل تصنیف فرما کر لوگوں کو عظیم فائدہ اور نفع پہنچایا اور اس مسئلہ کو واضح اور روشن کیا۔

حاشا للہ و پناہ بخدا کہ رسولِ معظم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نورِ پاک کو ظلمانی اور پلید جگہ میں رکھیں اور قیامت کے میدان میں آپ کے آباء و اجداد کو عذاب دے کر اور تحقیر و تذلیل کر کے نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رسوائی اور ذلّت سے دوچار کریں۔ (العیاذ باللہ)

اوّل، فرمان باری تعالیٰ ہے، انّما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام۔ الآیۃ۔ یعنی مشرکین نجس اور پلید ہیں۔ لہٰذا وُہ مسجدِ حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اور وُہ ہستی مقدّس کہ جن کے جسدِ اطہر سے مَس کا شرف حاصل کرنے والی مٹّی، بیت المقدّس، کعبہ مکرّمہ اور عرشِ اعلیٰ سے بھی افضل ہو ان کی ذاتِ اقدس اور حقیقتِ مطہرہ اور نورانی عنصر کو مکمّل طور پر نجس اور پلید جگہ میں داخل کر دیا جائے یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے؟ کیا مسجدِ حرام کو سمیٹ کر کسی مشرک کے اندر داخل کرنا جائز ہو سکتا ہے اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نورانی عنصر اور جوہرِ پاک، کو ایسی پلید جگہوں میں چھپانا کیونکہ گوارا ہو سکتا ہے۔

فتح مکّہ سے قبل اہلِ اسلام میں مشرکین کو مسجدِ حرام سے دُور رکھنے کی قوّت و طاقت نہ تھی اس لیے اس حکم کو مؤخر کیا گیا مگر سیّد الطّاہرین محمّد کریم علیہ الصّلٰوۃ والتّسلیم کے جوہرِ نورانی کا اصلاب و ارحام میں منتقل فرمانا اللہ تعالیٰ کا ذاتی فعل اور اختیار و انتخاب تھا لہٰذا اس میں کسی وقت اور

جگہ کی تعیین و تحدید کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔

الغرض متاخرین علماءِ اعلام اور اکابرینِ ملّت کی طرف سے روشن اور واضح براہین اور دلائل قائم کر دیئے جانے کے بعد اور ان مطلع اور ان سے واقف ہونے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حقیقی باپ اور والد کو کافر اور مشرک قرار دے دینا بہت بڑی جسارت اور بیباکی ہے اور نازیبا اور نالائق حرکت ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک۔

نیز جب یہ امر مبرھن اور مدلّل انداز میں ثابت ہو چکا کہ تمام آباء و اجداد سیّدِ عالم علیہ السّلام کے مومن و موحد تھے تو جناب عبدالمطّلب کا مومن موحد ہونا بھی ثابت ہو گیا اور ظاہر ہے کہ جناب ابُوطالب اپنے باپ کے نقشِ قدم پر تھے جیسے کہ انہوں نے زبانی کہا لہٰذا ان کے متعلّق مشرک و بُت پرست ہونے کا دعوٰی محل نظر ہے۔

نیز بعض اکابرین نے بعداز وفات ان کے زندہ کیے جانے اور نبیِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم پر ایمان لانے کا قول بھی کیا ہے چنانچہ شیخِ محقّق حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے اخبارالاخیار میں صفحہ نمبر ۱۳۵ پر اور میر عبدالواحد بلگرامی نے سبع سنابل شریف صفحہ ۲۸ پر ذکر فرمایا ہے کہ سیّد محمّد گیسُو دراز علیہ الرّحمہ جو کہ حضرت شاہ نصیرالدّین چراغ دہلوی[1] کے عظیم المرتبت خلیفہ ہیں۔ انہوں نے تفسیر ام المعانی کے حوالے سے بیان فرمایا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے حضرت علی المرتضٰی شیرِ خدا رضی اللّٰہ عنہ کو یہ مژدہ سُنایا کہ اللّٰہ تعالیٰ

[1] رحمہ اللّٰہ

نے مجھے والدین اور چچے ابُو طالب کو زندہ کر کے حلقۂ اُمّت میں داخل کرنے کا اذن دیا۔ چنانچہ آپ کے بُلانے پر، "ہر سہ تن سراز خاک برآوردند بمن ایمان آوردند۔ تینوں حضرت اپنی قبروں سے برآمد ہو گئے اور میرے ساتھ ایمان لے آئے، اور بعد از وفات زندہ ہو کر مشرّف باسلام ہونا اور اس اسلام کا عنداللہ مقبول ہونا نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خصائص سے ہوگا جیسے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے ساتھیوں کو سے پہلے لن نومن لك حتّٰی نرى الله جهرةً کہنے کی بنا پر آسمانی بجلی کیساتھ بھسم کر دیا گیا اور پھر آپ کی دُعا سے ان کو زندہ کر کے حلقۂ غلامی میں داخل ہونے کا موقعہ فراہم کیا گیا، اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ بلکہ حضرت کلیم علیہ السّلام کے امّتیوں کی نسبت نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مشفق چچا اس رعایت اور عنایت کے زیادہ حقدار تھے اور کلیم طور علیہ السّلام کی بجائے کلیمِ عرش اور کلیمِ محشر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس اعزاز و اکرام اور اختصاص و امتیاز کے زیادہ لائق اور مستحق تھے۔

علّامہ سرفراز صاحب کی جماعت کے ممتاز عالمِ دین علّامہ شبیّر احمد عثمانی صاحب اپنے حاشیۂ قرآن میں فرماتے ہیں:

"اَبُو طالب کے ایمان و کُفر کو خاص موضوعِ بحث بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پُر خطر مباحث میں کفِ لسان کیا جاوے۔" (ص ۴۲۹)

مگر علّامہ صاحب کو اپنے اکابر کے ارشادات کے برعکس ہر حال میں

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ط

(سورہ انعام آیت ۹۱)

اور انہوں نے نہیں قدر کی اللہ تعالیٰ کی جبکہ کہہ دیا اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔

لہٰذا جناب ابُوطالب کے معاملہ میں اقرارِ رسالت کو نظر انداز کرنا اور انکارِ توحید کو انکارِ رسالت سے علیحدہ کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔

نیز توحید و رسالت کا اقرار و اعتراف نہ کرنے کے باوجود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو نفع پہنچانا ثابت ہے۔ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسُول اللّٰہ ھل نفعت اباطالب شیئاً فانہ کان یحوطك و یغضب لك۔

کیا آپ نے ابُوطالب کو کوئی نفع پہنچایا کیونکہ وُہ تمہاری حفاظت کیا کرتے تھے اور تمہاری وجہ سے لوگوں سے ناراض ہوا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا ہاں مَیں نے ان کو نفع پہنچایا ہے اس وقت آگ صرف اس کے ٹخنوں تک رہے، اور اگر مَیں نہ ہوتا (اور ان کے حق میں شفاعت نہ کرتا) تو وُہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا،

ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النّار۔

(بخاری علی حاشیہ الفتح ص ۱۴۸ جلد ۷)

لیکن اگر وُہ دعوت قبُول کر لیتے اور ایمان اختیاری کا برملا اظہار کر دیتے تو پھر کس قدر اجر و ثواب اور درجہ و مرتبہ نصیب ہوجاتا۔

تنبیہ: تفسیرام المعانی والی روایت میں علیٰ تقدیر الصحت اور بخاری شریف کی اس روایت میں کوئی تعارض اور تخالف نہیں کیونکہ اس میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر زندہ کیے جانے کا ذکر ہے اور ایمان لانے اور نجات پانے کا جبکہ وفات جناب ابُو طالب کی ہجرت سے پہلے سال ہو چکی تھی لہٰذا عین ممکن ہے کہ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کا سوال پہلے زمانہ سے متعلّق ہو۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

کیا رسُولِ معظّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابُو طالب صاحب کو مومن بنانے سے عاجز تھے؟

علّامہ سرفراز صاحب نے صرف ابُو طالب صاحب کے مشرک ہونے کی وجہ سے ناقابلِ مغفرت و بخشش ہونے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کو نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عجز و بے بسی پر بطور دلیل بھی پیش کیا ہے، اور آپ کا تدبیر و تصرّف سے اور تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب سے معذور و قاصر ہونا بھی اس سے ثابت کیا چنانچہ لکھتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ اگر واقعی دُنیا و آخرت کی سب مُرادیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اختیار میں ہیں تو دیگر ہزار ہا امور کو چھوڑیئے صرف اس کی طرف توجّہ کیجیے کہ آپ کے باوجود قلبی خواہش کے اور سچّی آرزو کے اپنے مہربان چچا اور مجازی مربّی ابُو طالب کو دولتِ ایمان و ہدایت دے کر اپنی ہی مُراد کیوں نہ پُوری کر لی! آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ (گلدستہ ص۵۵)

مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی امر کا محبُوب اور پسندیدہ ہونا علیحدہ

امر ہے اور اس کا ارادہ کرنا اور اپنی قدرت و طاقت سے اس کو موجود و متحقق کرنا علیحدہ امر ہے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شانِ رحیمی و کریمی کے مالک ہیں لہٰذا آپ سب کے مومن ہونے کو محبوب رکھتے ہیں اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کو ناپسندیدہ اور مبغوض رکھتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم وقال تعالیٰ :

لعلك باخع نفسك علیٰ اٰثارهم ان لم یومنوا

بهٰذا الحدیث اسفا

اور یہی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ ہمارے ایمان و تقویٰ کو محبوب رکھتا ہے اور کفر و عصیان اور شرک و طغیان کو مبغوض رکھتا ہے، اور وہ ربّ العٰلمین بھی ہے اور ظاہری و باطنی رُوحانی و جسمانی ہر طرح کی تربیّت کا سامان بھی مہیّا کرتا ہے اور ارحم الراحمین بھی ہے اور علیٰ کُل شیءٍ قدیر بھی ہے فعال لمایشا بھی ہے لیکن ابوجہل و ابولہب و فرعون و ہامان اور نمرود و شدّاد بھی موجود رہے اور یزید و حجاج بھی پیدا ہوئے جس طرح اس نے جبر و اکراہ کے ساتھ ان کو مومن نہیں بنایا بلکہ صرف راہِ راست واضح کرنے اور دعوتِ ایمان و اسلام پر اکتفا فرمایا اور لوگوں کو اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان و کفر اور خیر و شر میں کسی کے انتخاب کا موقعہ دیا۔ من شآء فلیومن و من شاء فلیکفر حالانکہ جبر و اکراہ کی صورت میں وہ سب کو مومن اور متقی بنا سکتا تھا۔ قال تعالیٰ :

لَوْشِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ

مِنّی لَاَمْلَئَنَّ جھنّم من الجنّۃ والنّاس اجمعین۔

اسی طرح رسُولِ معظّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی ہدایت وارشاد اور رہنمائی و تبلیغ و موعظت پر اکتفاء فرمایا اور باطنی قوّت اور رُوحانی توجّہ کے ذریعے ہر ایک کو مشرّف باسلام نہ کیا کیونکہ یہ امر حکمتِ خُداوندی کے خلاف تھا اور آپ نائب و خلیفۂ خُداوند تعالٰی ہیں اور اس کے کارکنانِ قضاءُ قدر سے ہیں لہٰذا حق نیابت و خلافت کا تقاضا یہی تھا جس پر آپ کاربند رہے۔ اللّٰہ تعالٰی نے ابلیس کو سجُودِ آدم کے لیے امر فرمایا اس نے انکار کر دیا تو اس سے اللّٰہ تعالٰی کا عجز کیسے لازم آگیا۔ اسی طرح اگر سیّدِ عالم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے جناب ابُو طالب کو یا دیگر مشرکینِ مکّہ اور کفّارِ عرب کو ایمان لانے کا حکم دیا اور وُہ ایمان نہیں لائے تو اس سے محبُوب کریم علیہ السّلام کی مجبوری و معذوری کیسے ثابت ہو گئی؟

علّامہ صاحب کی بدقسمتی یہ ہے کہ خود اس کے اکابر اس کی دلیلوں کا تیا پانچا کر دیتے ہیں اور اس کے تارِ عنکبوت جیسے دلائلِ واہیہ کی ہر ہر تار ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں چنانچہ ملّتِ دیوبندیہ کے حکیم الاُمّت اور مجدّدِ مائۃ اشرف علی تھانوی صاحب افاضاتِ یومیہ ص۲۶۱ ج ۴ پر فرماتے ہیں:

میں تو بحمد اللّٰہ اکثر تدابیر سے ہی کام لیتا ہُوں وجہ یہ ہے کہ اوّل تو مجھ میں قوّتِ باطنی نہیں ہے ہاں قوّتِ بطنی تو ہے دونو وقت پیٹ بھر کر کھا لیا لیکن میں کہتا ہُوں کہ اگر قوّتِ باطنی ہوتی بھی تو مَیں اس سے کام نہ لیتا اس لیے کہ یہ انبیاء علیہم السّلام کی سُنّت نہیں ہے۔ مجال تھی کہ ابوجہل اور

ابولہب ایمان سے رہ جاتے اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوّتِ باطنی سے کام لیتے۔ نیز عبدیت کے بھی خلاف ہے۔ خدا پر چھوڑ دینا چاہیے، اور تدبیر و تبلیغ اس تفویض کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا حکم خداوند تعالیٰ نے ہی دیا ہے۔

کہیے علامہ سرفراز صاحب حکیم الامت الدیوبندیہ سچے ہیں یا آپ اور وُہ دینِ اسلام اور توحیدِ باری تعالیٰ کو بہتر جانتے تھے یا آپ؟ اور کیا صرف ابوجہل اور ابولہب آپ کی قوّتِ باطنی کے استعمال سے مشرف باسلام ہو سکتے تھے جناب ابُوطالب نہیں ہو سکتے تھے؟ امید ہے کہ علامہ صاحب اس کے بعد یہی کہتے نظر آئیں گے۔ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

کیا رئیس المنافقین صرف شرک کی وجہ سے قابلِ مغفرت نہیں تھا؟

علامہ صاحب نے عبداللہ بن ابی کے حق میں نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعائے مغفرت قبول نہ ہونے کا سبب اس کے درپردہ مشرک ہونے کو ٹھہرایا ہے تو یہ بھی سراسر دھاندلی اور تحکم و سینہ زوری ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مغفرت و بخشش کے لائق نہ ہونے کا سبب خود ہی بیان فرمایا ہے۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۠ (سورہ توبہ آیت ۸۰)

یعنی آپ منافقین کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں۔ اگر ستّر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا اور یہ اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا ہے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور اسکے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں اور سرکشوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۸۴)

اور نہ نمازِ جنازہ پڑھیں اس پر جو مرے منافقین میں سے اور نہ اس کی قبر پہ کھڑے ہوں اور نہ قدم رکھیں کیونکہ انہوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کیساتھ اور اس کے رسول مقبول کے ساتھ اور مرے اس حالت میں کہ وہ فاسق و کافر ہیں۔ ان دونوں آیات میں ان کے ناقابلِ مغفرت ہونے کا سبب کفر بالرسول بھی بتلایا گیا ہے جیسے کہ کفر باللہ تعالیٰ کو سبب ٹھہرایا گیا ہے۔

۳۔ قال اللہ تعالیٰ :

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (سورہ منافقون آیت ۱)

یعنی منافق بارگاہِ رسالت میں حاضری کے وقت آپ کے رسولِ خدا ہونے

کی شہادت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اس کے برحق رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے بھی واضح ہوا کہ وہ صرف کافر باللہ نہیں تھے بلکہ کافر بالرسول بھی تھے اس لیے لائقِ بخشش اور قابلِ شفاعت نہیں تھے۔

۴۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ○ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○

(سورہ منافقون آیت ۵-۶)

اور جب انہیں کہا جائے آؤ (بارگاہِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم میں) اللہ کے رسول تمہارے لیے مغفرت و بخشش کی دُعا کریں تو وہ اپنے سر دل کو پھیرتے ہیں اور دیکھو گے انہیں کہ وہ باز رہتے ہیں جبکہ وہ تکبّر کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ ان پر برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس فرمانِ ذیشان سے بھی صاف ظاہر کہ وہ از راہِ غرور و تکبّر نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے زندگی میں دُعا کرانے سے سرتابی اور روگردانی کرتے تھے لہٰذا ان کی سزا یہ ہے کہ دُعائے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

کی منفعت سے ان کو محروم کر دیا جائے اور مکمّل طور پر رحمتِ خُداوندی سے مایوس کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم و کرم کے سزاوار وہی ہیں جو نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درِ اقدس پر آئیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور رسُولِ معظّم علیہ السّلام کو اپنا سفارشی بنائیں۔

کما قال تعالیٰ :

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝

(سورہ نسآر آیت ۶۴)

اور جو اس در سے اعراض اور روگردانی کریں وُہ اللہ تعالیٰ سے اعراض اور روگردانی کرنے والے ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا درِ اقدس زمین پر صرف اور صرف درِ رسُولؐ[1] ہی ہے اس لیے توبہ کرنے والوں اور مغفرتِ باری کے طلبگاروں کو یہی دَر اللہ تعالیٰ نے خود دکھلایا اگر یہ غیروں کا در ہوتا اور من دون اللہ کا دَر ہوتا تو اللہ اس کی طرف بالکل رہنمائی نہ فرماتا۔ ؎

بخُدا خُدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

علاّمہ شبّیر احمد عثمانی نے کہا :

یہاں سے گناہگار اور بداعتقاد کا فرق نکلتا ہے (ورنہ) گناہ ایسا کونسا ہے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

[1] صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ (الآیۃ) لیکن بد اعتقاد کو پیغمبر کا ستر مرتبہ استغفار کرنا بھی فائدہ نہ دے۔ (حاشیہ ۸۸ صفحہ ۲۴۵ سورہ توبہ)

۵- بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس محرومی کی وجہ یہ بھی بیان فرماتی ہے :

هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنۡفَضُّوۡا‌ ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ۝ (سورہ منافقون آیت ۷)

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو مہاجرین فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ مت کرو یہاں تک کہ وہ خود بخود جدا ہو جائیں گے اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے لیکن منافق نہیں سمجھتے

يَقُوۡلُوۡنَ لَـئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ‌ ؕ وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ (سورہ منافقون آیت ۸)

منافق کہتے ہیں اگر مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو عزت والے مدینہ سے ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافق علم نہیں رکھتے۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ وہ اس سعادت سے محروم اس لیے ہیں کہ وہ اہلِ اسلام مہاجرین فقراء کو ذلیل و حقیر اور اپنا دستِ نگر اور محتاج سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو عزت والے اور آبرومند سمجھتے تھے اس گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے ان کو نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

اور اس کے فائدہ اور فیضان سے محروم کر دیا گیا اور گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب تم سراپا رحمت ہو تم تو دشمنوں کے ساتھ بھی شانِ رحیمی کا مظاہرہ کرو گے مگر میری جو آپ کے ساتھ محبت ہے اور آپ کے طفیل آپ کے یاروں سے محبت ہے اس کا بھی کچھ تقاضا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں انہیں اس غرور و تکبر اور بے ادبی و گستاخی کا پورا پورا بدلہ دوں۔ کما قال :

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ

(سورہ نساء آیت ۱۴۵)

ان کو دوزخ کے نچلے اور سخت ترین طبقہ میں پھینکوں۔ لہٰذا آپ نہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر قدم رکھیں کیونکہ آپ کی دعا رد کر دوں تو تمہاری شانِ محبوبی کے خلاف ہے اور قبول کر دوں تو میری محبانہ شان کے خلاف ہے کہ محبوب کے گستاخوں کو قرار واقعی سزا نہ دوں۔ ہر مسلمان پر یہ حقیقت عیاں ہے کہ اگر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور آپ کے قدم مبارک کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہ ہوتی تو آپ کو دعا فرمانے سے اور ان کی قبروں پر قدم مبارک رکھنے سے کیوں منع فرماتا۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رئیس المنافقین کو بخشوانا چاہتے تھے؟

علامہ سرفراز صاحب نے تاثر یہ دیا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور دعائے مغفرت کی لیکن وہ فائدہ

نہ پہنچا سکی حالانکہ بخاری شریف میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن ایسی ایسی بات کہی تھی اور میں اس کی گستاخیاں گننے لگا تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا اے عمر الگ ہو جایئے مجھ سے جب میں نے اس معاملہ میں مبالغہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انی خیرت فاخترت لو اعلم انی ان زدت علی السبعین یغفرلہٗ لزدت علیہ۔

مجھے ان پر استغفار میں اختیار دیا گیا ہے (کروں یا نہ کروں اور ابھی منع نہیں کیا گیا) پس میں نے استغفار کو اختیار کر لیا ہے (اگرچہ اس کا نتیجہ مغفرت و بخشش کی صورت میں نہیں نکل سکتا) لیکن اگر میں یہ معلوم کر لیتا کہ ستر سے زیادہ مرتبہ میرے دعائے مغفرت کرنے پر اس کی بخشش ہو جائے گی تو میں ستر دفعہ پر اضافہ کر دیتا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ آپ نے نمازِ جنازہ پڑھی اور تھوڑا وقت ہی ٹھہرے کہ سورہ توبہ کی یہ دونوں آیتیں نازل ہو گئیں۔

ولا تصل علی احد منھم (الی) وھم فاسقون

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس دن اللہ کے رسول پر اپنی اس جرأت و جسارت پر حیران ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم

بہتر جاننے والے ہیں۔ (بخاری شریف جلد ۲ صـ۶۷۳ ۔ مرقاۃ صـ۲۱ جلد ۴)

اس حدیثِ پاک سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اللّٰہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللّٰہ لھم ط

تو اس کے بعد بخشوانے کے ارادے پر نمازِ جنازہ یا دُعائے مغفرت کا تصوّر کیسے کیا جا سکتا ہے بلکہ آپ نے فرما دیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستّر دفعہ سے زیادہ استغفار کرنے پر اس کی بخشش ہو سکتی ہے تو میں ستّر سے زیادہ مرتبہ کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں یہاں ستّر بیان کثرت کے لیے ہے تحدید کے لیے نہیں۔ (کما ھو مقتضی کلمۃ لو) لہٰذا میں استغفار میں اس حد تک مبالغہ نہیں کرتا۔

یہ جاننے کے باوجود کہ ستّر مرتبہ سے زیادہ بھی استغفار کرنا اسکی مغفرت کا موجب نہیں ہو سکتا تو پھر نمازِ جنازہ کیوں پڑھائی اور دُعائے مغفرت کیوں فرمائی سیّدِ عالم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خود اس کی وجہ بیان فرمائی ہے:

روی ان النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کلم فیما فعل بعبد اللّٰہ بن ابی فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وما یغنی عنہ قمیصی وصلاتی من اللّٰہ واللّٰہ انی کنت ارجو ان یسلم بہ الف من قومہ

(مرقاۃ [illegible])

مروی ہے کہ نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو سلوک عبد اللہ بن ابی کے ساتھ فرمایا یعنی قمیص پہنانے اور نمازِ جنازہ پڑھنے والا اس بارے میں آپ سے بات کی گئی تو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا اسے میرا قمیص اور نمازِ جنازہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے عذاب و عتاب سے کوئی نفع نہیں دے گا۔ بخُدا میں تو (اس سلوک کی بدولت یہ) اُمید رکھتا تھا کہ اسکی قوم سے ہزار آدمی مخلص مسلمان ہو جائیں۔

روی انه اسلم الف من قومه لما رأوه يتبرك بقميص النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ (مرقاۃ ص ۲۰ ج ۴)

مروی ہے کہ اسکی قوم سے ایک ہزار آدمی مخلص مسلمان بن گئے جب اسے دیکھا کہ وُہ (دمِ آخر) نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قمیص سے برکت حاصل کرنے لگا ہے۔

(وکذا فی فتح الباری ص ۲۵۴ ج ۸ - عمدۃ القاری ص ۵۴ ج ۸)

اور یہ حقیقت کسی بھی صاحبِ عقل و فہم پر مخفی نہیں رہ سکتی کہ خیرِ کثیر کی خاطر شرِ قلیل برداشت کر لینا بہتر ہے اس سے کہ شرِ قلیل کی خاطر خیرِ کثیر کو چھوڑ دیا جائے، ورنہ اس طرح شرِ کثیر کو اختیار کرنا لازم آئے گا، خصوصاً جبکہ ابھی منافقین کے ساتھ اس قسم کی مدارات کو ممنوع بھی نہیں ٹھہرایا گیا تھا بلکہ ان کے ساتھ اہلِ ایمان جیسا سلوک کیا جاتا تھا اور یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بعد میں نازل فرمائی اگر پہلے نازل ہو جاتی تو ہزار آدمی کا مخلص مومن بننا ممکن نہ رہتا کیونکہ نہ آپ

تشریف لے جاتے نہ وُہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قمیص اور لعابِ دہن سے تبرّک حاصل کرتا اور نہ ہی اس بدترین گستاخ اور بے ادب پر اس کرمِ کریمانہ کا اظہار ہوتا اور نہ ہی وُہ لوگ اس کرم نوازی کو دیکھتے اور نہ ہی مشرّف بایمان ہوتے ورنہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا تھا کہ محبُوبِ کریم علیہ السلام جا رہے ہیں تو فوراً آیت نازل فرما کر روک دیتا۔ اسی حکمت و مصلحت کے عدمِ ادراک کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فعجبت من جرأتی علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ واللہ ورسولہ اعلم۔

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس دن اپنی اس جسارت پر حیرت ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زیادہ علم والے ہیں۔

فائدہ جلیلہ: بعض بے ادب اور گستاخ لوگ اس موقعہ پر اس آیتِ کریمہ کے نزول کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عتاب اور تنبیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور سرزنش اور باز پُرس قرار دیتے ہیں حالانکہ صورتحال واقعی یہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا لم صلیت تم نے کیوں نمازِ جنازہ پڑھی! لم قمت علیٰ قبرہ تم اس کی قبر پر کیوں ٹھہرے جب ایسا نہیں تو معلوم ہُوا کہ اس مصلحت و حکمت کی تکمیل کے لیے ہی یہ نہی اور ممنوعیت پہلے نازل نہیں کی گئی تھی جب وُہ عظیم مقصد پُورا ہو گیا تو آئندہ کے لیے ایسی مروّت اور رواداری کو ممنوع ٹھہرا دیا گیا کیونکہ امر اور نہی کا تعلق

زمانہ مستقبل سے ہوتا ہے نہ کہ ماضی کے ساتھ لہٰذا اس کو عتاب اور سرزنش قرار دینا سراسر زیادتی بلکہ گستاخی ہے۔

علامہ سرفراز صاحب فرماتے ہیں، بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ستّر مرتبہ سے زیادہ دُعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت نازل ہو گئی۔ (بخاری ص۶۷۳ ج ۲)

حالانکہ حدیث شریف میں الفاظ یہ بھی ہیں :

لو اعلم انی زدت علی السبعین یغفر له لزدت علیه (ص۶۷۴)۔

اور یہ حقیقت کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں کہ لَوْ کا کلمہ نفی کے لیے ہوتا ہے لہٰذا معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے معلوم ہے کہ ستّر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے سے بھی اس کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا میں اس کے لیے استغفار میں مبالغہ نہیں کرتا لہٰذا اس جملہ سازیدہ علی السبعین کو اسی معنیٰ پر حمل کیا جائے گا اور اس کو انہی شرائط سے مشروط سمجھا جائے گا نہ اس معنیٰ پر کہ آپ نے ستّر سے زیادہ دُعائے مغفرت کا ارادہ فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں قرآن مجید محاوراتِ عرب کے مطابق نازل ہوا اور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے اور ہر عربی سمجھتا تھا کہ سبعین (۷۰) کا ذکر بیان کثرت کے لیے ہے اس میں تحدید اور مفہوم مخالف اور مفہوم عدد مُراد نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ معنیٰ و مفہوم مخفی کیونکر رہ سکتا تھا؟ لہٰذا ضروری اور لازمی طور پر یہی معنیٰ متعین ہو گا کہ اگر میرے علم میں ہوتا کہ ستّر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنا نفع دے سکتا ہے تو میں ضرور ستّر دفعہ

سے بھی زیادہ استغفار کر دیتا (تاکہ اُمّت کو اور ابنِ ابی کی قوم کو میری رحمتِ کاملہ اور رافت بے غایت کا علم ہو جاتا)۔

لیکن علاّمہ صاحب دیدہ دانستہ نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دُعاؤں کی اہمیّت گھٹانے کے لیے اور ان کی اہلِ اسلام کے ہاں استجابت و قبولیت کے عقیدہ میں تزلزل و تذبذب پیدا کرنے کے لیے سعیٔ ناتمام کے درپے ہیں ورنہ حدیث شریف کے معنی و مفہوم میں ذرّہ بھر ابہام و اخفاء نہیں تھا۔

باب سوم و باب چہارم۔

گلدستۂ توحید

(۱) قرآن مجید میں اور احادیثِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم میں جہاں شرک کی تردید آئی ہے وہاں نہایت ہی تعمیم کے ساتھ تردید کی گئی ہے جس سے اور زیادہ تعمیم سمجھ نہیں آسکتی اسی ضمن میں علّامہ سرفراز صاحب نے سات آیاتِ مُبارکہ ذکر کی ہیں جن میں شرک سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے شئ کا عام لفظ ذکر فرمایا مثلاً ابراہیم علیہ السّلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیتے وقت فرمایا : ان لا تشرك بی شیئا وغیر ذلك اور سینتیس احادیث نقل کیں جن میں شرک سے نہی اور ممنوعیت کی صُورت میں شئ کا عام لفظ استعمال کیا گیا اور پھر اس پر یہ تفریع مترتب کی۔ حضرات آپ جانتے ہیں کہ شئ کا لفظ تعمیم کے لیے ہوتا ہے اور پھر جب نکرہ ہو تو اس میں اور بھی تعمیم آجاتی ہے اور پھر جب یہ نفی کے تحت داخل ہو اس میں مزید تعمیم آجاتی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے اور اسکے برحق نبی جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے واضح کر دیا کہ جنّت میں داخل ہونے کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے

(گلدستہ ص۲۳ تا ص۳۵)

(ب) باب چہارم میں نو آیاتِ مُبارکہ کا ذکر کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ

نے اپنی طرف سے یا دُوسروں سے بطور حکایت شرک سے نہی یا اس کی نفی کے دوران احد کا عام لفظ استعمال فرمایا مثلاً :

لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ (سُورہ کہف ۳۸)

لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝ (سُورہ کہف ۲۶)

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ وغیر ذٰلک ۔

(سُورہ کہف آیت ۱۱۰)

اور پھر نتیجہ یہ اخذ کیا کہ ان تمام آیات میں لفظ اَحَدٌ اور احداً سے یہی سمجھا گیا ہے کہ کوئی بھی ہو نبی ہو یا ولی ، فرشتہ ہو یا کوئی اور نیک ہستی اور ذات ، خُداوند تعالیٰ کا کسی طرح شریک نہیں ۔ نہ ذات میں ، نہ صفات میں اور نہ افعال میں اور ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے وحدہٗ لاشریک ہے ۔ کلمۂ شہادت میں اسی بنیادی عقیدہ کا سبق دیا گیا ہے اور اس سبق کو یاد رکھنے کے لیے ہر نماز کے تشہد میں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پڑھنا ہر نمازی کے فریضہ میں شامل کیا گیا ہے تاکہ وُہ اس بُنیادی اور اہم عقیدہ کو اپنے ذہن سے اوجھل نہ ہونے دے مگر ہزار افسوس کہ اس سچّے اسلام کو اوہام پرستوں اور شرک کے شیدائیوں نے اسلام اور کفر کا ایک ملغوبہ بنا کر رکھ دیا ۔ الفاظ اسلام کے استعمال کرتے ہیں مگر معانی و مطالب کُفر و شرک کے لیے جاتے ہیں ۔

(گلدستہ صت۳ تا صت۴۰)

گلشنِ توحید و رسالت

ہم نہیں سمجھتے کہ علّامہ سرفراز صاحب کو اس قدر تطویل کی ضرورت صرف یہ تعمیم بیان کرنے کے لیے کیونکر پیش آتی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وجوب الوجود میں استحقاقِ عبادت میں اور خلق و تکوین اور جملہ تصرّفات میں یکتا و یگانہ ہے، اس کے ساتھ ان امور میں کوئی نبی و ولی اور فرشتہ و جن وغیرہ شریک نہیں ہے اور ہر مسلمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتا ہے اور اس کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہے اور اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں اسی وحدانیت کی شہادت دیتا ہے اور فخرِ موجودات اور سرورِ[1] کائنات کو صرف منصبِ رسالت کا مالک تسلیم کرتے ہوئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رسُول اللّٰہ کہتا ہے اور شہادت توحید کی طرح نماز کے اَلتحیّات میں شہادتِ عبدیت و رسالت دیتے ہوئے وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہ بھی کہتا ہے تو کیا عبد خاص اور رسُولِ برحق ماننے کے باوجود بھی شرک لازم آجاتا ہے اور اسلام میں شرک کی ملاوٹ ہو جاتی ہے، کہیں علّامہ صاحب کا مذہب زنادقہ اور ملاحدہ اباحیہ والا تو نہیں ہو گیا جو نبوّت و رسالت کو بنیادِ شرک اور منافی توحید سمجھتے ہیں بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ شرک سے مبرّا اور مطہر صرف اور صرف وہی شخص ہو گا جو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوّت و رسالت کا اقرار و اعتراف کریگا اسی لیے کتبِ سماویہ اور نزولِ وحی کے انکار کو اللہ تعالےٰ نے اپنی ناقدری

[1] صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

اور ناواقفیت قرار دیتے ہوئے فرمایا :

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ (سورہ انعام آیت ۹۲)

ورنہ علامہ صاحب کی اس تحریر و تقریر سے لازم آئے گا کہ مغفرت و بخشش اور فلاحِ اخروی اور دخول جنّت کے لیے ایمان بالرسالت بھی ضروری نہیں ہے بلکہ توحید کافی ہے اور شرک سے برارت ہی دخولِ جنّت وغیرہ کی کفیل ہے جیسے کہ ابُو ہریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے مروی حدیث کے ظاہر سے یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللّٰہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوتے ہیں تو جو شخص اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اس کی مغفرت ہو جاتی ہے مگر وُہ شخص جس کا کسی بھائی کے ساتھ (بلا وجہ شرعی) بغض ہو اور حضرت عبداللّٰہ بن مسعُود رضی اللّٰہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بظاہر یہی تاثر دیا گیا ہے کہ معراج کی رات اللّٰہ تعالےٰ کی طرف سے نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کو تین چیزیں عطا ہوئیں، پانچ نمازیں، سُورہ بقرہ کی آخری آیات اور یہ کہ جو شخص آپ کی اُمّت میں سے اللّٰہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اس کی مغفرت ہو گی۔ اور حضرت ابُوذر رضی اللّٰہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی یہی تاثر ملتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے رسُولِ معظم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس آکر یہ یہ خوشخبری سُنائی کہ میری اُمّت میں جو شخص اس حالت میں فوت

ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک قرار نہیں دیتا تھا تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ وغیر ذٰلک۔

حالانکہ کوئی مسلمان بلکہ عیسائی اور یہودی بھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا کہ محض توحید اور عدم اشراک بغیر نبوّت و رسالت کے اقرار و اعتراف کے مغفرتِ وبخشش اور نجات و فلاح اور دخولِ جنّت کے لیے کافی ہے بلکہ ان تمام آیات اور احادیث کا صرف اور صرف وہی مقصود جیسے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ایمان بالرسالت، ایمان باللہ میں داخل ہے جیسے کہ وفد عبدالقیس والی حدیث سے ظاہر ہے اور فرمانِ باری تعالیٰ ما قدروا اللہ الآیۃ، اس پر دال ہے اور باری تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان لینے کے بعد اس فرمان سے واضح ہے:

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

(سورہ آل عمران ۸۲) (وغیر ذٰلک من الآیات والاحادیث)

الحاصل یہ آیات اور احادیث اس امر کی بیّن اور واضح دلیلیں اور براہین ہیں کہ رسالت پر ایمان کے بغیر اقرار توحید قطعاً کافی نہیں۔

ہمارا عقیدہ اسلام اور شرک کا ملغوبہ کیوں؟

ہم بحمد للہ اس امر کے قائل و معترف اور مذعن و معتقد ہیں کہ کوئی بھی نبی اور مقرب حتّٰی کہ سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ ذات میں شریک ہیں، نہ صفات میں اور نہ ہی افعال میں اور نہ استحقاقِ عبادت

ہیں تو پھر ہمارا مذہب و مسلک اسلام اور شرک کا ملغوبہ کیسے بن گیا۔ (۱) کیا صرف اس لیے کہ ہم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو صرف طارش اور چٹھی رساں نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالٰے کے خلفاء اور نائبین تسلیم کرتے ہیں۔ قال تعالیٰ:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (سورہ بقرہ آیت ۳۰)

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (سورہ ص آیت ۲۶)

اور جب حضرت داؤد اور حضرت آدم علیہما السلام خلفاء ہیں تو سید الانبیاء بطریقِ اولیٰ خلیفۂ اعظم ہوں گے اور نائبِ مطلق جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لے کر ان کو آپ کا نائب اور قائم مقام قرار دیا اور مقصود اصلی اس محبوب کو ٹھہرایا۔

۲۔ کیا صرف اس لیے کہ ہم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتدار و اختیار کی کلیۃً نفی نہیں کرتے جیسے مولوی اسمٰعیل صاحب نے دعویٰ کیا جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں وغیرہ وغیرہ اور جناب نے اس کی عبارات اکابر میں مکمل تصدیق اور تائید کی بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین و آسمان کی حکومت دی اور جن و انس بلکہ ملائکہ کو بھی آپ کے ماتحت کر دیا۔

کما قال تعالیٰ:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ

(آل عمران آیت ۲۶)

اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے کہ میرے چار وزیر ہیں، دو زمین میں اور دو آسمانوں میں۔ زمین کے وزیر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور آسمانوں کے وزیر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں اور آپ بعطائے الٰہی مومنین پر ان کے نفوس کی نسبت تصرّف کے زیادہ حقدار ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (سورہ احزاب)

اور ہمارا ایمان ہے کہ جملہ امور میں رسولِ معظّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حاکم ماننا اور ان کے حکم اور فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کرنا اور دل میں اضطراب و بے سکونی کو راہ نہ دینا شرطِ ایمان و توحید ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

(سورہ نسآء آیت ۶۵)

اور ہمارا اذعان و ایقان ہے کہ رسولِ معظّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بے اختیار و عاجز نہیں بلکہ آپ کی قضا اور فیصلہ کے بعد اہلِ ایمان پابند اور مقید ہیں اور انہیں اپنی پسند و ناپسند پر اختیار و قدرت نہیں ہے۔ کما قال تعالیٰ:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط

(سورہ احزاب آیت ۳۶)

۳۔ کیا صرف اس لیے ہمارا اسلام شرک سے مخلوط ہو کر رہ گیا کہ ہم تمہاری

طرح مقربانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کو چمار سے ذلیل نہیں سمجھتے۔ تقویۃ الایمان اور عباراتِ اکابر بلکہ ان کی عزّت و توقیر اور تعظیم و تکریم کو رُوحِ ایمان اور جانِ دین سمجھتے ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے :

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط (سُورہ فتح آیت ۹)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے :

لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سُورہ منافقون آیت ۸)

ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے :

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (سُورہ حجرات آیت ۱۳)

جب غلامانِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اکرم ہوں تو خود رسُولِ معظم صلّی اللہ علیہ وسلّم کیونکر اکرم الاکرمین نہیں ہوں گے۔

لما دعا اللہ داعینا باکرم الرسل کنا اکرم الامم

کیونکہ اُمّتی کی عزّت و حرمت اور فضل و شرف اور فضیلت و کرامت صرف اور صرف نبی و رسُول کے طفیل اور توسّل سے ہی ہوتی ہے لہٰذا آپ کے اُمّتیوں کا اکرم ہونا آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اکرم الاکرمین ہونے کی واضح ترین دلیل ہے۔

۴۔ کیا صرف اس لیے کہ ہم نے رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خیال مُبارک کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر قرار نہیں دیا ہمارا اسلام بھی شرک قرار دیدیا گیا ہے۔ جیسے کہ جناب اور آپ کے اکابر اس کے

قائل ہیں۔ (صراطِ مستقیم ص۸۶) اور عباراتِ اکابر

ہم ایسی توحید کو کس طرح اپنا سکتے ہیں جو قرآن و حدیث اور سلفِ صالحین کے طریقہ کے سراسر خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ

(سورہ انفال آیت ۲۴)

اے ایمان والو جب تمہیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں تو فوراً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (علیہ السلام) کی بارگاہ میں حاضری دو اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوسعید بن معلّٰی کو فرمائیں کہ میرے بلانے کے باوجود تو نماز کیوں پڑھتا رہا ہے:

لم يقل الله استجيبوا لله ولرسوله ۔

(مشکوٰۃ باب فضائلِ قرآن)

کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تعمیلِ حکم میں حاضری دو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی جب تمہیں بلائیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مصلّٰی چھوڑ کر آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے صفِ اقتداء پر آکھڑے ہوں اور صحابہ کرام ان کو متوجہ کرنے کے لیے اور ان کو مصلائے امامت چھوڑنے اور حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصلائے امامت سونپنے کی طرف ترغیب دلانے کے لیے حالتِ نماز میں تالیاں بجائیں۔ (کما فی البخاری ص۱۶۰ ج ۱)۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر نمازِ عصر قضا کرلیں لیکن آپ کے آرام میں مخل نہ ہوں۔ (مشکل الاثار ص۸ ج ۲) (شفاء قاضی عیاض)

(ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ)

اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سانپ کے ڈنگ اور زہر برداشت کریں اور جان دینا گوارا کرلیں جو اہم ترین فریضہ ہے مگر محبوب کریم علیہ السلام کی نیند میں مخل ہونا گوارا نہ کریں۔ (مشکوٰۃ)

تو اندریں صورت ہم تمہاری توحید جیسی توحید کو کیسے اپنا سکتے ہیں بلکہ ہمارا ایمان و یقین تو یہ ہے کہ بلا شک و شبہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت روا نہیں لیکن عبادتِ خداوند تعالیٰ کو ان کی نیند اور آرام و سکون پر قربان کیا جا سکتا ہے اور یہی جذبہ اور نظریہ تمام عباداتِ الٰہیہ کی جان اور ان کی رُوح ہے۔ اور ان کی اسارت اور بے ادبی تمام اعمالِ صالحہ حتّٰی کہ توحید کے بھی اکارت اور برباد ہونے کی موجب ہے۔ کما قال تعالیٰ:

اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ○

(سورہ حجرات آیت ۲)

لہٰذا آپ اپنی اس مصنوعی توحید پر اس قدر مغرور نہ ہوں اور نہ اس کو جنّت کی ضمانت سمجھیں اور نہ ہی ہم جیسے لوگوں کو جنّت سے محروم کریں۔

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ
رند از رہِ نیاز بدارِ السّلام رفت

فلاح و نجات کے لیے بارگاہِ رسالت کا توسّل ضروری ہے

یہ بجا کہ جو اُمّتی حالتِ توحید پر مرے گا اس کی مغفرت اور بخشش ہو

جائے گی مگر توحید کی نسبت کے تحت براہِ راست اللہ تعالیٰ سے مغفرت حاصل نہیں کر سکے گا بلکہ درِ رسُول پر سوالی بن کر حاضر ہونا پڑے گا اور نہ صرف اس موحد کو بلکہ جُملہ انبیاء و مرسلین حتیٰ کہ ابراہیم خلیل علیہم السّلام کو بھی کما قال النبی علیہ السّلام :

یوم یرغب الی الخلق کلھم حتی ابراھیم

(مشکوٰۃ شریف باب فضائل القرآن)

اور یہ بھی بجا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک اور الملک ہے یہاں بھی اور وہاں بھی اور وُہ ذات وصفات میں اور افعال میں لاشریک لہٗ ہے لیکن جو دن اس کے امتیاز و اختصاص کا ہے مٰلک یوم الدّین اس دن بھی محبوب کی کرسی اس کے عرش جلالت کے ساتھ ہوگی :

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ٥ (سُورہ بنی اسرائیل آیت)

اور ، ثمّ اقوم عن یمین العرش مقاما یغبطنی الاوّلون والاٰخرون ۔ (مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ)

مغفرت و بخشش اور جنّت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر محبُوب کریم علیہ السّلام کے طفیل اور انہیں کے نظرِ کرم سے عطا کرے گا۔

کما قال علیہ السّلام :

انا اوّل شافع واوّل مشفّع وکما قال :

انا اوّل من یقرع باب الجنّۃ ۔

(مشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین)

اگر قیامت کے دن ان کی طرف رغبت اور ان کے در پر سوالی بن کر حاضر ہونا اور ان کا احتیاج و افتقار اور ان سے نگاہِ کرم کی اُمید رکھنا شرک نہیں۔

اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ۔
(مشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین ﷺ)

انا سیّد النّاس یوم القیامۃ۔ (مشکوٰۃ باب المرض والشفار)

تو آج بھی یہ عقیدہ و نظریہ شرک و کُفر نہیں ہو سکتا۔ ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

قیامت کے دن مشرک لوگ اپنے شرک سے انکار کر دیں گے اور مکر جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ :

وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ۝ (سورۃ الانعام آیت ۲۳)

تو یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ توحید ان کی جگہ سنبھال لیں گے اور شرک شروع کر دیں گے۔ لہٰذا یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ توسّل و توصل اور شفاعت وضراعت اور استمداد و استعانت کا جو عقیدہ وہاں پر درست اور عین صواب ہوگا اور جس پر تمام امم کا اجماع اور اتفاق ہوگا بلکہ تمام انبیاء کا بھی کیونکہ وُہ آگے بھیجیں گے اور سفارش وشفاعت کے لیے دُوسروں کا رستہ دکھائیں گے یہ نہیں کہیں گے کہ تم نے غلط راہ وروش اپنا رکھی ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا بھی اس سے اتفاق

لہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہوگا کیونکہ شفیع اور سفارشی کی تلاش کے لیے الہام ہی وہی فرمائے گا۔

فیلھمون لذٰلك ۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۰۹، الوفا، ص ۸۱۹)

تو ایسا عظیم اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ و نظریہ یقیناً یہاں بھی برحق ہوگا اس کو شرک سے تعبیر کرنا اور اہلِ ایمان و اہلِ اسلام کو مشرک بنا ڈالنا سراسر ظلم و تعدی ہے اور عدوان و طغیان ہے ۔ اعاذ نااللّٰہ من ذٰلك ۔

اہلِ سلام پر شرک کے فتوے لگانے والے خود مُشرک ہیں

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللّٰہ عنہ سیّدِ عالم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت فرماتے ہیں :

ان مما اخاف علیکم رجل قراء القرآن حتّٰی
اذا رءیت بھجتہ علیہ وکان رداءہ الاسلام
اعتراہ الی ماشاءاللّٰہ انسلخ منہ ونبذہ وراء
ظھرہٖ وسعی علٰی جارہ بالسیف ورماہ بالشرك
قلت یا نبی اللّٰہ ایھما اولی بالشرك المرمی اوالرامی؟
قال بل الرامی ھٰذا اسناد جید ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۵)

کہ جن امور سے میں تم پر اندیشہ رکھتا ہوں اور خوفزدہ ہوں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتّٰی کہ جب اس کی رونق اس پر نمایاں ہوگی اور اس پر اسلام کی چادر لپٹی ہوگی تو اللّٰہ تعالیٰ اس کو جدھر چاہے گا لے جائے گا اور وہ اسے پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی

پر تلوار کے ساتھ حملہ کی سعی کرے گا اور اس کو شرک کے ساتھ متہم ٹھہرائے گا میں نے عرض کیا ان دونوں میں شرک کا زیادہ حقدار کون ہوگا؟ جس کو الزام دیا گیا یا الزام دینے والا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا شرک کا اتہام والزام لگانے والا خود مشرک ہونے کا زیادہ حقدار اور سزاوار ہوگا۔ (حافظ عماد الدین ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند جید اور عمدہ ہے)۔

الغرض علامہ سرفراز صاحب اس حدیثِ پاک کے مصداق ہیں اور بقول رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں نہ کہ ہم اہل السنت وجماعت الحمد للہ بعطائے الٰہی دانائے غیوب نبی[1] نے ایسے مفتیوں کا ردائے اسلام کو اتار پھینکنا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوجانا کس صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا۔

[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

باب پنجم

گلدستۂ توحید

پیغمبروں، فرشتوں، جنات اور پیروں، مولویوں کی پرستش بھی شرک ہے

علامہ سرفراز صاحب فرماتے ہیں، شرک کے شیدائی عموماً یہ کہا کرتے ہیں کہ شرک تو یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کی جائے اور کلمہ گو چونکہ بتوں کی عبادت نہیں کرتے لہٰذا وہ کچھ بھی کریں اور کہیں کہ ہرگز مشرک نہیں ہوں گے لیکن یہ ایک ایسا کھلا مغالطہ ہے کہ جس کا قرآن مجید نے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے اس باطل خیال کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دی ہیں۔ (ص ۲۱)

گلشنِ توحید و رسالت

بے بنیاد بہتان، ہم نہیں سمجھتے کہ دنیا میں کوئی ایسا عقل و دانش کا دشمن ہوگا جو یہ کہے گا اور اس نظریہ کو اپنائے گا کیونکہ فرعون اور نمرود و شداد وغیرہ جن لوگوں نے بھی رب ہونے کا دعویٰ کیا وہ یقیناً مشرک اور جنہوں نے غیر اللہ کو خواہ کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں وجوب الوجود میں اور استحقاقِ عبادت میں شریک ٹھہرایا یا ٹھہرائیں گے وہ سبھی مشرک قرار پائیں گے کیونکہ شرک کا معنیٰ و مفہوم اور اس کی ماہیت و حقیقت ہی یہی ہے۔

الاشراك اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔

(شرح عقائد نسفی)

یعنی شرک یہ ہے کہ الوہیت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے خواہ الوہیت بمعنیٰ وجوب الوجود میں جیسے کہ مجوسی دو واجب الوجود تسلیم کرتے ہیں (ایک خالقِ خیر جس کو یزداں کہتے ہیں اور دُوسرا خالقِ شر جس کو اہرمن کہتے ہیں) خواہ الوہیت بمعنیٰ عبادت کی حقداری میں شریک کیا جائے جیسے بُت پرست (کہ وُہ اپنے بُتوں کو واجب الوجود تو تسلیم نہیں بلکہ واجب الوجود کی وحدانیت کے معتقد و معترف ہیں لیکن بُتوں کو عبادت کا حقدار تسلیم کرتے ہیں ان کی شفاعت اور سفارش کی اُمید پر)۔

(نبراس شرح شرح عقائد ص ۲۶۵)

احکامِ شرعیہ کی درجہ بندی کا لحاظ ضروری ہے

البتہ ہم اس کے ضرور قائل ہیں کہ دُنیا میں ہر کام جو شرعاً پسندیدہ نہ ہو اس کو شرک قرار دیتے چلے جانا سراسر زیادتی اور سینہ زوری ہے، چوری، ڈاکہ، زنا، قتلِ ناحق اور شراب نوشی، سُود خواری وغیرہ وغیرہ ایسے افعال اگر کوئی حرام سمجھ کر شامتِ نفس سے کر بھی لے تو فاسق ہوگا اور حلال سمجھ کر کریگا تو کافر ہوگا اسی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کوئی عملی طور

پر ترک کرے تو فاسق ہوگا اور فرضیت کا انکار کر دے تو کافر ہوگا لہٰذا زناکار کو یا تارکِ صلوٰۃ کو مشرک کہنا سراسر زیادتی اور سینہ زوری ہے بلکہ اس پر دوسرا حکم لگایا جائے گا جو اس جرم کی سنگینی کو تو واضح کرے مگر شرعی حد بندی میں خلل اندازی کا موجب نہ ہو کیوں کہ شرک سب سے سنگین جرم ہے اور ایسا شخص ناقابلِ بخشش و مغفرت ہے۔ کما قال تعالیٰ :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط (سورہ نساء آیت ۱۱۶)

تو از روئے شرع جو شخص حد مغفرت میں ہے اور جنّت میں داخل ہونے کا مستحق ہے اس کو ناقابلِ مغفرت و بخشش ٹھہرانا اور جنّت سے ہمیشہ کے لیے محروم ٹھہرانا احکامِ شرع میں کھلی مداخلت ہے اور اپنی طرف سے شریعت کے اصول و قواعد اور احکام وضع کرنے کی جسارت ہے جو ناقابلِ معافی جسارت ہے اور عام مسلمان کو بھی ایسی حرکت زیبا نہیں چہ جائیکہ عالم بلکہ شیخ القرآن اور شیخ الحدیث کو۔

قرآن مجید سے بصراحت ثابت کہ اللّٰہ تعالیٰ ہر شی کا خالق ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ج (سورہ انعام آیت ۱۰۲)

اللّٰہ تعالیٰ بندوں کا بھی اور ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (سورۃ الصّٰفّٰت آیت ۹۶)

حالانکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال اختیاریہ ایمان و کفر اور نیکی و بدی کے خود خالق ہیں تبھی ایمان اور اعمالِ صالحہ پر مستحق اجر و ثواب

ہوتے ہیں اور کفر اور اعمالِ قبیحہ کی وجہ سے مستحقِ عذاب وعتاب ہوتے ہیں لیکن بایں ہمہ ان کو مشرک نہیں کہا گیا اور نہ ہی اس حکم کو ان کے حق میں اختیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہر غیر شرعی اور غلط عقیدہ اور عمل کو شرک قرار دے دینا اور مرتکب کو مشرک اور ابوجہل کا بھائی بنا دینا سراسر ظلم ہے۔

علامہ تفتازانی شرح عقاید نسفی میں فرماتے ہیں:

لا يقال فالقائل بكون العبد خالقا لافعاله يكون من المشركين دون الموحدين لانا نقول الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام والمعتزلة لا يثبتون ذلك بل لا يجعلون خالقية العبد كخالقيته تعالى لافتقاره الى الاسباب والالات التى هى بخلق الله تعالى (ص۱۱)

یہ سوال و اشکال نہ کیا جائے کہ عباد کو خالق افعال ماننے والا مشرکین میں سے ہو جاتے گا نہ کہ موحدین میں سے (حالانکہ مذہب مختار یہ ہے کہ معتزلہ مشرک و کافر نہیں کیونکہ وہ اہلِ قبلہ میں سے ہیں) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریک ٹھہرانے کی حقیقت یہ ہے کہ الوہیت میں غیر کو شریک کیا جائے خواہ الوہیت بمعنی وجوب الوجود میں جیسے کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے یا الوہیت بمعنی استحقاق عبادت میں جیسے کہ بُت پرستوں کا عقیدہ ہے اور معتزلہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک نہیں ٹھہراتے بلکہ (لفظ خالق کا

اگرچہ بندوں پر اطلاق کرتے ہیں لیکن) بندے کی خالقیت کو اللہ تعالےٰ کی خالقیت کی مانند نہیں سمجھتے کیونکہ بندہ افعال کی تخلیق میں ایسے اسباب و آلات کا محتاج ہے جو کہ محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہیں اور ان کے بغیر بندے سے افعال کا صادر ہونا ناممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ اشیاء کے صادر کرنے میں کسی سبب اور آلہ کا محتاج نہیں ہے ۔

۲۔ مشائخِ ماوراء النہر نے ان کو مجوس سے بدتر قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ مجوسیوں نے ایک شریک ثابت کیا اور انہوں نے بے شمار شریک ثابت کر دیئے لہٰذا یہ ان سے بدتر ہیں تو علامہ نے فرمایا کہ ان کی ضلالت اور غلط روش پر تنبیہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے مشائخ نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں (ورنہ از روئے حقیقت اس قول کا بطلان واضح ہے کیونکہ مجوس نے جو ایک شریک ثابت کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے ملک میں نصف پر مستقل متصرف ہے اور کفر و قبائح کا خالق بھی ہے اور اپنے آپ موجود بھی ہے جبکہ معتزلہ نے جن کو خالق تسلیم کیا ہے تو صرف اپنے چند اعمال میں جن پر جزاء و سزا کا دارومدار ہے جبکہ بندوں کو اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اسباب و آلات کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج اور مخلوق تسلیم کرتے ہیں لہٰذا یہ مجوس کی مانند بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ ان سے بدتر ہوں لہٰذا ان کو مشرک کہنا خلافِ تحقیق ہے البتہ ضال و گمراہ اور مبتدع کے الفاظ سے ان کو تعبیر کرنا برحق ہے ۔

(خلاصہ مفہوم شرح عقائد و نبراس وغیرہ ص۲۶۵)

۳- پہلی شریعتوں میں سلام کی بجائے تعظیمی سجدہ کیا جاتا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کی زوجہ محترمہ اور آپ کے بیٹوں نے سجدہ کیا۔ کما قال تعالیٰ:

وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ج

(سورہ یوسف آیت ۱۰۰)

اور حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا:

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (سورہ بقرہ آیت ۳۴)

اور سب نے تعمیلِ ارشاد کی اور ابلیس نے سرکشی کی تو اس کو راندۂ درگاہ بنا دیا گیا حالانکہ نہ پیغمبر سے کفر اور کبیرہ گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے سکتا ہے کیونکہ کفر و شرک قبیح لذاتہ ہے اور اللہ تعالیٰ قبائح کا حکم دینے سے منزّہ مبرّا ہے تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ وہ سجدہ عبادت کے طور پر نہیں تھا بلکہ تعظیم و تکریم کے لیے تھا۔ سجود عبادت غیر اللہ کے لیے کفر و شرک ہے اور سجود تعظیم و تحیہ پہلی شریعتوں میں روا تھا، لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حرام ٹھہرا دیا لہٰذا مطلقاً کسی کو غیر اللہ کے لیے سجدہ کرتے دیکھ کر بے دھڑک شرک کا فتویٰ لگا دینا خواہ زندہ کو کرے یا فوت شدہ کو حد سے تجاوز ہے کیونکہ شرک تبھی ہو گا، جب بطور عبادت کرے گا اور اگر اس کے پیشِ نظر صرف تعظیم و تکریم ہے خواہ بادشاہی اور ملوکیت والی جہت سے یا نبوت و رسالت اور محبوبیت و ولایت

والی جہت سے، تو اس کو مرتکب حرام اور فاسق تو کہہ سکتے ہیں مشرک قرار دیدینا اور ابوجہل کا بھائی بنا ڈالنا حد سے تجاوز ہے اور سخت تعدی اور سینہ زوری۔

۴۔ معراج نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے اور امتیازی شان مگر کوئی آسمانوں پر جانے کا انکار کردے یا جنت کی سیر کا یا عرش پر پائے ناز رکھنے کا تو اس کو گستاخ و بے ادب اور کافر و مرتد قرار دیدینا سراسر زیادتی ہے بلکہ دیکھنا پڑے گا کہاں تک رسائی قطعی ہے لہٰذا اس کا انکار کفر قرار پائے گا اور کہاں تک ظنی ہے لہٰذا اس کا انکار فسق اعتقادی اور بدعت قرار پائے گا جیسے کہ علماء کلام نے تصریح فرمائی کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک قطعی دلیل سے ثابت ہے لہٰذا اس کا منکر کافر ہے اور زمین سے آسمانوں تک مشہور احادیث سے ثابت ہے لہٰذا اس کا منکر فاسق اور مبتدع اور جنت اور عرش یا لامکان تک اخبار آحاد سے ثابت ہے لہٰذا اس کے منکر کو کافر اور ضال و مضل بھی نہیں کہیں گے بلکہ صرف آثم اور گنہگار کہیں گے۔ (شرح عقائد مع نبراس ص۲۶۸ ص۲۶۴)

الغرض جس طرح نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت وعقیدت کے دعویداروں کو جوشِ محبت میں شرعی اصول و قواعد پامال کرنے کا حق نہیں اسی طرح توحید کے ٹھیکیداروں کو بھی یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اپنے طور پر اصول و قواعد وضع کرلیں اور جس کو چاہیں ابوجہل اور ابولہب بناڈالیں اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش اور جنت و ثواب سے کلیۃً محروم

کر ڈالیں۔

۵۔ نیز یہ تکفیر و تفسیق اہل السنّت کی بھی کی گئی ہے اور انہیں بدترین مشرک قرار دے دیا گیا کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، علم سمع، بصر، حیاۃ، قدرۃ، ارادہ، کلام اور تخلیق و تکوین ازلی اور قدیم ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ پر زائد ہیں تو معتزلہ نے کہا نصاریٰ کو تین قدیم ماننے کی بنا پر کافر قرار دیا گیا ہے تو آٹھ یا اس سے بھی زائد قدما کے تسلیم کرنیوالوں کے کفر میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔

قد کفرت النصاری باثبات ثلاثة من القدماء

فما بال الثمانية او اکثر۔ (شرح عقائد نبراس ص۱۹۷)

معتزلہ کے ہاں اگرچہ اہل السنّت کا مشرک ہونا بدیہی اور واضح ترین امر ہے لیکن صرف اہل السنّت کے نزدیک نہیں بلکہ ہر عقل سلیم والے کے نزدیک ان کے اس الزام و اتہام کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں کیونکہ موجبِ کفر متعدد قدیم ذاتوں کا تسلیم کرنا ہے نا کہ ایک ذات اور اس کے ساتھ قائم اسی کے صفاتِ کمال جو کہ اسی ذات کا اقتضاء ہیں لہٰذا ضروری نہیں کہ اسلامی فرقوں میں سے ایک فریق جس چیز کو شرک اور کفر قرار دیدے وہ اصول اور قواعد شرع کی رو سے بھی شرک ہو تو یہ کب ضروری ہے کہ علامہ سرفراز صاحب جس امر کو اپنے زعم اور گمان میں شرک سمجھیں وہ واقع میں بھی شرک ہو اور جن کو مشرک ہونے کا الزام دیں وہ واقعی اس کے اہل اور مستحق بھی ہوں، اگر انہیں گستاخ رسول اور بے ادب اور کافر و مرتد قرار دیا جا

پسند نہیں اور وہ اس فتویٰ کو برحق ماننے کے لیے تیار نہیں تو انہیں بھی دُوسروں کے حق میں مشرک جیسا سنگین الزام لگاتے وقت اور شرک کے شیدائی قرار دیتے وقت ہوش وخرد اور عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔

تنبیہ : اگر حضرات علماء میں سے کسی نے شرک کو بتوں کی عبادت اور مشرکین کا بُت پرستوں میں حصر و قصر کیا ہے تو ان کا مُدّعا و مقصد قطعاً یہ نہیں کہ شرک دُوسری جگہ عبادت کے تحقّق کے باوجود متحقّق نہیں یا غیر اللہ کی پرستش کے باوجود لفظ مشرک کا اطلاق درست نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ قرآنِ مجید میں صرف ان معبوداتِ باطلہ سے سُننے دیکھنے اور شعور و علم اور اخذ و بطش اور نفع و ضرر کی نفی کی گئی ہے اور یہ صفات صرف اصنام و اوثان کے ہیں لہٰذا ایسی آیاتِ کریمہ کا مصداق صرف اصنام و اوثان ہیں اور مشرکین سے مُراد بُت پرست اور شرک سے مُراد اس مقام پر ان بے جان تماثیل اور مجسّمات کی پرستش اور عبادت ہے اور اسی غلط مفروضہ کی بنا پر کہ معبوداتِ باطلہ میں تو انبیاء و اولیاء داخل ہیں لہٰذا دیگر معبودات کی طرح ان سے بھی حیات اور علم و ادراک اور احساس و شعور کی نفی ثابت ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ان کی حیات کی نفی کر دی۔ اموات غیر احیاء اور سُننے دیکھنے کی اور علم و شعور کی۔ کما قال تعالیٰ :

من اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب له الیٰ یوم القیامة وهم عن دعاءهم غٰفلون

(سورہ الاحقاف آیت ۵)

وَغَیرِ ذٰلِک لہٰذا علاّمہ سرفراز صاحب کے حسینی مشرب بھائیوں نے یہ عقیدہ اپنا لیا کہ قبور میں نہ انبیاء زندہ ہیں اور نہ اولیاء اور نہ ہی ان کو علم و شعور ہے اور نہ ہی سُننے اور دیکھنے کی استعداد و صلاحیت اور نہ ہی وُہ کسی کو کسی طرح کا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں حتیّٰ کہ جو قبر پر جا کر ان سے دُعا کے لیے عرض کرے وُہ بھی ان کے نزدیک ابوجہل کی مانند مشرک ہے اور علاّمہ صاحب کو ادھر ان کا ردّ بھی کرنا پڑا اور تسکین الصدور وغیرہ کتب لکھ کر علماءِ دیوبند کا مذہب واضح کرنا پڑا اور اصلی و نقلی دیوبندی کی تمیز کرانی پڑی اور اپنے فتوائے شرک کے لیے ندائے غائبانہ مافوق الاسباب وغیرہ کی قیود اختراع کرنی پڑیں۔

لہٰذا علاّمہ صاحب خود ہی غور فرمادیں اگر واقعی مشرکین اور ان کے جملہ معبودات کا حکم یکساں ہے تو پھر دیگر حسینی مشرب بھائیوں کے ساتھ اختلاف نہ کریں اور کھل کر ان کی تائید و تصدیق کریں اور انہیں اصلی دیوبندی تسلیم کرلیں اور اگر دیانت وامانت یہ اجازت نہیں دیتی تو پھر اس دیانت وامانت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ انبیاء و اولیاء کی بالفرض کوئی ازروئے جہالت و ضلالت عبادت کرتے بھی تو یہ حقیقت تسلیم کرے کہ ان کا حکم اوثان و اصنام اور حجری مورتیوں والا نہیں ہوگا بلکہ وہی ہوگا جو ان کی شانِ والا اور منصبِ بالا کے شایان اور لائق ہوگا جیسے کہ خود علاّمہ سرفراز صاحب نے اسی باب کی ساتویں دلیل میں اس فرق کو ازروئے نص قرآن تسلیم کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

اصنام اور اہل اللہ میں فرق ،

کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی :

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب
جھنم وانتم لھا واردون (سورہ نساء آیت ۹۸)

بیشک تم اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی تم پوجا کرتے ہو سبھی جہنم کا ایندھن ہیں اور تم سبھی اس میں داخل ہونے والے ہو تو مشرکینِ مکہ نے کہا کہ یہود حضرت عزیر نبی کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ بن مریم کی تو پھر وہ بھی دوزخ میں داخل ہوں گے ؟ تو ان کے ردّ و قدح میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا
مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ
اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ (سورہ انبیاء آیت ۱۰۱-۱۰۲)

بیشک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی طے ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے اور وہ نہیں سنیں گے اس کی آہٹ اور اپنی پسندیدہ نعمتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔

لہٰذا دوسرے مقامات میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھنا تقاضائے قرآن بھی ہے اور مقتضائے دینِ اسلام بھی اور منشاءِ مفسرینِ کرام بھی اس لیے وہ حضرات بتوں اور مورتیوں والے احکام سے ان کو مستثنیٰ ٹھہراتے ہوئے

لہ علیہم السلام ۔

ایسی آیات کی تفسیر اوثان واصنام سے کرتے ہیں مگر علامہ سرفراز صاحب کو غصہ آجاتا ہے اور ناحق غیظ وغضب کے شعلے برسانے لگ جاتے ہیں۔ ہم پر تو جو فتوے لگاؤ اور جس طرح غصہ نکالو تمہیں کون روک سکتا ہے مگر صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمرِ فاروق کے لختِ جگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تو حیا کرنا اور ان سے ضرور درگزر کرنا جن کا نظریہ وعقیدہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بدیں الفاظ نقل فرمایا ہے:

كان بن عمر يراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الى أيٰت نزلت فى الكفار فجعلوها على المؤمنين

(بخاری ص ۱۰۲۴ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر خوارج کو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بدتر اور مبغوض ترین سمجھتے تھے اور فرماتے کہ انہوں نے وہ آیات جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو اہلِ ایمان پر منطبق کر دیا ہے اور ان کو کافر ومشرک بنا ڈالا ہے۔ تو آپ ہی فرمادیں وہ کونسی آیات ہیں اور کون سے مومن ہیں جن پر وہ آیات چسپاں کی گئی ہیں۔ کیا بتوں اور مورتیوں اوثان واصنام والی آیات کو انبیاء واولیاء اور انکے متبعین اطاعت گزاروں اور تعظیم وتکریم کرنے والوں پر منطبق کرنا ہی یہاں مراد ہے یا نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے سرچشمۂ ولایت اور ابوالائمہ کو بھی مشرک قرار دیا گیا تھا یا نہیں؟ اور بزعمِ خویش اس شرک کو بھی انہوں نے قرآنِ مجید سے ثابت کیا تھا یا نہیں؟ یقیناً انہوں نے ان الحكم الا لله (سورہ یوسف آیت ۴۰)

پڑھ کر تحکیم اور ثالثی فیصلہ قبول کرنے کی وجہ سے یہ فتوٰی صادر کیا تھا مگر باب مدینۃ العلم نے فرمایا کلمۃ حق ارید بھا الباطل آیت برحق ہے مگر اس کا جو معنٰی کیا گیا وُہ باطل ہے۔

اسی طرح اہلِ اسلام کو مشرک قرار دینے کے شیدائی انہیں خوارج کی راہ و رسم اپناتے ہوئے ہیں اور ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم ان کے حق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والا نظریہ اپنائیں اور مولائے مرتضٰی علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں کہیں آیاتِ برحق مگر کشید کردہ معنٰی غلط اور باطل ہے بلکہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

گلدستۂ توحید

۱۔ قوم نصارٰی کی غلطی ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالٰی قیامت کے دن حضرت عیسٰی علیہ السلام کو فرمائے گا:

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۶)

اور جب کہے گا اللہ تعالٰی اے عیسٰی بن مریم تُو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھے اور میری ماں کو دو الٰہ اللہ کے نیچے تو عیسٰی کہے گا تُو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں۔

اگر شرک فقط بتوں کی پرستش کی وجہ سے ہوتا تو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے یہ سوال کیسے؟ نہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بُت تھے اور نہ ہی ان کی

والدہ ماجدہ حضرت مریم۔ (ملا-ملا)

گلشنِ توحید و رسالت

ا۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام اور حضرت عزیر علیہ السّلام وغیرہما کو معبودات سے اس لیے خارج کیا گیا کہ ان کے حق میں بتوں کی طرح علم و آگہی اور ادراک و شعور سے عاری ہونے بلکہ حیات و زندگانی سے بھی محروم ہونے کا باطل عقیدہ لازم نہ آتے رہا ان کے متعلق اَپنے زعم میں ابن اللہ ہونے یا الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کا معاملہ تو ان کے کفر و شرک میں کیا شک ہو سکتا ہے اللہ تعالےٰ نے لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ فرما کر اور لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم فرما کر بھی ان کے کفر اور شرک کو واضح کر دیا ہے۔ جب دنیا میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے کافر اور بے راہ ہونے کا خود اعلان فرما رہا ہے تو قیامت کے دن حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے جواب طلبی اور باز پرس آخر کیوں ؟

تو وہ ان کے حق میں کسی امکانی لغزش اور کوتاہی کے تحت نہیں کیونکہ سوال کرنے والا علام الغیوب ہے بلکہ صرف اور صرف اس لیے کہ انہوں نے ان کے حق میں اس قسم کا عقیدہ اپنا کر جو نفع اندوزی اور حصولِ شفاعت وغیرہ کی اُمیدیں لگا رکھی تھیں ان کے جواب سے ان کو مزید رنج والم اور شدتِ کرب لاحق ہو اور حسرت و ارمان میں اضافہ ہو ورنہ خود اللہ تعالیٰ

نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو اس طرح بیان فرمایا ہے :

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝

(سورہ مائدہ آیت ۷۲)

اور کہا مسیح علیہ السلام نے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے ۔ بیشک جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا ۔

لیکن ان کے تعلیماتِ مسیحی کے برعکس کفر و شرک کا ارتکاب کرنے سے حضرت مسیح کی شانِ رفیع میں تنقیص و تفریط کا کوئی جواز نہیں ہے ۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب قولِ باری تعالیٰ "مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ" (سورہ زخرف آیت ۵۸) کے تحت فرماتے ہیں : (صفحہ ۶۴۴/۶۴۵)

یاد رکھو قرآنِ کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا اس کا تو سارا جہاد ہی اس کے خلاف ہے ہاں یہ بھی نہیں کر سکتا کہ محض احمقوں کے خدا بنا لینے سے ایک مقرب اور مقبول بندے کو پتھروں اور شریروں کے برابر کر دے ۔

لیکن قرآنِ مجید کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کے ان مشرک و کافر بنی اسرائیل کے معبوداتِ باطلہ سے خارج ہونے کے باوجود اور ان احکام

سے منزّہ و مبرّا ہونے کی تصریحات اور اپنے اکابر کی تصریحات کے برعکس علاّمہ سرفراز صاحب کو اس پر اصرار ہے کہ وُہ من دون اللّٰہ میں داخل ہیں اور معبوداتِ باطلہ کے احکام ان پر بھی لاگو ہیں تو گویا وُہ انہیں مشرکین کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں جنہوں نے کہا تھا ہمارے معبودات بہتر ہیں یا مسیح ؟ اگر مسیح جہنّم کا ایندھن بن سکتے ہیں تو ہمارے معبودات بھی جہنّم کا ایندھن سہی لیکن اللّٰہ تعالیٰ نے ان کا ردّ کرتے ہُوئے فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے یہ محض جدل اور جھگڑے کے لیے کیا ہے بلکہ وُہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (سُورہ زخرف آیت ۵۹)

وُہ نہیں ہیں مگر ایسے عبدِ خاص کہ جن پر ہم نے (طرح طرح کے) انعام فرمائے اور ان کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ اسی طرح یہ سب کچھ علاّمہ صاحب کا بھی جدل اور محض جھگڑا کرنے والا معاملہ ہے اور مشرکین کی اتباع ہے۔

گلدستہ توحید۔

۲۔ یہود و نصاریٰ جو نہ صرف خدا کے قائل تھے بلکہ اپنے خیال کے لحاظ سے موحد بھی تھے ان کی تردید کرتے ہُوئے اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

(سورہ توبہ آیت ۳۱)

یعنی ٹھہرا لیا انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب اللہ کے نیچے اور مسیح بیٹے مریم کو حالانکہ ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک اللہ کی۔ کوئی اس کے سوا الٰہ نہیں وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اس آیت میں علماء و صوفیا اور مسیح بن مریم کا ذکر ہے کہ لوگوں نے ان کو رب بنایا اور مشرک ہوئے حالانکہ نہ مولوی بت ہیں اور نہ ہی پیر اور نہ ہی حضرت مسیح علیہ السلام۔ (ص ۴۲)

گلشن توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب نے یہ دوسری دلیل بیان فرمائی جس میں بتوں کی بجائے علماء اور پیروں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب ماننے کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو مشرک کہا گیا ہے لیکن علامہ صاحب کی یہ ساری بحث فضول اور عبث ہے کیونکہ ان لوگوں کا مشرک ہونا علیحدہ امر ہے اور انبیاء و اولیاء اور خاصان بارگاہ صمدیت کا ایسے معبود ہونا جو سمع و بصر اور علم و شعور اور حیات و قدرت سے کلیۃً محروم ہیں علیحدہ امر ہے پہلے امر کی نفی کے ہم قائل اور مدعی نہیں اور دوسرے امر کی نفی پر اس

آیت میں کوئی وجہ دلالت نہیں ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پرستش کی حقیقت

علاوہ ازیں حضرت مسیح علیہ السّلام کو انہوں نے معبود بنایا تو کب؟ ان کی دنیوی اقامت کے دوران بنایا تو یہ بداہت کے طور پر باطل ہے کہ پیغمبرِ خدا لوگوں سے اپنی عبادت کرالتے نیز وُہ خود بھی اس سے انکاری اور اللہ تعالٰی نے بھی بیان فرمایا کہ واقعی وُہ قوم بنی اسرائیل کو اللہ واحدہٗ کی عبادت کا حکم دیتے رہے جیسے پچھلی دلیل کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اگر ان کے رفعِ سماوی کے بعد ایسا کیا گیا تو ظاہر ہے کہ امر و نہی کے لحاظ سے اس صورت میں رب ہونا مُراد نہیں ہوسکتا اور نہ ان بنی اسرائیل میں یہ صلاحیت و استعداد تھی کہ ان سے آسمانوں پر پہنچتے ہوئے احکام حاصل کریں اور نہ وُہ ان کو اللہ تعالٰی کے مقابلہ میں آکر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کی جسارت کر سکتے تھے تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کو رب اور الٰہ بنانے کی صرف یہی صورت تھی کہ ان کے نام پر بُت بنا کر اس کی پُوجا پاٹ شروع کر دی، جیسے کہ نصارٰی نے آج بھی اپنی عبادت گاہوں میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام اور حضرت مریم علیہا السّلام کے مجسّمے کھڑے کیے ہوئے ہیں اور ان کی پرستش اور عبادت کی جا رہی ہے۔

مقامِ غور ہے کہ بنی اسرائیل وُہ قوم ہے کہ جنہوں نے حضرت موسٰی علیہ السلام

سے عصا والے معجزات یعنی دریا کا خشک ہونا اور پتھر سے پانی نکلنا اور اس کا اژدھا بن کر جادوگروں کی ہزاروں بزورِ سحر سانپ نظر آنے والی رسیوں اور چھڑیوں کو نگلنا اور ہضم کرنا اور یدِ بیضا کا معجزہ دیکھ لینے اور خدا ہونے کے دعویدار فرعون اور اس کی قوم کا غرق ہونا اور اپنا خشک پاؤں صحیح و سالم پار نکلنا دیکھ کر اور عجائب قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی جب ایک قوم کو بُت سامنے سجا کر عبادت کرتے دیکھا تو فوراً موسٰی علیہ السلام سے بھی اس طرح کا خدا بنا دینے کا مطالبہ کر دیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○

(سورہ اعراف آیت ۳۸)

تو جو لوگ غائب خدا کی عبادت اور پرستش نہیں کر سکتے تھے وہ غائب عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کی پرستش کیونکر کر سکتے تھے۔ اب کے تو موسٰی علیہ السلام موجود تھے انہوں نے جھڑک دیا اور ڈانٹ پلا دی تو وقتی طور پر چُپ ہو گئے مگر حضرت موسٰی علیہ السلام طُور پر گئے اور انہیں موقعہ ملا تو فوراً بچھڑا بنا کر اس کو اپنا معبود تسلیم کر لیا اور عبادت و پرستش شروع کر دی اور یہ اعلان کر دیا:

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ (سورہ طٰہٰ آیت ۸۸)

یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا مگر وہ بھول کر طور پر چلے گئے،

علامہ شبیر احمد عثمانی حاشیہ قرآن میں فرماتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک مصری بت پرستوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے شرکیہ رسوم و افعال کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بیہودہ جاہلانہ درخواست بھی مصر کی آب و ہوا اور وہاں کے بت پرستوں کی صحبت کے آثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی پرستش سے تسکین نہیں پاتا، جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔ (صفحہ ۲۹۰)

الغرض اخلاف کا اندازہ انہیں اسلاف سے کیا جا سکتا ہے جب ان کے بڑوں کا حال یہ تھا کہ غائب خدا کو پوج کر مطمئن نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کو سکون میسر آیا تو بچھڑے کی پوجا سے اور اتنی جلدی میں تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نجات دہندہ اور صاحب معجزات رسول کی طور سے واپسی تک انتظار بھی نہ کر سکے اور اس کے جواز کی سند بھی حاصل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور پہلی منع کو بھی خاطر میں نہ لاتے اور پوجا بھی اس جانور کے مصنوعی مجسمہ کی کرنے لگے جو غباوت میں ضرب المثل ہے، تو اخلاف اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی مورتیوں کو پوجیں اور خاص صور پر آپ سے معجزات دیکھنے کے بعد اور حضرت مریم علیہا السلام کی کرامات دیکھنے کے بعد تو پھر بھی ان کی سوجھ بوجھ اسلاف سے زیادہ

ماننی پڑے گی اور مفسّرین کرام کی تصریحات سے بھی یہی حقیقت آشکارا ہے کہ وُہ لوگ ان حضرات کی شکل پر بنی ہوئی مورتیوں کی پُوجا کرتے تھے۔

فائدۂ عظیمہ

قرآنِ مجید نے حضرت موسٰی علیہ السّلام کی زبانی ان کو جاہل قوم کہا ہے اور ان کا یہ عمل اس پر شاہدِ صادق اور دلیلِ ناطق ہے مگر معلوم نہیں علاّمہ سرفراز صاحب کو وُہ اتنے عقلمند کیسے معلوم ہو رہے ہیں کہ وُہ فرماتے ہیں:

دُنیا کا کوئی عقلمند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھّر کی عبادت کی ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا پیغمبروں بزرگوں، جنّوں اور دیگر باعزّت اور ذی مرتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہُوا۔

(گلدستۂ توحید ص۴۴)

اور علاّمہ صاحب ہی فرما دیں کہ آخر یہ گائے کی مورتی کس پیغمبر اور بزرگ کی عکاسی کر رہی تھی اور کن کے لیے توجّہ کا مرکز اور قبلہ بنی ہوئی تھی اور سونے سے سامری کا تیار کردہ بچھڑا کس نسبت سے بنی اسرائیل کا معبود بن گیا اور لائقِ پرستش ہوگیا اور اس کا کونسا کمال اور امتیازی معجز فعل انہوں نے دیکھا تھا۔ اس کا موجد اور اس میں حیات پیدا ہونے کا سبب تو سامری تھا اس کی پُوجا کیوں نہ کی یا حضرت موسٰی علیہ السّلام کے معجزات دیکھے ان کی پُوجا کیوں نہ شروع کی۔ لہٰذا یہ دعوٰی سراسر لغو اور باطل ہوگیا کہ دُنیا کا کوئی ہوشمند انسان بغیر ایسی نسبت کے پُوجا پاٹ پر

آمادہ نہیں ہو سکتا۔

نیز علامہ سرفراز صاحب یہ بھی فرما دیں کہ قوم بنی اسرائیل نے اس معبود پر تو الٰھکم والٰہ موسیٰ کا اطلاق کیا ہے پنج پیروں میں سے کسی کا نام استعمال نہیں کیا اور الٰہ موسیٰ کی شان تو وہ عملی طور پر بھی دیکھ چکے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زبانی بھی سُن چکے تھے تو کیا واقعی یہ بچھڑا الٰہ موسیٰ بن گیا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو معلوم ہُوا محض انبیاء و اولیاء کے نام اطلاق کر دینے سے اُن کی حقیقتیں موجود و متحقق نہیں ہوسکتیں جس طرح کہ یہاں الٰہ موسیٰ کی حقیقت متحقق نہیں ہُوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

(سُورہ نجم آیت ۲۳)

یہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء نے ان اشیاء کو دے رکھے ہیں۔ مزید تفصیل اس امر کی اگلے باب میں ذکر کی جائے گی۔

ارباب مِن دون اللہ کی حقیقت

اب آئیے مولویوں اور پیروں کے رَب بناتے جانے کی طرف کہ اس کا مطلب و مفہوم کیا ہے! علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے اپنے حاشیۂ قرآن میں فرمایا:

ان کے علماء اور مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بتلا دیتے تھے خواہ

حلال کو حرام یا حرام کو حلال ٹھہرا دیتے اس کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے ہاں ہمارا چھٹکارا ہو گیا کتبِ سماویہ سے کچھ سروکار نہیں رکھا تھا۔ محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہ ہی فائدہ دیکھا اور حکمِ شریعت کو بدل ڈالا جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے پس جو منصب خدا کا تھا یعنی حلال و حرام کی تشریع وہ علماء و مشائخ کو دے دیا گیا تھا اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرا لیا تھا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے۔ جب معلوم ہوا کہ خود اپنی طرف سے کہا ہے یا طمع وغیرہ سے کہا ہے پھر سند نہیں ہے۔ (ص ۳۳۲)

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(سورہ توبہ آیت ۳۴)

اے ایمان والو بیشک بہت سے علماء اور درویش البتہ کھاتے ہیں لوگوں کے مال باطل طریقہ سے اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے

اور یہ بھی ثابت کہ وہ احکامِ الٰہیہ میں اپنے طور پر تبدیلی کر دیتے تھے، جس طرح امرار کے حق میں زنا کی سزا کو سنگساری کی بجائے منہ کالا کرنے اور چھڑیوں کے ساتھ مارنے سے بدل دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو بخاری صفحہ ۱۰۱۱ ج-۲، اور لوگ ان کو رقوم دے کر ایسی تبدیلیاں کرواتے اور سمجھتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بری ہو چکے۔ اور آج بھی عیسائیوں میں گناہ بخشنے والے پوپ پال موجود ہیں جو اپنے طور پر ان کے گناہ بخشتے ہیں اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ واقعی ہم گناہوں کے اس بوجھ سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

الغرض کوئی شخص بھی غیر اللہ کو عالم اور مولوی ہو یا صوفی اور درویش اور عابد وزاہد خدائی منصب دیدے اور اس کی ذات کو اللہ تعالیٰ اور کتبِ سماویہ اور اللہ تعالیٰ کے نائبین یعنی رسل وانبیاء کا محتاج نہ سمجھے تو بیشک مشرک ہے اور وہ لوگ بھی مشرک وکافر جو اپنے آپ کو اس منصب کا مالک سمجھیں۔

لیکن کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ حلال وحرام بیان کرنے والے کا قول حجت وسند ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورہ انبیاء آیت ۷)

پس دریافت کرو اہلِ علم سے اگر تم نہیں جانتے۔

نیز قوم میں سے چند افراد پر علم حاصل کرنا لازم ٹھہرایا تاکہ وہ تحصیلِ علم کے بعد اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ کما قال تعالیٰ:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○

(سورہ توبہ آیت ۱۲۲)

نیز اس اُمّت کی امتیازی شان ہی یہی ہے:

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

کہ نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ ان اربابِ امر و نہی کو بھی واجب الاطاعت قرار دیا گیا۔ قال تعالیٰ:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج

(سورہ نسآء آیت ۵۹)

الیٰ غیر ذٰلک من الاٰیٰت والاحادیث اور غیر مقلدین کا اس کو شرک فی النبوّہ قرار دینا سراسر غلط ہے اور علّامہ سرفراز صاحب بھی یقیناً اس معاملہ کو ارباب من دون اللہ بنا لینے کے مترادف نہیں سمجھتے اور بالخصوص سیّد الانبیاء امامِ رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتّباع و اطاعت تو یقیناً اس زمرہ میں نہیں آسکتی کیونکہ آپ کی اطاعت کا حکم اللہ تعالےٰ نے دیا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (سورہ نساء آیت ۸۰)

اور محبوبِ کریم کی اتّباع کے بغیر کسی کا محب اللہ ہونا بھی اس کے ہاں قبول نہیں اور اتّباع کرنے کی صورت میں اس کا صرف غلام اللہ ہونا

ہی قبول نہیں بلکہ غلام رسول بننے کے بعد اس کو حبیب اللہ کا منصب عطا فرماتا ہے۔ کما قال :

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورہ آلِ عمران ۳)

لہٰذا یہود و نصاریٰ کے ان محرفین اور حرام خور علماء اور پیروں پر اور ان کے تحلیل و تحریم کا بذاتِ خود منصب دار ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں پہ غریب اہلِ سُنّت کا اور ان کے صحیح معنوں میں وارثینِ انبیاء یعنی علماء مشائخ کا قیاس سراسر غلط ہے اور تحکم اور سینہ زوری ہے اور اگر بالفرض اس راہ و روش اور نظریہ و عقیدہ کے علماء و مشائخ موجود ہوں اور ایسے عوام جو ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل یہ مرتبہ دیتے ہوں تو ہم علامہ صاحب کے ساتھ سَو فی صد متفق ہوں گے مگر خدا واسطے کی چڑ ہو تو یہ سوائے محرومی اور بدبختی اور شقاوت کے اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو مقبولانِ بارگاہ کے ساتھ حسد و بغض سے بچائے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال کے مترادف ہے کما ورد فی الحدیث القدسی :

من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب (بخاری شریف ص ۹۶۳ ج ۲)

من عادی للہ ولیا فقد بارز اللہ بالمحاربۃ (باب مشکوٰۃ باب ذکر اللہ)

گلدستۂ توحید

قیامت کے دن اللہ یہود سے سوال کرے گا، " تم کس کی عبادت

کرتے تھے وُہ کہیں گے عزیر کی جو اللّٰہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اللّٰہ تعالیٰ فرمائیگا تم جھُوٹ کہتے ہو، نہ خُدا کی بیوی ہے اور نہ اس نے کِسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اسی طرح نصاریٰ سے سوال کرے گا کہ تم کِس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے مسیح کی جو خُدا تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھُوٹ کہتے ہو خُدا تعالیٰ کی نہ بیوی ہے اور نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔

(مُسلم ص۱۰۲ ج ۱ - بُخاری ص۲۵۶ ج ۲)

یہُود و نصاریٰ کے دو دعوے تھے ایک یہ کہ ہم حضرت عزیر اور حضرت عیسٰی کی عبادت کرتے تھے اس دعوے کی اللّٰہ تعالیٰ نے کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس لیے کہ وُہ واقعی ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ دُوسرا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح اللّٰہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اس دعوے کی اللّٰہ تعالیٰ نے خود تردید فرمادی کہ تم جھُوٹے ہو۔ قیامت کے دن جب لوگ شفاعتِ کبریٰ کے سلسلے میں حضرت عیسٰی کے پاس جائیں گے تو آپ معذوری کا اظہار کرتے ہوُئے ارشاد فرمائیں گے،" انی عبدت من دُوْنِ اللّٰہ " اللّٰہ کے ورے میری عبادت کی گئی لہٰذا میں معذور ہوُں۔

(ترمذی ص۱۴۳ جلد۲)

گلشنِ توحید و رسالت

"علاّمہ سرفراز کا اللّٰہ تعالیٰ پر بہتان"

علاّمہ سرفراز صاحب نے اس عبارت میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی

کہ اللہ تعالیٰ نے بھی مان لیا کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح کی عبادت کی اور حضرت مسیح علیہ السّلام نے بھی تسلیم کر لیا ورنہ جس طرح اس نے اپنے بارے میں تردید کر دی تھی کہ میں بیوی بچوں سے پاک ہوں تو ان کے بارے میں بھی خود تردید فرما دیتا لیکن علاّمہ صاحب نے اس مقام پر غور و فکر سے کام نہیں لیا جس دعوے کا تعلّق اللہ تعالیٰ سے تھا اس کو اس کی تردید کرنی تھی کیونکہ کسی کا اللہ کا بیٹا ہونا اس کا فعل نہیں نہ اس کا اس میں دخل یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر افترار اور بہتان تھا کہ اس نے بیوی اور زوجہ اختیار کی اور اس سے اولاد پیدا کی لہٰذا اس افترار اور بہتان کا تعلّق چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ سے تھا اس لیے جواب بھی اس نے دینا تھا لیکن دُوسرا دعویٰ جس کا تعلّق دُوسرے حضرات سے تھا تو ان کو آمنے سامنے کیا ہی اس دن میں اس لیے تھا کہ آپس میں بحث و تمحیص اور سوال و جواب کر لیں اور ایک دُوسرے کا صدق و کذب واضح کریں، کیا علاّمہ صاحب کو پُورے قرآن میں ملائکہ اور انبیاء علیہم السّلام بلکہ اوثان و اصنام کا جواب کہیں نظر نہیں آیا، مقامِ افسوس ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ پر بیوی بچوں والا ہونے کا الزام عائد کیا اور علاّمہ صاحب نے اس پر حضرت عزیر اور حضرت عیسٰی علیہما السّلام کو یہود و نصاریٰ کا معبود مان لینے کا الزام عائد کر دیا اور اگر صورتِ حال واقعی یہی ہے تو گویا حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر علیہما السّلام اپنے معبود ہونے کا انکار کر کے صرف یہود و نصاریٰ کو ہی نہیں جھٹلائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی جھٹلائیں گے،

اور اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کا معاون اور مددگار اور طرفدار نہیں ہوگا بلکہ اس معاملہ میں یہود و نصاریٰ کا طرفدار ہوگا، العیاذ باللہ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ بھی علامہ صاحب کے نزدیک سراسر غلط اور بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۙ (سورۃ المؤمن آیت ۵۱)

بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں اور جب گواہ قائم ہوں گے (قیامت کے دن)۔

آیئے قرآنِ مجید سے پوچھیں کہ جس دعوے کا تعلق حضرت عزیر اور حضرت عیسٰی علیہما السلام وغیرھما سے ہے اس کا جواب ان کی طرف سے کیا دیا جائے گا۔ قال تعالیٰ:

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ فَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ ۝ (سورہ یونس آیت ۲۸، ۲۹)

جس دن جمع کریں گے ہم سب کو پھر کہیں گے مشرکین سے اپنی جگہ ٹھہرے رہو تم اور تمہارے (مفروضہ) شرکاء، پھر ان میں جدائی پیدا کریں گے اور کہیں گے ان کے (مزعوم) شرکاء، تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے

پس کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان۔ ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہیں۔

علّامہ عثمانی صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں، شرکاء کم یعنی جن کو تم نے اپنے خیال میں خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا تھا یا جن کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے تھے مثلاً مسیح علیہ السّلام جو نصاریٰ کے نزدیک "ابن اللہ" بلکہ عین اللہ تھے یا ملائکۃ اللہ یا احبار و رہبان کہ انہیں بھی ایک حیثیت سے خدائی کا منصب دے رکھا تھا یا اوثان و اصنام جن پر مشرکینِ مکّہ نے خدائی کے اختیارات تقسیم کر رکھے تھے۔ سب کو حسبِ مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑا ہونے کا حکم ہوگا۔ (حاشیہ نمبر ۴۶)

یعنی اس وقت عجیب افراتفری پڑ جائے گی۔ عابدین و معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اوہام اور خیالات کے موافق جو رشتے جوڑ رکھے تھے وہ سب توڑ دیئے جائیں گے۔ اس ہولناک وقت میں جبکہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقّعات تھیں وہ صاف جواب دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلّق؟ تم جھوٹ بکتے ہو کہ تم ہماری بندگی کرتے تھے تم اپنے عقیدہ کے مطابق جس چیز کو پوجتے تھے، اس کے لیے خدائی صفات تجویز کرتے تھے جو فی الواقع ان میں موجود نہیں تھیں، تو حقیقت میں وہ عبادت اور بندگی واقعی مسیح یا ملائکہ کی نہ ہوئی اور نہ حقیقت میں بیجان مورتیوں کی پوجا تھی۔ محض اپنے خیال اور وہم یا شیطان لعین کی پرستش کو فرشتے یا نبی یا نیک انسان یا کسی تصویر وغیرہ کو نامزد کر دیتے

تھے۔ خدا گواہ ہے کہ ہماری رضا سے یا اذن سے تم نے یہ حرکت نہیں کی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ انتہائی حماقت اور سفاہت سے خدا کے مقابلے میں ہمیں معبود بنا ڈالو گے۔

(حاشیہ عثمانی ۲۷)

تنبیہ : یہ گفتگو اگر حضرت مسیح وغیرہ ذوی العقول مخلوق کی طرف سے مانی جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں اور اصنام کی طرف سے ہو تو کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ مشرکین کی انتہائی مایوسی اور حسرتناک درماندگی کے اظہار کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ سے پتھر کی مورتیوں کو گویا کر دے۔

قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ

(سورہ حم السجدہ آیت ۲۱)

اقول جب حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السّلام اور ملائکہ کی طرف سے یہ جواب بلا اشکال ہے تو اس کا مُراد ہونا تو قطعی اور حتمی ٹھہرا، اصنام و اوثان کی طرف سے ہو یا نہ ہو فی الحال ہمارا اس میں کلام نہیں ہے۔

عجیبہ : علامہ سرفراز صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح کی عبادت کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ ادھر انبیاء علیہم السّلام اور ملائکہ وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کو اس پر گواہ بنائیں گے کہ انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے اس شہادت اور گواہی پر بھی انکار نہیں فرمایا تو گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی سچے ہوں گے اور واقعی ان کی عبادت نہیں ہوئی تھی، تو یہ عجیب عدالت ہوگی اور عجیب منصف و حاکم کہ جس کے نزدیک مدعی اور مدعا علیہ

دونو ہی باہم تخالف کے باوجود سچے ہوں گے اور وُہ دعوٰی اور جواب دعوٰی دونو کا تصدیق کرنے والا ہو گا ۔ علاّمہ صاحب یہُود و نصارٰی نے تو شیطان لعین کے اغوا اور وسوسہ سے موہوم و مفروض معبود تراشے اور اختراع کیے اور اپنی جانوں پر ظلم کیا لیکن تم بلا وجہ ان کے طرفدار بن کر اور اللّٰہ تعالیٰ اور ان معصُومین پہ بُہتان باندھ کر کیوں اپنی جان پر ظلم کرتے ہو ۔ کسی کی مورتی بنا کر اور اس پہ اس کا نام اطلاق کر کے پُوجنا قطعاً اس ذات کی عبادت نہیں ہو سکتی ورنہ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى (سورہ طٰہٰ ۸۸) کہہ کر بچھڑے کی عبادت کرنے والے تو خالص و مخلص موحد ہونے چاہئیں تھے اور ان کی وُہ عبادت صرف اور صرف اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت قرار پانی چاہیے تھی ۔ آخر وُہ آپ کے نزدیک بڑے صاحب عقل و خرد اور مالکِ ہوش و حواس تھے انہوں نے بچھڑے کی بحیثیت بچھڑا ہونے کے پوجا کیونکر کرنی تھی جس کو ان کی آنکھوں کے سامنے سامری نے تیار کیا تھا لامحالہ انہوں نے اس میں اللّٰہ تعالیٰ کا حلول تسلیم کیا ہو گا یا پھر اس کو توجّہ الی اللّٰہ کا ذریعہ بنایا ہو گا اور اس طرح صرف اللّٰہ کی عبادت ہی کی ہو گی

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے اقرار و اعتراف کی حقیقت

کیا واقعی حضرت عیسٰی علیہ السّلام اعتراف کریں گے کہ میری اللّٰہ تعالیٰ کے ورے سے عبادت کی گئی ۔ قرآن گواہی دے رہا ہے کہ وُہ کہیں گے :

مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (سُورہ یونس آیت ۲۸)

کہ اے مشرکو تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنائیں گے اور طالبینِ شفاعت کے سامنے کہیں کہ میری پرستش کی گئی تو گویا ایک ہی دن اور ایک ہی میدان اور مقام میں دوہرا مظاہرہ کیا انکار بھی اور اقرار بھی۔ مسلمانوں کے سامنے اقرار صحیح ہے تو کفّار و مشرکین کے مقابل انکار غلط اور کفّار کے مقابل انکار صحیح ہے تو اہلِ ایمان کے سامنے اقرار غلط ہے۔ اور شاید یہود و نصاریٰ کو اس اقرار کا پتہ نہیں چل سکے گا ورنہ اس کیس میں نگرانی بھی ان کے خلاف کر سکتے تھے اور مسلمانوں اور مومنین کو گواہ بھی بنا سکتے تھے۔ کاش علّامہ صاحب کو یہود و نصاریٰ تک یہ نکتہ پہنچانے کا موقعہ مل جاتا تو بھاری فیس وصول ہو سکتی تھی کہ ذرا ٹھہرو وُہ ابھی اہلِ ایمان کے سامنے خود اپنے معبود ہونے کا اعتراف کرنے والے ہیں لہٰذا تم ان کے خلاف استغاثہ کر دینا۔ ع

رمز شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

حقیقتِ حال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کو معلوم ہے اور معلوم ہو گا کہ شفاعتِ عظمیٰ کا مقام صرف اور صرف پیغمبرِ آخر الزّمان صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے۔ ہمارا یہ منصب اور مقام نہیں لیکن سوالی بن کر آنے والوں کو صاف صاف جواب دینا بھی ان کی شانِ کریمی کے خلاف ہو گا اس لیے درجہ بدرجہ انہیں درِ محبوب تک پہنچانے کے لیے التمسوا غیری بھی کہتے رہیں گے اور اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی اقناعی عذر اور بظاہر مسکت بہانہ بھی ذکر کر دیں گے مثلاً آدم علیہ السّلام فرمائیں گے میں معذور ہوں میں نے دانہ کھا لیا تھا

تو کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کو معاف کر چکا اور وُہ کریم بخشنے کے بعد پھر کیسے مواخذہ وعتاب فرماتے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کہیں گے مجُھ سے تین کذب سرزد ہو گئے کیا واقعی وُہ جھُوٹ تھے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تھے اور نہ ان پر مؤاخذہ ہو سکتا تھا کیونکہ آپکا مقصد اور مُراد بالکل درست تھی۔ موسیٰ علیہ السّلام قتل کر بیٹھنے کا عذر کریں گے حالانکہ وُہ ارادۃً نہیں تھا اور اس کے بعد آپ کو نبوّت و رسالت کا منصب بھی ملا، شرفِ ہمکلامی بھی نصیب ہوا اور عظیم معجزات وانعامات بھی تو پھر ان کو کیونکر اپنے مؤاخذے سے اور عقاب وعتاب کا اندیشہ ہو سکتا تھا؟ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السّلام بھی صرف اس بنا پر کہ کچھ لوگ یہ زعم اور گمان تو رکھتے ہیں کہ ہم نے حضرت مسیح کی عبادت کی ہے اگرچہ خلافِ حقیقت ہے لہٰذا اس امر کو بطور عذر ذکر فرما دیں گے نہ کہ اپنے عقیدہ و نظریہ اور صورتِ حال واقعیہ کو بیان کرتے ہوئے اس طرح فرمادیں گے۔

گلدستۂ توحید

۲- اللہ تعالیٰ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حکم دیتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو چیلنج کریں کہ اگر صداقت ہے تو آؤ ایک متفقہ اصُول پر بات کریں:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ

بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ (سُورہ آلِ عمران آیت ۶۴)

اے اہلِ کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر (مسلّم) ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللّٰہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اسکا کسی کو اور ہم میں سے کوئی کسی دُوسرے کو رَب نہ قرار دے اللّٰہ کے نیچے۔ پھر اگر وُہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

اگر شرک صرف اصنام اور بُتوں کی عبادت ہی کی وجہ سے ہوتا تو پھر بعضاً بعضاً ارباباً من دون اللّٰہ کی بجائے اصناما من دون اللّٰہ ہونا چاہیے تھا، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک فریق میں خود جناب رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور دُوسرے گروہ میں یہُود و نصارٰی ہیں جن میں سے ایک بھی بُت نہیں تھا۔ (ملخصاً ص۴۵)

گُلشنِ توحید و رسالت

دراصل نزاع و اختلاف مقبولانِ بارگاہ سے صفاتِ کمال کی نفی میں ہے

قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ شرک کی حقیقت کیا ہے اور ارباب من دون اللّٰہ ماننے کی صورت کیا ہے اور فی الواقع اگر کوئی غیر اللّٰہ کو اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی حقیقت میں یا وجوب الوجود میں یا صفاتِ خاصہ میں یا تحلیل و تحریم میں مستقل اعتقاد کرے تو وُہ مشرک ہوگا لیکن ہر ایسی شخصیت جس کو کوئی اپنے زعمِ فاسد اور نظریّہ باطلہ کے تحت معبود اور اپنا رب قرار دیتا ہے تو اس کو مجبورِ محض اور بے بس و بیچارہ تسلیم کرنا حتّٰی کہ یوں کہہ دینا کہ

مکھی کوئی شئے ان کی سے اڑے تو وہ اس سے بھی واپس لینے پر قادر نہیں ہیں
اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ط

(سورۃ الحج آیت ۷۳)

اور ذرہ ناچیز کے بھی مالک نہیں خواہ بعطائے الٰہی کیوں نہ تسلیم کیا جائے
لا یملکون مثقال ذرۃٍ فِی السَّمٰوٰت ولا فی الارض

اور سراسر مُردے ہیں ان میں حیات و زیست نام کی کوئی شے نہیں۔
اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (وغیر ذٰلک) (سورۃ النحل آیت ۲۱)

اور پھر ایسے دعاوی کا مصداق حضرت مسیح اور حضرت عزیر اور دیگر مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کو بنا دینا، اختلاف اس میں ہے محض مشرک کا لفظ کہاں کہاں بولا جاتا ہے اور رَب یا معبود اور شریک کا لفظ کس کس پر بولا جاتا ہے اور کون بولتا ہے اس میں نہ بحث ہے اور نہ اس کو اس قدر طوالت دینے کی ضرورت تھی۔

پیش کردہ آیت کا حقیقی مفہوم

آیتِ مذکورہ بالا کا پس منظر اور اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو فرمایا "اسلموا" تم اِسلام لے آؤ۔ انہوں نے کہا "اسلمنا" ہم پہلے سے ہی اسلام پر ہیں۔ اسی طرح جب یہود و نصارٰی پر توحید پیش کی جاتی تو وہ کہتے ہم بھی خداوند تعالیٰ کو ایک

کہتے ہیں بلکہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اُوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ بڑا خُدا ایک ہی ہے۔ یہاں اس طرف توجّہ دلائی گئی ہے کہ بُنیادی عقیدہ جس پر ہم دونو متّفق ہیں یعنی خُدا تعالیٰ کا ایک ہونا اور اپنے آپ کو مُسلمان سمجھنا ایسی چیز ہے جو ہم سب کو متحد و متّفق کر سکتی ہے بشرطیکہ آگے چل کر اپنے تصرّف اور تحریف سے اس کی حقیقت بدل نہ ڈالیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح زبان سے اپنے آپ کو موحد اور مسلم کہتے ہو حقیقت میں بھی اور عملی طور پر بھی اپنے آپ کو تنہا خُدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سپُرد کر دو۔ نہ اس کے سوا کسی کی بندگی کرو اور نہ اس کی صفاتِ خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہراؤ اور نہ کسی عالم اور پیر و فقیر اور پیغمبر کے ساتھ وُہ معاملہ کرو جو صرف رَبِّ قدیر کے ساتھ کیا جانا چاہیے مثلاً کسی کو اس کا بیٹا بنانا یا نصوصِ شرعیہ سے قطع نظر کر کے محض کسی کے حلال و حرام کر دینے پر اشیا کی حلت اور حرمت کا مدار رکھنا جیسا کہ:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(سُورہ توبہ آیت ۳۱)

کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے یہ سب اُمور دعوائے اسلام اور دعوائے توحید کے منافی ہیں۔ (حاشیہ علامہ عثمانی ص۹۹)

صحابہ کرام کی طرف سے احترام بارگاہِ نبوّت

الغرض ان کلماتِ طیّبات میں اہلِ کتاب کو عقیدہ و نظریہ اور عمل و کردار

اور قول و قرار میں یکسانیت پیدا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اپنے زبانی کلامی دعویٰ کو عقیدہ و عمل کے ذریعے کاذب اور جھوٹا قرار دینے سے روکا گیا ہے لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رسولِ کریم علیہ السلام اور دیگر معظمین کی تعظیم و تکریم شرک ہے اور رب بنانے کے مترادف کیونکہ اس کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے "و تعزروہ و توقروہ"۔ حتّٰی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور بلند آواز سے بات کرنے اور عامیانہ انداز میں پکارنے کو ارتداد کی مانند تمام اعمالِ خیر کی بربادی کا موجب قرار دیا گیا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور یوں دم بخود ہو کر بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں کہ ذرا جنبش ہوئی تو اُڑ جائیں گے اور بات کرتے تو اتنی آہستہ کہ گویا رازداری کے انداز میں بات کر رہے ہیں اور آپ تھوکنے لگتے تو ہاتھوں پر لیتے اور موہنوں پر مل لیتے۔ وضو کا پانی بطور تبرک لینے کے لیے یوں ٹوٹ پڑتے کہ گمان گزرتا کادوا یقتتلون (بخاری شریف) کہ ابھی لڑ پڑیں گے۔ آپ کے لیے مصلّٰی خالی کر دیتے اور نمازِ تہجد میں تھک جانے کے باوجود صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احترام میں قیام پذیر رہتے۔

(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ بخاری شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ مبارک اور قدمِ مقدس چومتے بلکہ آپ کے جسمِ اطہر سے نکلا ہوا خون پی جاتے اور پیشاب بھی پی جاتے اور ان فضلات کو پاک اور حلال سمجھتے وغیرِ ذٰلک۔ تو کیا کوئی مسلمان یہ جرأت

کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام پر نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رب بنا لینے کا الزام عائد کرے۔

نیز آپ نے قرآنِ مجید کے علاوہ بہت سی چیزوں کا حکم دیا یا ان کو حرام اور ممنوع ٹھہرایا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

الا انی اُوتیتُ القرآن ومثلہ معہ۔ (مشکوٰۃ شریف)

غور سے سنو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مانند اس کے ساتھ۔ تو کیا ان اشیاء کی تحلیل و تحریم کو من دون اللہ کی تحلیل و تحریم قرار دے دیا جائیگا اور اس نظریہ والوں پر اہلِ کتاب کی طرح شرک کا فتویٰ لگا دیا جائیگا؟ العیاذ باللہ۔

نیز اگر نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وصال شریف کے بعد قبرِ انور کی حاضری کو بھی بُت پرستی قرار دے دیا جائے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو حکم دیا "من زار قبری وجبت لہٗ شفاعتی" جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم طور پر متحقق ہو گی۔

قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم من زار قبری بالمدینۃ محتسبا کنت لہٗ شفیعا وشہیدا یوم القیامۃ

جس نے مدینہ منورہ میں میری قبر کی زیارت کی محض حصولِ ثواب اور رضاءِ الٰہی کے لیے تو میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا اور اس کے حق میں گواہ بھی۔

قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم من حج فزار قبری بعد

موتی کان کمن زارنی فی حیاتی ۔ (الوفا لابن الجوزی منث)

جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی

(رواہ ابن عدی بسند حسن۔ طحطاوی ص۴۴۷)

جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر جور و ستم کیا۔

وغیر ذلک۔

تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنی مزارِ اقدس کی پوجا اور پرستش کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا یہ امر ضروری ہے کہ حدودِ شرع میں رہ کر کی جانے والی تعظیم و تکریم اور اللہ تعالے کے ساتھ رسالت و نبوت یا ولایت و محبوبیت والے تعلق کے پیشِ نظر کیے جانے والے ادب و احترام کو اربابِ من دون اللہ بنا لینے کے مترادف قرار نہ دیا جاتے اور خواہ مخواہ اہلِ ایمان اور رسولِ گرامی علیہ السلام کے مخلص غلاموں کو ابوجہل اور ابولہب بنانے کی مذموم سعی نہ کی جائے بلکہ احکام کی درجہ بندی کو نظر انداز کرکے ہر فعل و عمل کو شرک اور کرنے والے کو مشرک قرار دیتے چلے جانا ظلمِ عظیم اور مکمل نا انصافی ہے جو علماء تو درکنار عام مسلمان کو بھی زیبا نہیں ہے علی الخصوص جبکہ غیر کافر کو کافر قرار دینے والے اور غیر مشرک کو مشرک قرار دینے والے خود کفر اور شرک کی زد میں آجاتے ہیں اور اس بے جا فتوے کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

گلدستۂ توحید

(الف) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے آپ کی ابھی وفات نہیں ہوئی اتنے میں حضرت ابوبکر تشریف لائے اور فرمانے لگے اے عمر سوچ تو لو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نبی آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ مخالف بھی مرنے والے ہیں۔ نیز فرماتا ہے ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دوامی زندگی نہیں بخشی۔ اگر آپ فوت ہو جائیں تو آپ کے مخالف بھی دنیا چھوڑ ہی دیں گے۔ پھر منبر پر کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے الٰہ تھے تو بے شک تمہارا الٰہ فوت ہو گیا ہے اور اگر تمہارا الٰہ وہ ہے جو آسمانوں میں ہے تو بیشک وہ الٰہ ہمیشہ رہے گا، کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط

(سورہ آلِ عمران آیت ۱۴۴)

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہی تھے ان سے پہلے بھی رسل دنیا سے جا چکے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ مرنا اور ہمیشہ زندہ رہنا صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ اس صفت میں اگر کوئی شخص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا شریک بنائے تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا۔ حضرت ابوبکر کی

نظرِ بصیرت اور دُور رس نگاہ اس کو تاڑ گئی کہ لوگوں کے اس طرح کہنے سے توحید پر ضرب کاری لگتی ہے اور خاصۂ خداوندی میں، آپ کو شریک کرنا لازم آتا ہے۔ بالفاظِ دیگر آپ کو اللہ بنانا پڑتا ہے۔ اس لیے بروقت انہوں نے اس عقیدہ کا قلع قمع کردیا اور اُمّت کو ایک بڑے فتنے سے بچالیا۔

(گلدستہ ص۴۶-۴۷)

گلشنِ توحید و رسالت

علّامہ سرفراز کی بارگاہِ فارُوقی میں گُستاخی

علّامہ سرفراز صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کو خواہ مخواہ فتنہ کا موجب قرار دے دیا اور ان کو بصیرت و فراست سے محروم قرار دے ڈالا حالانکہ بیعت الرضوان جس درخت کے نیچے ہوئی تھی اس کو کٹوانا آپ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فراست تھی۔ حالانکہ حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں اس کو نہیں کٹوایا تھا ــــــ علاوہ ازیں صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ آپ قیامت کے قیام کی صورت میں بھی فوت نہیں ہوں گے اور اس وقت تک زندہ رہنا اگر اللہ بنانے کے مترادف ہے تو علّامہ صاحب ملائکہ اور ابلیس کو قیامت تک زندہ مان کر اس جرم اور بدعقیدگی کے مرتکب ہوچکے ہیں لہٰذا انہیں اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیے اور اس شرکیہ عقیدہ سے خلاصی کی کوئی سبیل نکالنی چاہیے یعنی یا ابھی ان کی موت کا قول کریں

اور یا تسلیم کریں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس قدر طویل زندگانی سے شرک لازم نہیں آتا اور ان کی بھلائی اسی شق کے اختیار کرنے میں ہے پہلی شق اختیار کرنے پر مزید کفریات کا ارتکاب لازم آئے گا اور دارِ آخرت میں سب اہلِ جنّت اور اہلِ دوزخ کے لیے حیاتِ ابد نہ مانیں تو کفر اور مانیں تو شرک، نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

نیز اللہ تعالیٰ ہر نبی کو بیماری کے دوران مرنے اور نہ مرنے میں با اختیار ٹھہراتا ہے۔ کما قال النبی علیہ السّلام:

ما من نبی یمرض الا خیر بین الدنیا والآخرۃ

(متفق علیہ، مشکوٰۃ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

یہ تو نبی علیہ السّلام کی مہربانی کہ وفات اور دارِ آخرت کی طرف انتقال اختیار کر کے اُمّت کو اس عظیم فتنہ سے بچا لیتے رہے ورنہ بقول گکھڑوی صاحب اللہ تعالیٰ نے تو ان کو شرک کے عمیق گڑھے میں گرانے کا سامان کر ہی دیا اور ہر نبی کے وقتِ موت میں اس عمل کو دہرایا۔ کاش حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بھی آسمانوں پر نہ جاتے اور اتنی لمبی عمر قبول نہ کرتے کیونکہ علّامہ صاحب کے نظریہ کے مطابق انہوں نے اُمّت کو شرک والے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اپنے زعمِ فاسد کا اثبات ہی پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور دیگر مفاسد سے کلیۃً صرفِ نظر کر لیا گیا اور اتنی عظیم المرتبت ہستیوں پر ایسے بے بنیاد الزامات اور اتہامات عائد کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی گئی۔

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرما دیں :

انی لست اخشٰی علیکم ان تشرکوا بعدی
ولٰکن اخشٰی علیکم الدنیا ان تنافسوا فیہا۔

(متفق علیہ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

میں تم پر اپنے بعد مشرک ہو جانے کا خوف و خطر اور اندیشہ نہیں رکھتا لیکن مجھے یہ فکر دامنگیر ہے کہ تم دنیا کے مال و دولت اور زیبائش وآرائش میں رغبت کرنے لگو گے۔ لیکن علامہ صاحب کو تابعین اور تبع تابعین ہی نہیں خود صحابہ کرام علیہم الرضوان اس دلدل میں پھنسے نظر آرہے ہیں اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کو آپ نے دین کی سربلندی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا اور عرض کیا :

اَللّٰھُمَّ اعز الاسلام بعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

(مشکوٰۃ باب الفضائل)

ارشادِ فاروقی کا صحیح محمل

بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح کی مدہوشی طاری ہوئی ہے اور حالت جذب وسکر جس طرح کہ حضرت موسٰی علیہ السلام پر تجلی الٰہی کے موقعہ پر سرطُور طاری ہوئی تھی اور ابھی منافقین وغیرہ کا صفایا نہیں ہوا تھا لہٰذا اُمیدوار تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے خاتمہ تک کم از کم ضرور برقرار

رکھے گا اور منافقین چونکہ اہلِ اسلام کو پریشان کرنے کے لیے مختلف باتیں بناتے رہتے تھے تو یہ بھی خیال فرمایا کہ وہ اس افواہ کے ذریعے اہلِ اسلام کو بددل اور پراگندہ خاطر کریں گے اور تازہ تازہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کے لیے برگشتہ ہوجانے کا اندیشہ بھی موجود تھا جیسے کہ اُحد کی جنگ میں آپ کی شہادت کی جھوٹی افواہ پر اکثر صحابہ کرام میں بددلی اور ضعف و ناتوانی کی لہر دوڑ گئی اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا:

لوکان نبیاً ما قتل کما اخرجہ - (ابن جریر و ابن ابی حاتم)

اگر یہ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔

اور بعض نے یہ منادی کر دی کہ:

قد قتل محمد فالحقوا بدینکم الاوّل۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو چکے لہٰذا اپنے پہلے دین کی طرف مائل ہو جاؤ۔ وغیر ذلک من الاقوال تفسیر درمنثور جلد ثانی ص۸۱۔

تو اس وقت بھی خبرِ وفات پر اسی قسم کی صورتِ حال بلکہ اس سے بھی بڑھ کر منافقین کی طرف سے وسوسہ اندازی کا اندیشہ تھا اور خبرِ وفات کا وثوق بھی نہیں تھا لہٰذا آپ نے سخت رویّہ اپنایا اور اس خبر کو سختی سے دبایا لیکن حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے تحقیق فرمالی اور اس تحقیق میں ان کے لیے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی کیونکہ ان کی اپنی صاحبزادی محترمہ کے گھر میں ہی یہ واقعہ ہائلہ اور حادثہ فاجعہ واقع ہوا تھا اور اس کے بعد لوگوں کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنا بھی ضروری سمجھا اور دینِ اسلام

پر ثابت قدم رکھنے کے لیے اور منافقین کی چال اور مکر کو بے اثر کرنے کے لیے اور یہ بتلانے کے لیے کہ سُنّتِ الٰہیہ پہلے سے یہی ہے کہ کوئی رسُول ہمیشہ اپنی اُمّت میں نہیں رہا اور اللّٰہ تعالیٰ نے آپ کے لیے وفات و وصال اور موت و انتقال کے جواز و امکان کو پہلے ہی جنگِ اُحد کے موقعہ پر یہ آیاتِ کریمہ نازل فرما کر واضح کر دیا تھا تو آپ نے بتلا دیا کہ اس جواز و امکان نے اب فعلیت اور وقوع و تحقّق کی صُورت اختیار کر لی ہے لٰہذا اپنے دین اور مذہب، ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہو۔ اس میں کسی قسم کی لغزش اور کمزوری کو راہ نہ دو کیونکہ نبیِ مکرّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم تمہیں اللّٰہ تعالیٰ کی راہ دکھلانے، کتاب اللّٰہ کی تعلیم دینے اور دستورِ حیات اور منشورِ زیست دینے کے لیے تشریف لائے تھے اور وُہ دین مکمّل طور پر تمہارے پاس موجود ہے، لٰہذا اس کو مضبوطی سے سینے کے ساتھ لگاؤ۔

وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ

(سُورہ آلِ عمران آیت ۱۴۴)

اور اگر کوئی برگشتہ ہو بھی گیا تو وُہ اپنا ہی نقصان کریگا۔ اللّٰہ تعالیٰ کو اس سے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے!

وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیْنَ ۝ (آلِ عمران آیت ۱۴۴)

اور دین پر ثابت قدم رہنے والوں کو اللّٰہ تعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائیگا۔

علّامہ شبّیر احمد عثمانی نے فرمایا:

اس آیتِ کریمہ میں اشارہ نکلتا ہے کہ آنحضرت کی وفات پر بعضے لوگ

دین سے پھر جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ملے گا اسی طرح ہُوا کہ بہت لوگ آنحضرت کے وصال شریف کے بعد مرتد ہو گئے۔ حضرت صدّیقِ اکبر نے ان کو مُسلمان کیا اور بعض مارے گئے۔ (ص۱۱۸)

نیز جو لفظ اس وقت حضرت صدّیقِ اکبرؓ نے کہے تھے اسی قسم کے الفاظ حضرت انس بن نضر رضی اللّٰہ عنہ نے اس وقت کہے تھے جب شیطان نے آوازہ دیا کہ محمّد (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) قتل ہو گئے ہیں حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام نے ہتھیار پھینک دیئے اور کہا اب لڑنے اور جنگ کرنے کا کیا فائدہ تو انہوں نے دلیری اور جرأت دلاتے ہُوئے کہا:

یا قوم ان کان قتل محمّدٌ فان ربّ محمّدٍ لم یقتل وما تصنعون بالحیٰوۃ بعد رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقاتلوا علیٰ ما قاتل علیہ رسُول اللّٰہ وموتوا علیٰ ما مات علیہ رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم۔

(معالم ص۳۵۸ ج ۱ وکذا فی درمنثور ص۸۰ ج ۲)

اے میری قوم اگر محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم قتل ہو گئے ہیں تو ربِّ محمّد[1] تو قتل نہیں ہُوا۔ رسُولِ معظّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شہادت کے بعد زندہ رہنے کا کیا فائدہ؟ تم بھی جہاد کرو اسی دین کے لیے جس کے لیے آپ نے جہاد و قتال کیا اور تمہاری موت بھی اسی دین پر ہونی چاہیے جس پر نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے زندگی قربان کی۔

الغرض جس طرح حضرت انس بن نضر رضی اللّٰہ عنہ کا مقصد دینِ اسلام

[1] جل جلالہٗ وصلّی اللّٰہ تعالیٰ ...

پر ثابت قدمی کی ترغیب دینا تھا اور بزدلی اور بدحوصلگی سے بچانا پیشِ نظر تھا۔ اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مقصد تھا نہ وہ جو علامہ صاحب نے کشید کیا اور دور کی کوڑی لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان تراشا اور افتراء پردازی سے کام لیا۔

گلدستۂ توحید

(ب) ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا مَاشَآءَ اللّٰہُ وشئت جو خدا کو منظور ہو گا وہ کرے گا اور آپ کریں گے تو آپ نے فرمایا کیا تو نے مجھے خدا تعالیٰ کا شریک بنا لیا ہے بلکہ یوں کہو مَاشَآءَ اللّٰہُ وَحدَہٗ جو خدا تعالیٰ وحدہٗ لا شریک لہٗ کو منظور ہو گا وہی کرے گا۔

(ادب المفرد صـ ۱۱۱ـ مسند امام احمد وغیرہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مشیّت میں جناب محمد رسول اللہ[1] کو شریک کرے گا تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا چاہے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں گے بلکہ یوں کہا کرو جو خدا تعالیٰ اکیلا چاہے گا وہی ہو گا۔

(د) بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیم کے الفاظ بھی استعمال فرمائے یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا چاہے گا اور فلاں چاہے گا بلکہ یوں کہا کرو ـــــ جو خداوند تعالیٰ اکیلا چاہے گا۔

[1] صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص مشیّتِ خداوندی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو یا کسی دوسری ذات یا ہستی کو شریک ٹھہرائے گا تو وہ کافر اور مشرک ہو جائے گا۔ (صٓ۳۸)

گلشنِ توحید و رسالت

شرک کی موہم عبارت سے روکنا از قبیلِ تادیب و تربیت ہے نہ کہ حقیقی شرک قرار دینا ہے

علّامہ صاحب نے بلا وجہ اس بحث کو طوالت دی ہے اور جو حکم کشید کیا ہے وہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ کہنے والا صحابیِ رسول تھا اور وہ یقیناً مقامِ الوہیت اور مقامِ نبوّت کے فرق کو سمجھتا تھا لہٰذا وہ اس مشیّت میں جو صفتِ باری تعالیٰ ہے اور جس سے مقصود و مطلوب کا تخلف محال ہوتا ہے، اس میں کیونکر رسولِ معظّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو شریک کر سکتا تھا! البتہ ظاہری طور پر اندازِ کلام اور اسلوبِ بیان سے اس امر کا توہم ہوتا تھا اس لیے از راہِ تربیّت و تعلیم بتلایا کہ اس طرح کہنا مناسب نہیں ہے اور مزید اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کے لیے ظاہری اشتباہ کو سامنے رکھتے ہوئے بطورِ استفہام انکاری فرما دیا اجعلتنی لِلّٰہِ نِدًّا کیا تُو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا ہے اور یہ سراسر مجازی اطلاق ہے اور تشبیہ کے طور پر ہے جس طرح کہ کفار قریش نے ایک درخت اسلحہ کے لٹکانے کے لیے مقرّر کیا ہوا تھا جس کو ذاتِ انواط کہتے تھے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی عرض کر دیا یا رسول اللہ[1]! ہمارے لیے بھی ذاتِ انواط مقرّر کر دیجیے جیسے کہ ان کے لیے ہے، تو

[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

ھٰذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم آلھۃ

یہ تو ایسے ہے جیسے موسیٰ علیہ السّلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبُود تجویز کردو جیسے کہ ان بُت پرستوں کا ہے۔

علاّمہ شبّیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کیا کوئی مُسلمان اس تشبیہ کو سُن کر یہ گمان کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے معاذ اللہ بُت پرستی کی درخواست کی تھی۔ اس طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماعِ اُمّت کے مخالف عقائد پر تمسک کرنا صرف اس جماعت کا حصّہ ہوسکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہُوا:

اَلّذِیْنَ فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔ (حاشیہ ص۲۲۴)

لہٰذا سرفراز صاحب کو اہلِ زیغ کی اتّباع نہیں کرنی چاہیے اور علاّمہ عثمانی کی نصیحت و وصیّت پر ضرور عمل کرنا چاہیے اور فتنہ پردازی، اور رخنہ اندازی سے گریز کرنا چاہیے۔

کیا مقارنتِ ذکری موجبِ شرک ہے؟

نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف مشیّت میں واؤ کیساتھ عطف ہو تو آپ کا شریک ہونا لازم آئے گا دیگر صفات اور افعال میں اس طرح کے عطف سے فساد اور خرابی لازم نہیں آئے گی؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بطور تواتر یہ معمُول ثابت ہے کہ وُہ ہر مخفی اور غیر ظاہر معاملہ کے استفسار پر

عرض کرتے تھے۔

(۱) اللہ و رسولہ اعلم تو کیا صفت علم میں نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں؟ اور یہ شرک قابلِ قبول ہے؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۲) وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهٗ (سورہ توبہ آیت ۱۰۵)

تو کیا اعمالِ عباد کو دیکھنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شرکت اور برابری کا عقیدہ رکھنا صحیح ہے۔

(۳) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ (سورہ توبہ آیت ۵۹)

کاش کہ وہ راضی ہو جاتے اس پر جو دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے عنقریب ہمیں اللہ دیگا اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔ تو کیا داد و دہش میں اور عطاء بخشش میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی برابری کا عقیدہ درست ہے؟ اور یہ شرک قابلِ عفو ہے؟

(۴) وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ

(سورہ توبہ آیت ۷۴)

اور یہ سب کچھ بدلہ تھا اس کا کہ غنی کر دیا ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔ کیا فعل اغنا یعنی غنی کرنے میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام برابر کے حصّہ دار ہیں؟

(۵) وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ (سورہ احزاب ۳۷)

جب کہ تم کہتے تھے اسے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور تم نے انعام کیا روک اپنے اوپر اپنی بیوی کو تو کیا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعام ایک جیسا تھا اور اس میں مساوات تسلیم کرنا صحیح اور درست ہے؟ کیا اس مقارنت سے شرک لازم نہیں آتا؟

(۶) نیز اسی مضمون کی حدیث میں یہ ادب اور طریقہ بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بتلایا گیا کہ اگر کسی غیر کی طرف بھی مشیت کی نسبت کرنی ہو تو یوں کہہ دیا کرو مَاشَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ مَاشَآءَ فُلَانٌ۔

(ابن ماجہ، ابو داؤد، نسائی بروایت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔ تفسیر عزیزی ص ۱۲۸/۱)

جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور پھر فلاں نے چاہا تو کیا یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت مشیت میں اشتراک ثابت نہیں کیا گیا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فرق تو خود قائل کے ذہن میں تھا ہی اس فرق کے اظہار کا اسلوب و انداز بتلایا گیا کہ واؤ کی بجائے ثم کا لفظ استعمال کرو جو تراخیِ رتبی اور فرقِ مراتب کو واضح کر دے گا گو فعلِ مشیت میں شرکت پائی بھی جائے۔

حدیثِ مبارک میں ایک فرشتے کا ابرص اور گنجے اور اندھے کے پاس آنے اور ان کو دعائے برکت دے کر اونٹنیاں، گائیں اور بھیڑ بکریوں کی بھری وادیاں حاصل ہو جانے کا تذکرہ ہے اور پھر بطورِ امتحان ان کے پاس آکر محتاج و فقیر کا روپ دھار کر سوال کرنے کا تذکرہ ہے جس میں اس نے

اندازِ سوال یہ اختیار کیا لا بلاغ لی اِلاّ باللّٰہ ثم بک ۔ میرے لیے منزلِ مقصود تک رسائی کی کوئی صورت نہیں مگر اللّٰہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کے ساتھ اور پھر تیری امداد و اعانت کے ساتھ ۔

(مشکوٰۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک)

تو کیا اللّٰہ تعالیٰ اور بندے کی امداد و اعانت یکساں ہے؟ ہرگز نہیں لیکن واؤ کی بجائے ثم کا لفظ ذکر کر دیا اور وُہ بھی معصوم فرشتے نے تو اب دونو کی طرف نسبت صحیح ہو گئی کیونکہ گو امداد و اعانت میں شرکت ثابت کی گئی ہے لیکن تفاوت رتبی پر بھی تنبیہ کر دی گئی ہے ۔

الغرض یہاں پر زیادہ سے زیادہ خلافِ اولیٰ اور خلافِ انسب والی صُورت ہے مگر شارع علیہ السّلام نے ظاہری تشابہ کے پیشِ نظر اس کو ممنوع ٹھہرایا اور یہ نہی تحریم کے لیے بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ اس سے کفر و شرک ثابت کر دیا جائے جیسے کہ مذکورہ بالا نصوص میں بطورِ عطف اللّٰہ تعالیٰ کے افعال اور نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے افعال کو ذکر کیا گیا بلکہ بعض جگہ ایک ہی فعل اور صفت میں دونوں مقدّس ذاتوں کی شرکت بطورِ عطف پائی گئی ہے مثلاً قولِ باری تعالیٰ :

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ (سُورہ التوبہ آیت ۱۰۵)

میں رسُولِ کریم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اعمالِ عباد پر نظر رکھنے اور ان کے دیکھنے میں اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے بلکہ دُوسری آیتِ کریمہ میں مومنین کو بھی ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط

(سورہ توبہ آیت ۱۰۵)

اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بالعموم غیر ظاہر حکمت والے امور کے بارے میں استفسار پر اللہ و رسولہ اعلم کہتے اور دونوں مقدس ذاتوں کے لیے ایک ہی صفت اَعْلَمُ والی ذکر کرتے تو کیا ان تمام صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت اور مساوات لازم آسکتی ہے اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہاں پر ماشاء اللہ کے جملہ پر ماشاء فلاں کے جملہ کے عطف سے شرکت اور برابری کیسے لازم آسکتی ہے؟

اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ انعام اور ایتاء اور علم و رویت وغیرہ افعال وصفات تو رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بھی ثابت ہیں لہٰذا بطورِ عطف ذکر کرنا صحیح ہے تو یہ عذر بالکل غلط ہے کیونکہ مشیت و ارادہ والی صفت بھی رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مومنین و کفار میں موجود ہے۔

قال تعالیٰ:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ج

(سورہ آلِ عمران آیت ۱۵۲)

وقال تعالیٰ:

من شآء فلیومن و من شاء فلیکفر وغیر ذٰلک من الآیات۔

بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو اپنی صفات

کے مظہر کے طور پر پیدا فرمایا لہٰذا ہر انسان بالعموم اس کی صفات کا مظہر ہے اور کاملین و اکملین بالخصوص سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کی صفات کے مظاہر کاملین ہیں تو ان میں صفت مشیّت اکمل طریقہ پر پائی جانی ضروری ہے لہٰذا مشیّت و ارادہ اور دیگر صفات میں فرق کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اس صورت کو کفر و شرک قرار دینا سراسر ظلم اور عدوان ہے۔

گلدستۂ توحید

اللہ تعالیٰ پیغمبروں کا منصب بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ؑ

(سورہ آل عمران آیت ۷۹-۸۰)

کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیوے اس کو کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے بن جاؤ اللہ کے سوا لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔ اور نبی تم کو حکم نہ کرے گا

اس بات کا کہ ٹھہرا لو تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رَب کیا وُہ تم کو کفر سکھائیگا بعد اس کے کہ تم مُسلمان ہو۔

اس آیت سے بھی، معلوم ہُوا کہ فرشتوں اور نبیوں کو بھی رَب بنانے کی وجہ سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ (ص ۴۹)

گلشنِ توحید و رسالت

علّامہ سرفراز صاحب پتہ نہیں اس قدر طوالت کے درپے کیوں ہیں اور ایک مسلّم اور غیر متنازعہ امر پر متعدّد دلائل دینے کی انہیں ضرورت کیوں پیش آرہی ہے۔ اس میں کس مُسلمان کا اختلاف ہو سکتا ہے کہ رَبّ العلمین ایک ہی ہے۔ نعمتوں کا مالک بھی وہی ہے اور معطی بھی ہے ہاں کسی کو قاسم بنا دے تو اس کے ہاتھ روکنے والا بھی کوئی نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ (سُورہ کوثر آیت ۱)

اور اس کی تفسیر میں سیّدنا عبداللہ بن عباس جو کہ مفسّر صحابہ اور حبرِ امت ہیں وُہ فرماتے ہیں، اَلْکَوْثَرُ هُوَالْخَیْرُالْکَثِیْرُ کلہ کہ لفظ کوثر میں تمام تر خیرات و انعامات اور فضائل و فواضل اور صفات کمال اور اخلاقِ عالیہ اور خزائنِ علوم اور کنوز اموال داخل ہیں۔ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا بَیْنَا انا نائم اذاوتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی۔ (بُخاری شریف ص ۱۰۳۸ ج ۲) انّی اعطیت مفاتیح خزائن الارض (ص ۵۸۵ - ص ۹۷۵ ج ۲)

اور وفا میں ابن جوزی علیہ الرحمہ نے یوں حدیث نقل فرمائی ہے:

اوتیت مقالید الدنیا (الوفاء صفحہ ۳۲۴)

علامہ زرقانی نے شرح مواہب اور علامہ نبہانی نے حجۃ اللہ علی العلمین ص ۳۱ پہ فرمایا رواہ احمد و ابن حبان والضیاء المقدسی برجال الصحیح یعنی اس روایت کو امام احمد اور ابنِ حبان اور ضیاء مقدسی نے امام بخاری کے بخاری والے رجال پر مشتمل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

گویا زمینوں آسمانوں کے خزائن اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہ السلام کے ہاتھ میں دیئے اور آخرت کے خزائن بھی اللہ تعالیٰ آپ کے دستِ کرم میں دے کر سب کو آپ کا محتاج اور دستِ نگر بنا دے گا۔

(الکرامۃ والمفاتیح یومئذٍ بیدی رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان یہ ہے:

انما انا قاسم واللہ یعطی۔ (بخاری شریف ص ۱۶ ج ۱)

اللہ تعالیٰ ہر نعمت مجھے عطا کرتا ہے اور میں اس کو تقسیم کرتا ہوں۔

ماں باپ کی تربیت اولاد تک محدود ہوتی ہے۔ قال تعالیٰ:

قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴)

کہیے اے اللہ میرے والدین پہ رحم فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپن میں میری تربیت کی (اور مجھ پر رحمت کی) لیکن نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت کا دائرہ اس قدر وسیع کہ صرف اُمت ہی نہیں کونین اس میں

داخل بلکہ اوّلین و آخرین کو بھی شامل اور رزق مادی اور رُوحانی بلکہ ایمان واسلام اور ولایت ومحبوبیت اور خلافت ونیابتِ خداوندی کا فیضان بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کے توسط اور توسّل سے ہُوا اور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

تو اگر ماں باپ کے لیے اُف کرنا حرام ہو اور زجر و توبیخ ناجائز اور نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرنا لازم ہو، کما قال تعالیٰ:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

(سُورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳)

تو ایسی مقدس ہستی اور محسن ومنعم ہستی کا اَدب و احترام اور تعظیم و تکریم بطریقِ اولیٰ لازم و ضروری ہو گی۔ اور ان کی غلامی و نیاز مندی عین ایمان بلکہ جانِ ایمان ہو گی۔ اس کو عقیدہ ربوبیت قرار دیکر شرک وکفر کے فتوے لگانا اور غلامانِ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مشرک اور کافر قرار دینا سراسر ظلم ہے۔

حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السّلام تک انبیاء علیہم السّلام کے لیے تعظیمی سجدہ روا رہا اور وُہ کرتے کراتے رہے ہیں تو کیا وُہ سارے رَب بنے رہے اور سجدہ کرنے والے مشرک اور کافر بنتے رہے۔ علامہ شبّیر احمد عثمانی قولِ باری تعالیٰ خروا له سجّداً کے تحت اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

اس وقت کے دستور کے مطابق ماں باپ اور سب بھائی حضرت یُوسف علیہ السّلام کے آگے سجدہ میں گر پڑے، یہ سجدہ تعظیمی تھا جو بقول حافظ عماد الدین ابن کثیر

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا البتہ شریعتِ محمدیہ نے ممنوع و حرام قرار دیا ـــــ (ص۴۲۶) جبکہ بتوں کے لیے سجدہ کو یہ سبھی حضرات شرک قرار دیتے تھے اور اس سے سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔

جبکہ ہمارے اکابرین علماء کرام سرورِ انبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لیے سجدۂ تعظیمی کی حرمت کے قائل ہیں اور دیگر معظمین کے لیے بھی حرام ہونے کے قائل اور معترف ہیں اور کسی بزرگ کی قبر کو کیا جائے یا تصویر کو اسے بھی ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں پھر رب ماننے کے طعنے دینا اور مشرک و کافر کے فتوے لگانا سراسر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ صرف ہم پر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ صرف ہم پر ظلم نہیں بلکہ فتویٰ لگانے والے اپنی جان پر ہی ظلم کر رہے ہیں۔ کیونکہ غیر کفر کو کفر قرار دینا خود صاحب شرع بننے کے مترادف ہے۔

تعظیم اور عبادت میں فرق

علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیۃً ممنوع نہیں ہے۔ البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے جس کی اجازت ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ "سجود عبادت" یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع و ضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے جس کی اجازت کبھی کسی ملتِ سماویہ میں نہیں ہوئی لیکن سجودِ تعظیم یعنی عقیدہ

مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم و تکریم کے طور پر سربسجود ہونا شرائع سابقہ میں جائز تھا۔ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بھی جڑ کاٹ دی۔ (۲۲۶)

اور قبل ازیں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام کی درجہ بندی کو ملحوظ رکھنا ہر ایک کے لیے لازم ہے۔ مکروہ تنزیہہ کو حرام کہہ دینا یا حرام کو کفر کہہ دینا سراسر غلط ہے اور نئی شریعت ایجاد کرنے کے مترادف لہٰذا اگر کوئی شخص از روئے جہالت تعظیمی سجدہ بھی کرے خواہ کسی زندہ بزرگ کو یا کسی کی مزار کو تو اس کو مرتکب حرام تو قرار دیں لیکن بالکل ہی دائرہ اسلام سے خارج کر کے ابوجہل اور ابولہب نہ بنا ڈالیں!

آیتِ کریمہ کا حقیقی مفہوم

علامہ صاحب کی ذکر کردہ آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول اور پس منظر یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد نجران کے عیسائیوں اور احبار یہود کو اسلام قبول کرنے اور حلقۂ غلامی میں داخل ہونے کے لیے فرمایا تو انہوں نے کہا:

أتريد يا محمد ان نعبدك كما يعبد النصارٰى عيسٰى بن مريم۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت کریں جیسے کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا

معاذ اللہ ان نعبد غیر اللہ ۔ ما بذٰلك بعثنی و ما بذٰلك امرنی ۔

(تفسیر درمنثور جلد ثانی ص۴۶)

پناہ بخدا کہ ہم خود غیر اللہ کی عبادت کریں یا کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ اس کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور نہ ایسے کام کا حکم دیا ہے ۔ اور قبل ازیں تعظیم اور عبادت میں باہمی فرق بیان ہو چکا لہٰذا اس آیت کریمہ میں بھی غیر اللہ کی عبادت پر رد و قدح اور اعتراض و انکار کا بیان ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان و بیان کی مکمل تائید و تصدیق ہے ۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی تعظیم اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کی تکریم کو غیر اللہ کی عبادت قرار دیکر شرک کے فتوے لگانے والوں کیلئے تمسک و استدلال کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے ۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی اتباع و اقتداء اور تعظیم و تکریم کا لزوم و وجوب

نیز نبی مکرم علیہ السلام نے اس حدیث میں اپنا منصب بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرماتے ہوئے آپ کا اور ہر نبی کا منصب و مقام بیان فرما دیا لیکن بایں ہمہ علامہ سرفراز صاحب انبیاء علیہم السلام سے یہ حق سلب نہیں کر سکتے کہ وہ لوگوں کو اپنی اتباع و تقلید اور اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دیں اور ان پر اپنے احکام اور فیصلہ کی پابندی فرض اور لازم کریں اور اپنی محبت کو ان کے لیے روح ایمان اور جان اسلام قرار دیں اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا منصب اور مقام بیان فرمایا ہے اور

اس کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔ چند ارشادات ملاحظہ فرمالیں :

۱- قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(سورہ آل عمران ۳۱)

فرما دیجیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبّت رکھتے ہو تو میری اتّباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمام گناہ معاف کردے گا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۲- وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ○ (طٰہٰ-۹۰)

اور بیشک رب تمہارا رحمٰن جلّ وعلیٰ ہے پس میری اتّباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

۳- مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (سورہ نساء آیت ۱۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

۴- وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

(سورہ نساء آیت ۶۴)

ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے امر سے اس کی اطاعت کی جائے۔

۵- نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا :

لَا یومن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہٖ
وولدہ والنّاس اَجمعین (بخاری شریف ص۷ - الوفا ص۳۸۲)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک محبوب ترین نہ ہو جاؤں اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے۔

۶ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط (سورہ توبہ آیت ۲۴)

فرما دیجیے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کی بندش کا تمہیں اندیشہ ہے اور رہائش گاہیں جو تمہیں پسند ہیں وہ تمہیں محبوب ترین ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) لائے:

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۲۴)

اور اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق اور کافر قوم کو۔

۷۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو اپنا کلام

قرار دیا :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰىۙ

(سورہ النجم آیت ۳-۴)

۸- ان کی بیعت کو اپنی بیعت کہا :

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ

(سورہ الفتح آیت ۱۰)

اور آپؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا - ید اللّٰہ فوق ایدیھم

۹- اور آپؐ کے مارنے کو اپنا مارنا قرار دیا :

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (سورہ الانفال آیت ۱۷)

۱۰- آپؐ کی اطاعت کو ہی اپنی حقیقی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (سورہ النساء آیت ۸۰)

لہٰذا رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو الٰہ ماننا، خالق ومالکِ حقیقی ماننا وغیرہ بیشک کفر اور شرک ہے لیکن من دون اللّٰہ میں داخل کر کے ان کی اتباع و اطاعت اور غلامی و فرمانبرداری اور محبّت وعقیدت کو بھی ممنوع اور حرام قرار دینا اور ان کے تصوّر اور خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر قرار دے دینا اور اسے موجبِ شرک قرار دینا (صراطِ مستقیم) اور انہیں چوڑھے چمار سے بھی اللّٰہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل وحقیر قرار دے دینا (تقویۃ الایمان) اور اسے حقیقی توحید قرار دینا سراسر ظلم و عدوان اور خیبت وخسران ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ - اور محبوبانِ خداوند تعالیٰ کی ارفع

ؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم -

واعلیٰ شان میں تفریط و تقصیر ہی نہیں بلکہ کھلم کھلا بے ادبی و گستاخی اور سب وشتم ہے اور بے دینی و بے ایمانی اور الحاد و زندقہ اور کفر و ارتداد ہے۔ ؎

محمدؐ عربی کابروئے ہر دو سراست
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

گلدستۂ توحید

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب قیامت کے دن تمام کائنات کو میدانِ قیامت میں جمع کیا جائے گا تو فرشتوں سے اللہ تعالیٰ سوال کریگا:

اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○ (سورہ سبا آیت ۴۰-۴۱)

کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے علاوہ بلکہ وہ تو جنّات کی پوجا کرتے تھے۔ یہ اکثر انہیں پر اعتماد رکھتے تھے۔

اگر لوگ بتوں کو ہی پکارا کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے تو فرشتوں سے اس باز پرس کا کیا مطلب؟ اور پھر فرشتوں اور جنّات کی عبادت کرنے والے، ان کو پکارنے والے اور ان کی پرستش کرنے والے بھی مشرک ہو جاتے ہیں حالانکہ نہ فرشتے بُت اور نہ ہی جنّات۔ (ص۵۰)

ؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

گلشنِ توحید و رسالت

یہ تقریر بھی علاّمہ سرفراز صاحب کی تطویل لاطائل اور عبث طوالت کے قبیل سے ہے۔ بندوں کا مشرک ہونا علیحدہ معاملہ ہے اور ملائکہ معصومین اور انبیاء و رسل علیہم السّلام پر معبوداتِ باطلہ کے احکام جاری ہونا علیحدہ معاملہ ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے بھی ملائکہ کے متعلق ادراک و علم اور شعور و آگہی سے محرومی وغیرہ وغیرہ ثابت نہیں ہو سکتی۔ البتہ سرفراز صاحب کے نظریہ کا ابطال ضرور ہو جاتا ہے اور وُہ اس طرح کہ ملائکہ ان مشرکین کو تو نظر آتے نہیں تھے اور نہ وُہ مشرک غائب اشیاء کی پُوجا کے قائل تھے جبکہ غائب خُدا کی پُوجا کے بھی روادار نہیں تھے تو مخلوق غائب کی پُوجا کیونکر کر سکتے تھے۔ ان کی پُوجا کی صُورت یہی تھی کہ ان کے نام پر ہیاکل اور مخصُوص مجسّمے بنا کر ان کی پُوجا کرتے اور سمجھتے کہ بس ان ملائکہ کی عبادت ہو گئی اس بنا پر ان کو اپنے شرکاء سمجھتے تھے اور معبودات لیکن ملائکہ معصُومین اپنے معبود ہونے کا انکار کریں گے اگر ملائکہ سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو یہ مشرک جھُوٹے اور ان کا دعوٰی بھی جھُوٹا اور ساتھ ہی علاّمہ سرفراز صاحب کا دعوٰی بھی جھُوٹا کہ جہان میں کوئی عقلمند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتّھر وغیرہ کی عبادت کی ہو۔ یہ جو کچھ بھی ہُوا پیغمبروں، بزرگوں جنّوں اور دیگر باعزّت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہُوا، کسی کا مجسّمہ قابلِ توجّہ سمجھا گیا اور کسی کا فوٹو۔ ص۶۹ ۔ لیکن اصل عقیدت اور محبّت لکڑی

اور پتھر سے نہیں بلکہ محبوب انسان وغیرہ سے ہے۔ (ص۶۴)

کیونکہ بقول علامہ صاحب مجسّمے تو محض قبلۂ توجّہ تھے اصل عبادت تو ارباب مجسّمہ کی تھی لیکن ملائکہ معصومین کہتے ہیں نہیں ہماری عبادت نہیں بلکہ جنّات کی ہے اور انہیں کے ان میں اکثر معتقد ہیں۔

مقامِ تعجّب ہے مشرکین نے مجسّمے فرشتوں کے نام پر بنائے اور ان مجسّمات کے ذریعے عبادت کا تحفہ بارگاہِ ملائکہ میں ارسال کرتے رہے مگر وہ معبود ثابت نہیں ہو رہے، نہ اللہ تعالیٰ ان مدعیوں کا دعویٰ تسلیم کر رہا ہے اور نہ ہی مدّعا علیہان، تو معلوم ہوا کسی کا نام اپنے طور پر کسی مجسّمہ پر اطلاق کر کے اس کی تعظیم کرنے سے وہ ذات معبود نہیں بن جاتی اور نہ اس پر معبوداتِ باطلہ کے احکام لاگو ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

(سورہ یوسف آیت ۴۰)

یہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء نے تجویز کر رکھے ہیں یعنی ان اسماء کے تحت مسمّیات والے حقائق موجود نہیں ہیں۔

علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ فرشتے کہیں گے "یہ بدبخت تو حقیقت میں ہماری پرستش ہی نہیں کرتے تھے، نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش کرتے تھے۔ فی الحقیقت ان کی عقیدتمندی انہی کے ساتھ ہے۔ شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا نام لے کر بلکہ بعض تو علانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں۔ (ص۶۴۲)

یاد رہے کہ اللہ علیم و خبیر اور عالم الغیب والشہادہ کو معلوم ہے کہ ملائکہ اور حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہم السّلام اس الزام واتہام اور افترا و بہتان سے منزّہ و مبرّا ہیں لیکن پھر بھی ان سے سوال فرمائے گا تاکہ عدالتی تقاضے بھی پورے ہو جائیں اور ان کے جواب اور انکار کی وجہ سے ان مشرکین کی حسرتوں اور ارمانوں میں بھی اضافہ ہو جائے کہ جہاں ان فرضی معبودات سے امداد و اعانت کی اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے وہاں ان کو جھٹلا دیا جائے گا اور بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔

گلدستہ توحید

تعویذات پر یا جبرئیل یا میکائیل یا اسرافیل لکھنے والے اور ان کو پکار کر ان سے مدد طلب کرنے والے ان آیات سے عبرت حاصل کریں۔ (ص ۵۰)

گلشن توحید و رسالت

علّامہ سرفراز کے ہم مشرب بھی اس کے مخالف ہو گئے

مگر افسوس ہے کہ آپ کے مشورہ پر آپ کے گھر والے بھی عمل نہیں کرتے اور مقبولانِ بارگاہ کو پکارتے ہیں اور اس پکار سے استفادہ واستفاضہ کی توقع بھی رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیتے ہیں۔

علّامہ اشرف علی تھانوی صاحب کا استغاثہ ہے:

یا شفیع العباد خذ بیدی انت فی الاضطرار معتمدی

اور یہی علاّمہ تھانوی صاحب علاّمہ بوصیریؒ کی فریاد اور زاری

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِی مَنْ اَلُوْذُبِہٖ

سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

پر سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ان کی مدد کو پہنچ جانا اور چادر عنایت کرنا اور مرض فالج کو دُور کر دینا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ (نشر الطیب)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں جسکو نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نہ ہو رہی ہو وہ ہزار مرتبہ یا محمدؐ یا احمدؐ یا رسول اللہؐ پڑھے تو قسمت جاگ اُٹھے گی اور مقدّر کا ستارا چمک اُٹھے گا اور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کا شرف ضرور حاصل ہو جائے گا، بیداری میں نہیں تو خواب میں حاصل ہو گا۔ وَغَیرُ ذٰلِکَ مِنَ الاَقوال ملاحظہ ہو ضیا القلوب ص۵۸:

"صُورتِ مثالیہ آنحضرت را تصوّر نمودہ درود خواند و بطرفِ راست یا احمدؐ و چپ یا محمدؐ و در دل رسول اللہؐ ضرب کند ہزار بار بگوید علانیہ یا درخواب از دولتِ دیدار مُبارک مشرّف شود۔"

نیز جناب حُسین احمد صاحب مدنی پانچ صُورتوں میں "یا رسول اللہؐ" کہنا جائز رکھتے۔ خوشی کے موقعہ پر، غم و اندوہ کی حالت، ملائکہ کے پہنچا دینے کی نیّت پر اور درود و صلوٰۃ کے ضمن میں اور اپنے استکمال کی صُورت میں کہ جب حجاباتِ جسمانیہ اُٹھ جائیں اور بعد مسافت براہِ راست بارگاہِ رسالت میں عرض پیش کرنے میں مانع نہ ہو۔ (شہابِ ثاقب ص۶۳)

لہٰذا پہلے اپنے گھر سے اس شرک اور کفر کو دُور کریں پھر دُوسرں دل

لہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم۔ ــــــ سہ رحمۃ اللہ علیہ۔

کو اس سے باز رہنے کی تلقین کریں۔ جو اعتقاد آپ کے اکابر کا اس نداء و پکار کے وقت ہوتا ہے وہی دوسروں کے متعلق بھی سمجھ لیں یا ان کو اپنے دلائل کے تحت معذور سمجھتے ہوئے فتوے لگانے سے باز رہیں یا ان اپنے اکابر سے ہی بیزاری ظاہر کر دیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ صاحب کسی صورت پر بھی عمل پیرا نہیں ہو سکیں گے۔ اصل مسئلہ کی حقیقت پر کچھ عرض کیا جائے گا لیکن بعد والے ابواب کے تحت فی الحال اسی کو ہی توجہ کا مستحق سمجھیں۔

گلدستۂ توحید

انسانوں کا ایک گروہ جنّات سے استعانت کیا کرتا تھا اور جب کبھی وہ کسی پُرخطر وادی سے گزرتا تو جنّات کے رئیسِ وادی کی پناہ ڈھونڈتا اور اس کے نام کی نذر و نیاز کرتا چنانچہ اسی طرح کے جِنّوں کا ایک گروہ مسلمان ہو گیا اور ان کے عقیدت مند انسانوں کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع نہ ہو سکی اور وہ بدستور ان کی پرستش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو تنبیہ فرمائی کہ اے نبی کہو کہ جن کو تم سمجھتے ہو اللہ کے نیچے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تمہاری تکلیف اور نہ بدل سکیں:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ط

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۷)

وُہ لوگ کہ جن کو یہ پکارتے ہیں وُہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ ان میں کون زیادہ مقرّب بنتا ہے اور وُہ اُمید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔ بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

اس مضمون سے معلوم ہُوا کہ تکلیف دُور کرنے کی اُمید سے جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں تو وُہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی تکلیف دُور نہیں کرسکتا۔ (صا۵)

گلشنِ توحید و رسالت

کیا رسل کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان نفع دے سکتے ہیں اور تکالیف دُور کر سکتے ہیں؟

یہ بجا کہ خود تکلیف دُور نہیں کرتے اور نہ ان میں قدرت و طاقت ہے بغیر عطائے الٰہی کے لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا اور ان کے توسّل سے تکلیف دُور کرانا تو جائز ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہر مشکل اور مصیبت اور ضرورت و حاجت میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف رجُوع کرتے اور آپ کی دُعا اور توجّہ سے ان کی حاجات بر آتیں، مشکلات حل ہو جاتیں، آنکھ زخمی ہو کر بیکار ہو جائے اور ڈھیلا اپنے مرکز سے باہر آجائے تو نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ٹھیک کراتے، بارش نہیں ہوتی تو آپ سے دُعا کرا کر عذابِ قحط سے خلاصی پاتے۔ پیاس سے

جاں بلب ہوتے تو عرض کرتے ، "ھلکنا عطشا یا رسول اللہ" اے
اللہ کے رسول ہم پیاس سے مر چلے تو آپ فرماتے "لا ھلاك علیک
میں پہنچ گیا ہوں اب تم ہلاک نہیں ہو سکتے ۔ الغرض اتنے واقعات اور
اتنے مواضعات میں توسل کیا گیا کہ حدو حصر اور احاطہ سے باہر ہیں ا
علامہ سرفراز کو معلوم بھی ہیں اور قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام
اور رسل اور خلائق کا درِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نجات و خلاصی
دلانے کے لیے سوالی بن کر حاضر ہونے کا کوئی باہوش مسلمان اور باعقل
اہلِ ایمان انکار نہیں کر سکتا ۔

لہٰذا اتنا ہی کہہ دو اور مان لو کہ خود تکلیف دور نہیں کر سکتے لیکن
اللہ سے تکلیف دور کرا دیتے ہیں ۔ خود مشکلیں حل نہیں کرتے لیکن کر
دیتے ہیں پھر بھی نزاع و اختلاف ختم ہو سکتا ہے لیکن علامہ صاحب ا
اُن کی جماعت نے غالباً قسم اُٹھا رکھی ہے کہ مقبولانِ بارگاہ اور محبوبانِ ا
سے لوگوں کو دور کرنا ہی کرنا ہے اور ان کی خداداد عظمت و ہیبت ا
عزت و حرمت ان کے دلوں سے نکالنی ہی نکالنی ہے تاکہ وہ سرے
ان کا خیال ہی دل سے نکال دیں اور ان کی طرف کسی طرح بھی رجوع
کریں لیکن یاد رکھیں : ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ[1] کو حاجت رسول اللہ[1] کی

[1] علیہما السلام ۔

بلکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا۔ کما قال تعالیٰ :
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (سورہ المائدہ ۳۵)

اور درِ رسول پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور رسولِ گرامی[1] سے دعائے مغفرت کرانے اور آپ کو سفارشی بنانے کو قبولیتِ توبہ، حصولِ مغفرت اور انعام و اکرام کا حتمی ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا ہے : کما قال تعالیٰ :
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ○
(سورہ نساء آیت ۶۴)

دلیل ہی مناقضِ دعوٰے

جس آیتِ مبارکہ کو علامہ صاحب نے یہاں محل استدلال میں ذکر کیا اور معرضِ تعلیل میں پیش کیا اس میں بھی اس توسل و استمداد اور استفاضہ و استفادہ پر واضح دلالت موجود ہے۔ علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں :

بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ اور مسیح اور عزیر کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہی قربِ الٰہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعا وغیرہ کو حصولِ قرب کا وسیلہ بنائیں۔ تنبیہ، توسل اور تعبد میں فرق ظاہر ہے پھر توسل بھی اس حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی

[1] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اور اسی طرح کا قول علامہ سید محمود آلوسی نے بھی نقل فرمایا ہے :

والمعنی ینظرون ایھم اقرب فیتوسلون بہ وکان المراد یتوسلون بدعائہ ۔ (ص ۹۲ / جلد ۱۵)

علاوہ ازیں یہاں پر قدرتِ کاملہ ذاتیہ غیر عطائیہ کی نفی ہے کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ عبادت کے استحقاق کا دار و مدار جس قدرت پر ہے اس کو بیان فرمانا چاہتا ہے اور وُہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ میں ہے لہذا وہی عبادت کا حقدار ہے :

کان المراد من نفی ملکھم ذٰلک نفی قدرتھم التامۃ الکاملۃ علیہ وکون قدرۃ الالھۃ الباطلہ مفاضلہ منہ تعالیٰ مسلم عند الکفرۃ لا نھم لا ینکرون انھا مخلوقۃ للہ تعالیٰ بجمیع صفاتھا وان اللہ تعالیٰ اقوی واکمل منقہ منھا وبھٰذا یتم الدلیل ویحصل الافحام والافنفی قدرۃ الجن والملٰئکۃ الذین عبدوا من دون اللہ مطلقا علٰی کشف الضر لا یظھر دلیلہ ۔ (ص ۹۲ / جلد ۱۵)

گویا کہ ان معبودات کے ان سے ضرر و نقصان دُور کرنے کی قدرت تامہ کاملہ کی نفی کرنا مقصود ہے اور ان مزعومہ معبودات کی قدرت کا اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا ہونا کافروں کے نزدیک بھی مسلّم تھا کیونکہ وُہ اس امر کا انکار نہیں کرتے تھے کہ ہمارے یہ معبودات معہ اپنے تمام صفات و کمالات کے اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں اور اس کا بھی انکار نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ

قوّت وقدرت والا ہے اور اس قدرتِ تامہ کاملہ کی نفی سے ہی دلیل تام ہو جائیگی اور مشرکین کفار کا جواب سے عجز بھی ظاہر ہو جائے گا ورنہ جنّات اور ملائکہ جنکی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی گئی ان سے تکلیف وضرر کے مطلقاً دُور کر سکنے کی قدرت وطاقت کی نفی کی دلیل ظاہر نہیں ہو سکتی۔

ان قیل ہوانانری الکفرۃ یتضرعون الیھم ولایحصل لھم الاجابۃ عورض بانہ نری المسلمین ایضاً یتضرعون الی اللہ ولا تحصل لھم الاجابۃ۔

(ص ۹۲ ج ۱۵)

اگر یہ کہا جائے کہ ہم کفّار ومشرکین کو دیکھتے ہیں کہ وُہ اپنے معبودات کی طرف فریادیں اور زاریاں کرتے ہیں اور امداد واعانت کی التجا کرتے ہیں لیکن ان کو قبولیت حاصل نہیں ہوتی تو اس کا جواب بطورِ معارضہ اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ ہم بسا اوقات مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد اور زاری کرتے ہیں لیکن ان کا مدعا اور مقصُود بھی پُورا نہیں کیا جاتا۔ (لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ سے قدرت وطاقت کی نفی نہیں ہو سکتی تو اس طریق سے ان کے معبودات سے بھی مطلقاً قدرت وطاقت اور استعداد واستطاعت کی نفی نہیں ہو سکتی)

الحاصل ذوی العقول اشخاص جن کی عبادت بزعم خویش کُفّار ومشرکین نے کی ان کے مُراد ہونے کی صُورت میں مطلقاً ان سے قدرت وطاقت اور اختیار واقتدار کی نفی کرنا اور ذاتی وعطائی، مخلوق اور غیر مخلوق دونوں طرح کی

قدرت و طاقت کی نفی کرنا ایسا دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی لہٰذا اندریں صورت بھی علامہ سرفراز صاحب کا انبیاء کرام، ملائکہ اور اولیاء کرام کو مجبور محض ماننا باطل ہو گیا اور توسّل کی نفی کرنا بھی باطل ہو گیا اور توسّل بھی نفع رسانی کی اہم صورت ہے۔

گلدستۂ توحید

قرآنِ مجید میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ لوگوں نے جنّات کی عبادت کی۔

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○

(سورہ سبا آیت ۴۱)

بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اکثر ان میں سے ان پر ایمان لائے ہوتے تھے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ (سورہ انعام آیت ۱۰۰)

اور ٹھہراتے ہیں جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک، حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا۔

کس طور پر عبادت کی تو اس کی تشریح سورۂ جن میں یوں آتی ہے۔

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ (سورہ جن آیت ۶)

اور یہ کہ تھے کتنے مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے جنوں میں سے کئی

مَردوں کی سو وُہ جنّات اور سر چڑھنے لگے۔

اس سے معلوم ہُوا کہ جنّوں کی عبادت سے مُراد ان کی پناہ ڈھونڈنا اور خطرات و نقصانات کے مقابلہ میں ان سے حفاظت طلب کرنا ہے اور ایمان لانے سے مُراد ان کے متعلّق یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ وُہ پناہ دینے اور حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ (ص۵۲ ص۵۳)

گلشنِ توحید و رسالت

مقبولانِ بارگاہِ خُداوندی کو مظاہرِ عونِ الٰہیہ سمجھنا جائز ہے،

کُفّار و مشرکین رؤسا جنّات کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور اللّٰہ تعالےٰ کی امداد میں ان کو واسطہ و وسیلہ نہیں سمجھتے تھے اور نہ ان کی نذر و نیاز بطورِ ایصالِ ثواب کے پیش کرتے تھے بلکہ خُداداد اموال میں ان کا حفاظت و نگرانی کی وجہ سے حق اور حصّہ سمجھتے تھے اور وُہ بھی ان سے نذر و نیاز وصُول کرتے تھے جیسے علاّمہ صاحب نے فرمایا بخلاف ان انسانوں اور جنّوں کے جنہوں نے نذریں اور نیازیں وصُول کیں، سجدے کرائے اور معبود بن بیٹھے۔ (صفحہ نمبر ۵۲) یہ معاملہ بیشک مشرکانہ ہے۔

لیکن حقیقی مددگار و معاون اللّٰہ تعالیٰ کو سمجھا جائے اور اس کے مقبول بندوں کو اس کی امداد و اعانت کا مظہر سمجھا جائے اور ان سے باذن اللّٰہ معاونت و مددگاری کی درخواست کی جائے تو یہ قطعاً شرک نہیں ہے۔ خود علاّمہ سرفراز صاحب نے صفحہ ۱۴۳ پر اس طرح کی استعانت و استمداد کا

جواز تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں ہوتے ہیں، جب تمہیں کوئی مشکل پیش آئے اور رکاوٹ درپیش ہو تو یہ کہا کرو :

اعینونی عباد اللہ (مجمع الزوائد ص ۱۳۲ / ۱۰)

رجالہ ثقات ۔ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں ۔ (ص ۵۲)

محبوبانِ خداوند تعالیٰ کی امداد اور شیاطین کی امداد میں فرق کرنا ضروری ہے

تو اس صحیح روایت سے جنگلات میں پیش آنے والی مشکلات کے حل کے لیے ان میں موجود اللہ تعالیٰ کے بندوں سے استعانت و استمداد کی رخصت اور اجازت ثابت ہوگئی اور انہیں جنگلات میں پیش آنے والی مشکلات پر کفار جنات سے استمداد و استعانت ناجائز اور حرام بھی ٹھہری حالانکہ جن بھی وہیں پر موجود ہوتے تھے اور بقول علامہ سید محمود آلوسی ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی ہوئی اور عطائی قدرت و طاقت کا انکار بلا دلیل محض ہے اور ناقابلِ اعتماد دعویٰ ہے نیز پکارنے والے غائبانہ اور ما فوق الاسباب مدد بھی طلب نہیں کرتے تھے بلکہ صرف انہیں میں سے شریر و خبیث اور سفہاء کے شر اور فتنہ سے پناہ طلب کرتے تھے، چنانچہ روایات میں ہے کہ راہگذار جنگلات میں خطرات محسوس کرتے ہوئے کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ وہ

اَپنے ماتحت جنّوں سے ہماری حفاظت کرے۔ (تفسیر دُرِ منثور جلد ۲ - حاشیہ عثمانی صاحب)
اور خود علّامہ صاحب کی عبارت بھی اسی استمداد پر دلالت کرتی ہے۔

تو علّامہ صاحب ہی بتلائیں کہ ایک طرف اعانت و امداد طلب کرنا شرک اور کفر اور دُوسری طرف سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس طرح کی استعانت و استمداد کا حکم دیں۔ دونو قومیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں فرشتے بھی اور جنّات بھی۔ دونو میں جو قوّت و طاقت ہے وُہ اللہ کی عطا و بخشش سے ہے ذاتی نہیں اور بقول تمہارے اور علّامہ عثمانی صاحب دونو جگہ ندا اور دُعا غائبانہ بھی نہیں اور نہ مافوق الاسباب امور میں پھر فرق ہے تو کیوں ہے؟ ایک استمداد و استعانت شرک ہے اور دُوسری استمداد و استعانت کا ہادیٔ برحق حکم دے رہے ہیں۔

تو لا محالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مقبولانِ بارگاہِ خُداوند تعالیٰ اور اہلِ ایمان کی استمداد و استعانت کا نظریہ و عقیدہ چونکہ کُفّار و مشرکین سے مختلف ہے لہٰذا ان دونوں کی امداد و اعانت کے حکم بھی مختلف ہیں، اسلئے علّامہ صاحب کو چاہیے کہ محبُوبانِ خُداوند تعالیٰ اور دُشمنانِ خُداوند تعالیٰ سے استمداد و استعانت میں ضرور فرق کیا کریں اور اہلِ اسلام اور کفّار و مشرکین میں بھی باہمی امتیاز ملحوظ رکھا کریں اور اگر آپ فرق نہ بھی کریں اور امتیاز روا نہ بھی رکھیں تو کیا فرق پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک تو فرق ہے ہی۔ اور اگر آپ دُنیا میں ہوتے ہُوئے فرق نہ بھی کریں تو ان شاء اللہ بروز قیامت ضرور بہ فرق کرنا پڑے گا اور سیّدِ عالم و عالمیان

ا؎ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

اور مرجعِ خلائق اور باوائے اُمم و انبیاء شفیعِ روزِ جزا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ ضرور ڈھونڈنی پڑے گی۔ دُنیا کے جنگلات میں اکیلے استمداد کے روادار قیامت کے میدان والی مجموعی آبادی اور تمام ملائکہ اور جنّات اور انسانوں کی موجودگی میں ان کی پناہ ڈھونڈے بغیر چارہ نہیں ہوگا یہاں اللہ تعالےٰ کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے ان مقبولانِ بارگاہ سے اعراض اور رد گردانی اور طغیانی و سرکشی کی سعی مذموم کرتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں لیکن وہاں اللہ تعالیٰ کے رُوبرُو ہونے اور بلا حجاب عرشِ جلالت پر جلوہ ریز ہونے کے باوجود مقبولانِ خُداوند تعالیٰ کی طرف دوڑیں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ بھی صرف ایک در پر نہیں بلکہ بیسیوں درگاہوں پر دوڑائے گا اگرچہ مُراد برآنی ہے اور ثمرِ مُراد ملنا ہے تو صرف ایک در سے۔ ؎

خلیل و نجی، کلیم و مسیح سبھی سے کہی کہیں نہ بنی

یہ بیخبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے

رسل وملک پہ درُود ہو وہی جانے ان کے شمار کو

مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیعِ روزِ شمار ہے

اہلِ اسلام کی نذر و نیاز کی حقیقت

علامہ صاحب نے جنّات کے لیے نذر و نیاز کا ذکر یہاں بھی کیا اور صفحہ نمبر ۵۰ پر بھی کیا۔ جنّات کے رئیسِ وادی کی پناہ ڈھونڈتا اور اس کے

لہ علیہم السلام۔

نام کی نذر و نیاز کرتا"۔ اس سے مقصد اہل السنّت کے نذرانوں اور گیارہویں وغیرہ پر طنز و تنقید اور ردّ و انکار کے لیے تمہیدی کارروائی کرنا ہے چنانچہ آگے چل کر جناب نے اس کی تصریح فرما دی ہے۔ " لیکن بزعم خویش مسلمانوں میں بھی آجکل اس کی کمی نہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور گیارہویں اور بزرگوں کے نذرانے بھی ادا کرتے ہیں۔ (ص۷۹)

حالانکہ کفّار و مشرکین کی نذر و نیاز مالی عبادت تھی جس طرح اہل اسلام زکوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا حصّہ نکالتے تھے اور ساتھ ہی اپنے مزعوم شرکاء کا بھی اور کہتے تھے:

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (سورہ الانعام آیت ۱۳۶)

یہ تو ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ان کے زعم اور گمان میں اور یہ حصّہ ان کے معبوداتِ باطلہ کے لیے ہے۔ لیکن اہلِ اسلام کسی غیر کے لیے مالی عبادت کے روادار نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی اسکو مختص مانتے ہیں اور اسی کے نام پر صدقہ کرکے جو ثواب ملتا ہے وُہ مقبولانِ خُداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور ثواب دینا اللہ تعالےٰ کی عبادت نہیں بلکہ جو ثواب اللہ کو پہنچائے تو وُہ کافر و بے دین قرار پائیگا کیونکہ ثواب تو اللہ تعالیٰ سے لیا جاتا ہے اور اس کو اپنے لیے ترقّی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے یا جس کو پہنچایا جائے اس کی مغفرت و بخشش یا ترقّیِ درجات کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو ثواب پیش کرے تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور مالی عبادت غیر اللہ کی کرے تو

ہی دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا نیز زندہ لوگوں کو نذرانہ دینا ہدیہ اور
تحفہ کے معنی میں ہوتا ہے اور ان کی ضروریات کی کفالت کے لیے ہوتا ہے
کوئی اللہ تعالیٰ کی کفالت کی نیت پر دے گا تو وہ بھی دائرۂ اسلام سے
خارج ہو جائے گا۔ اس کی مالی عبادت کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ
اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جن مصارف میں استعمال کرنے
کا اس نے حکم دیا ہے مال کو وہاں پر خرچ کر دیا جائے اسی لیے فرماتا ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط

(سورہ الحج آیت ۳۷)

اللہ کو نہیں پہنچیں گے ہرگز ان قربانیوں کے گوشت اور نہ ان کے خون
بلکہ پہنچتا ہے اس کی بارگاہ میں تمہاری طرف سے تقویٰ اور خلوص۔

علاوہ ازیں تحائف اور ہدایا نبی کریم علیہ السلام نے قبول بھی فرمائے
اور عطا بھی فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے کی اجازت بھی دی ہے
اور جوابی تحفہ اور ہدیہ دینے کا حکم بھی دیا ہے:

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا ط

(سورہ النساء آیت ۸۶)

اور ان کو یا ایصالِ ثواب کو نذرانے اور نذر و نیاز کہہ دینا مجاز
ہی ہے اور حقیقی شرعی معنیٰ قطعاً مراد نہیں ہے۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی صاحب
صراطِ مستقیم" میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا والدہ ماجدہ کی طرف سے کنواں
بنوا کر صدقہ کرنا وغیرہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

پس امور مروّجہ یعنی اموات کے فاتحہ اور عُرس اور نذر و نیاز میں
بات کی خوبی میں کچھ شک وشبہ نہیں۔ صد ۹۴ اور بزرگوں کی نذر ونیاز
کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ بہت عمدہ اور شرع کے موافق ہے
سوال یہ ہے کہ اگر نذر و نیاز صرف مالی عبادت کا نام ہے تو غیر ا
کے حق میں اس کی اچھائی میں کیوں کلام اور بحث نہیں اور اس پر ردّ و
اور اعتراض و انکار کی کیوں گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا مشرکین کی طرف سے
معبوداتِ باطلہ کے لیے مالی عبادت پر اولیاء اللہ اور محبوبانِ خداوند تعالیٰ
کے لیے بطورِ ایصالِ ثواب کیے جانے والے مالی صدقات یا زندگی میں ا
کیے جانے والے ہدایا اور تحائف کا قیاس کرنا سراسر زیادتی، تحکم اور سینہ زوری
حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شمائمِ امدادیہ اور فیصلہ ہفت
میں عُرس، گیارھویں اور تیجے ساتویں اور چالیسویں وغیرہ کے متعلق بڑی
منصفانہ گفتگو فرمائی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا:

حنبلی کے نزدیک جمعرات کے دن کتاب احیاء العلوم تبرکاً ہوتی تھی
ختم ہوئی تبرکاً دُودھ لایا گیا اور بعد دُعا کے کچھ حالات مصنف کے
کیے گئے۔ طریق نذر و نیاز قدیم زمانے سے جاری ہے اس زمانے میں
انکار کرتے ہیں۔ (شمائم امدادیہ ص۵۰ حصہ دوم)

جب مثنوی شریف ختم ہوگئی بعد ختم حکم شربت بنانے کا ہُوا اور ارشاد
فرمایا کہ اس پر مولانا رُوم کی نیاز بھی کی جائے گی۔ گیارہ گیارہ بار سورۂ اخلاص

پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بٹنا شروع ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ نیاز کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک عجز اور بندگی اور وہ سوائے خدا کے دوسرے کے لیے نہیں ہے بلکہ ناجائز اور شرک ہے۔ دوسرے خدا کی نذر اور ثواب خدا تعالیٰ کے بندوں کو پہنچانا۔ یہ جائز ہے لوگ انکار کرتے ہیں۔ اس میں کیا خرابی ہے اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروعہ لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے نہ کہ اصل عمل سے انکار کیا جائے ایسے امور سے منع کرنا خیر کثیر سے محروم رکھنا ہے۔ (شمائم امدادیہ حصہ دوم ص۶۸)

فائدہ : ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نذر و نیاز قدیم زمانہ سے بھی جاری ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی احیاء العلوم اور مثنوی شریف کے ختم پر مولانا روم اور حضرت امام غزالی رحمہما اللہ کے لیے دی جاتی تھی اور نذر و نیاز بمعنی ایصالِ ثواب بھی ہے اور یہی اہل السنت کی مراد ہوتی ہے نہ بمعنی عبادت اور بندگی۔

پس یہ ہیئت مروجہ ایصالِ ثواب کی کسی قوم سے مختص نہیں، اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہٗ کی اور دسواں، بیسواں، چہلم، ششماہی اور سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور ——— حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وحلوائے شب برارت اور دیگر طریق ایصالِ ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار بھی نہیں کرتا۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ نمبر۷)

کتنی تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ مریدین ان امور کو شرک قرار دیتے ہیں اور پیر و مرشد ان کو جائز فرماتے ہیں اور مباح ٹھہراتے ہیں۔

مگر مریدانِ باصفا اپنے خُدا رسیدہ اور خُدا رسا شیخِ طریقت کا نہ فتویٰ اور فیصلہ مانتے ہیں اور نہ خود ان پر اس فیصلہ کی وجہ سے فتویٰ لگاتے ہیں صرف ان کو اہلِ زمانہ کے رسُوم سے ناآشنا اور بیگانہ تسلیم کرکے گلو خلاصی کراتے ہیں مگر اس طرح گلو خلاصی کیونکر ہوسکتی ہے وُہ ہند میں رہے۔ اہلِ ہند کے عادات و رسُومات کو دیکھا اور جہاں ہجرت کرکے پہنچے وہاں بھی اہلِ ہند حج و عُمرہ کی صُورت میں حاضر ہوتے ہی رہتے تھے آخر وُہ اتنے بیخبر کیسے ہوگئے کیا انہیں ہندوستان میں جو کچھ دیکھا تھا وُہ بھُول گیا تھا، یا اس وقت یہ رسُوم و رواج نہیں تھے بعد میں شروع ہوئے۔ اور پھر رسُوم و رواج کی حقیقت معلوم کیے بغیر وُہ فیصلہ کرنے پر کمربستہ کیونکر ہوگئے، اور کیا مولانا عبدالسّمیع صاحب بھی علماءِ دیوبند کے پیر بھائی نہیں تھے! ان کا مشاہدہ اور علماءِ دیوبند کا مشاہدہ مختلف کیوں ہوگیا۔ سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس فریق کو صرف اور صرف مسلمانوں پر رکیک حملوں اور انہیں کافر و مشرک قرار دینے کا از حد شوق تھا اور اس دُھن میں وُہ کسی کی بھی بات سُننے کو تیار نہیں تھے۔ خواہ علماءِ کلام فرمادیں:

فی دُعاء الاحیاءِ للاموات وصدقتھم عنھم نفع لھم

(عقائد نسفی و شرح)

زندہ لوگوں کے فوت شدگان کے لیے دُعا کرنے اور ان کی طرف سے

صدقہ دینے میں ان کے لیے نفع اور فائدہ ہے، خواہ مفسرین ندرمانی ہوئی گاتے کے جواز اور حلت کا قول کریں۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۲۹۶)

خواہ فقہاء کرام تصریح فرماویں.... (رد مختار ص ۲۵۶، ص ۲۵۷ جلد ۴)

جملہ عبادات بدنیہ اور مالیہ قالیہ اور قالبیہ کا ثواب اموات کو پہنچانا جائز ہے۔ (طریقۂ محمدیہ و حدیقہ ندیہ ص ۲۴۲ جلد ۲)

حتیٰ کہ قرآن مجید کا اعلان بھی ان کو متاثر نہ کر سکا۔ کس قدر مالی عبادت میں شراکت کی تصریح موجود ہے۔ یہ ہے اللہ کا حصہ اور یہ ہے ہمارے شرکاء کا حصہ بلکہ مزید برآں یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ والے حصے سے کچھ کھجوریں وغیرہ اصنام و اوثان والے حصے میں مل جائیں تو واپس نہ کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں معبوداتِ باطلہ کے حصہ سے شامل ہو جائیں تو فوراً واپس لیتے اسی طرح جانوروں میں سے حصہ نکالتے وقت بھی کرتے تھے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

(سورۃ الانعام آیت ۱۳۶)

علامہ عثمانی صاحب حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے حوالے سے فرماتے ہیں:

کافر اپنی کھیتی میں سے اور مویشی کے بچوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعض جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا

تو بتوں کی طرف بدل دیا مگر بتوں کی طرف کا اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کرتے اس سے زیادہ ڈرتے تھے۔ اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے (تا) اور بہانہ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اس کا حصہ کم ہو جائے تو کیا پروا ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں۔

تماشا یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہیں تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود اور مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

بہرحال ان آیات میں مشرکین کی اس تقسیم کا رد کیا گیا ہے یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ نکالنا پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے

اوّل، شاہ صاحب کا ترجمہ من دون کا بالعموم ورلے اور نیچے والا ہوتا اور علامہ سرفراز صاحب بھی انہیں سے یہ ترجمہ نقل کرتے اور اس کی تشریح نیچے کے ساتھ کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ یہاں بالکل نامناسب ہے کیونکہ عملی طور پر انہوں نے اپنے معبودات کو اللہ تعالیٰ سے اوپر ہی مانا الحاصل کافروں جنوں یا بتوں وغیرہ کی مالی عبادت اور مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کے ایصالِ ثواب اور ان کے ہدایا اور تحائف میں چشمِ بینا کے لیے روزِ روشن بلکہ دوپہر کے اجالے کی طرح فرق روشن اور نمایاں ہے مگر کوئی خود ہی آنکھیں بند کیے ہوئے ہو تو اس کا کیا علاج؟ اور اگر واقعی جہاں میں کوئی ایسا فرد ہے کہ وہ غیر اللہ کی مالی عبادت کے طور پر مال صرف کرتا ہے اور اسے ثواب پہنچانا، اس کی کفالت کرنا یا اس کے متعلقین

اور خدام کی ضروریات کی کفالت اس کے پیش نظر نہ ہو تو بالکل ناجائز، حرام اور کفر و شرک ہے۔

گلدستۂ توحید

۹ - قرآن کا فیصلہ ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو اس کے ورے کارساز بنانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے:

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ط

(سورہ کہف آیت ۱۰۲)

کیا سمجھتے ہیں کافر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے ورے حمایتی۔ (صد ۵۳)

۱۰ - قرآن کریم میں منافقین کے فعل ریاء کی تردید یراؤن الناس سے کی گئی ہے اور حدیث شریف میں ہے ان الیسیر من الریاء شرک کہ تھوڑا سا دکھاوا بھی شرک ہے

۱۱ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو خط لکھوایا جس میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

اما بعد فانی ادعوکم الی عبادۃ اللہ من عبادۃ العباد وادعوکم الی ولایۃ اللہ من ولایۃ العباد ۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۹ بحوالہ بیہقی)

اگر شرک صرف بت پرستی کا نام ہوتا تو لوگوں کے دکھاوے کے لیے جو کام کیا جاوے اس پر شرک کا اطلاق کیسے صحیح ہوتا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے عبادۃ العباد اور ولایۃ العباد کی بجائے عبادۃ الاصنام اور عبادۃ الاوثان کیوں نہ فرما دیا۔ (صـ۵۴ـ)

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ صاحب نے پتہ نہیں کہاں سے یہ غلط قول سُنا ہے کہ سوائے بُتوں اور اصنام و اوثان کے کسی کی عبادت کفر و شرک نہیں ہے اور کونسا پاگل ہوگا جو ایسا بیہودہ قول کرے گا۔ البتہ ہم اس کے قائل و معترف اور مذعن و معتقد ہیں کہ کسی احمق کی حماقت اور جاہل کی جہالت اور کافر و مشرک کے کُفر و شرک کی وجہ سے ان مقبولانِ خُداوند تعالیٰ رسل کرام اور اولیاءِ عظّام اور ملائکہ مقربین کی خُداداد قوّتیں اور طاقتیں، صفاتِ کمال، اور عالی استعدادات سلب نہیں ہو جاتیں اور ان کو پتھر کے مجسّموں کی مانند عاجز و بے بس اور مجبور و معذور اور جاہل و بے علم اور بے خبر و بے شعور قرار دینا سراسر گستاخی و بے ادبی، بیباکی و جسارت اور بے دینی و بے ایمانی ہے۔

علاوہ ازیں عبادت الگ چیز ہے اور تعظیم و تکریم علیحدہ امر ہے، اوّل کے غیر اللہ میں اثبات کے شرک ہونے میں کلام نہیں ہے اور ثانی کے مقبولانِ بارگاہ کے حق میں فرض و واجب اور لازم ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے

انبیاء و اولیاء کی ولایت و حمایت

رہا معاملہ ولایت اور حمایت کا تو اللہ تعالیٰ کی ولایت و حمایت اس

کی شان کے لائق ہے اور اولیاء کرام اور محبوبانِ بارگاہِ عزّت کی ولایت و حمایت ان کی شان کے لائق ہے مطلق ولایت کا انکار جہالت بلکہ انکارِ نصوص کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ کی ولایت و حمایت جیسی ولایت و حمایت غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا سراسر کفر و شرک ہے۔ فرمانِ خداوند تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(سورۂ مائدہ آیت ۵۵)

تمہارا ولی اور حمایتی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسولِ مقبول ؐ اور اہلِ ایمان۔

یہ کلماتِ طیبات عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئے جو بانیِ اسلام کی نبوّت و رسالت پر ایمان لائے اور یہودیت ترک کر دی تو یہودیوں نے ان سے بائیکاٹ کر دیا اور ہر طرح کا تعلق ختم کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی اور رسولِ معظم اور اہلِ اسلام کی حمایت اور امداد و اعانت کا مژدہ سنایا۔ قال تعالیٰ:

۲- وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (سورہ شوریٰ آیت ۸)

۳- وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ (سورہ کہف آیت ۱۷)

۴- وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ط (سورہ شوریٰ آیت ۴۴)

یعنی ظالموں اور گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کے لیے کوئی ولی و نصیر اور ولی و مرشد اور معاون و مددگار اور راہِ راست پر چلانے والا نہیں ہے۔

۵- وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِـ

ؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ... سورۂ ...

اور بنا ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی اور حمایتی اور بنا ہمارے لیے اپنے پاس سے نصیر اور مددگار۔

۶۔ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ (سورہ تحریم آیت ۴)

پس تحقیق اللہ تعالیٰ اپنے رسول کا مولیٰ ہے اور جبریل اور نیکوکار مومنین اور ان کے علاوہ تمام ملائکہ پشت پناہ اور مددگار ہیں۔

۷۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ

(سورہ توبہ آیت ۷۱)

اور مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔

۸۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

(سورہ آلِ عمران آیت ۲۸)

نہ بنائیں اہلِ ایمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ (سورہ آلِ عمران آیت ۲۸)

اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق وغیر ذلک من الآیات۔

علامہ صاحب کی پیش کردہ آیت کا صحیح مفہوم

وہ آیتِ کریمہ جس کے ساتھ علامہ سرفراز صاحب نے تمسک کرتے ہوئے ولایت کو شرک قرار دیا ہے اس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ کیا منکرین

یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح اور دیگر مقربانِ خداوند تعالےٰ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی حمایت کریں گے، ہرگز ایسے نہیں ہوگا۔ وُہ خود ان کی حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور تمہارے مقابل مدعی بن کر کھڑے ہوں۔ کذا فی الحاشیہ العثمانیہ۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا مومنین کے لیے ولی ہونا اور رسُولِ محتشم کا ان کے لیے ولی ہونا اور ان کا آپس میں ایک دُوسرے کا ولی ہونا اور کفّار و مشرکین اور ضال و گمراہ لوگوں کے لیے کسی کا ولی و مُرشد نہ ہونا اور ظالمین و مشرکین کا ولایتِ خُداوند تعالیٰ اور حمایتِ انبیاء اور اعانتِ اولیاء سے محروم ہونا واضح ہوگیا اور مومنین کی مومنین سے ہٹ کر کفّار کیساتھ ولایت وحمایت اور دوستی اور محبت والے تعلق کا ممنوع ہونا واضح ہوگیا تولامحالہ حدیث شریف میں جس ولایتِ عباد سے منع کیا گیا ہے وُہ کفّار اور دُشمنانِ خُداوند تعالیٰ کی ولایت ہے۔ نیز عیسائی لوگ اپنے حکمرانوں اور بادشاہوں کو سجدے کیا کرتے تھے اور ان کو خُدائی درجہ دیتے تھے انہیں کو دیکھ کر اہلِ اسلام نے بھی عرض کیا تھا کہ رُومی و فارسی اپنے بادشاہوں کو سجدے کرتے ہیں حالانکہ وُہ دشمنانِ خُداوند تعالیٰ ہیں، تو آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں، تو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

"میرے دین میں غیر اللہ کو سجدہ کی اجازت نہیں اگر اجازت ہوتی تو میں سب سے پہلے بیوی کو حکم دیتا کہ وُہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے"۔ لہٰذا اس قسم کی ولایتِ عباد یقیناً انکار کی حقدار ہے اور اس سے باز رہنا لازم اور ضروری

لہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

ہے۔ نیز ریا کاری کو شرکِ اصغر قرار دینا اس کے ذریعے دُنیاداروں کی نظروں میں عزّت پیدا کرنے کے لیے ہے ورنہ کوئی تعدیل ارکان کرے اور طویل رکُوع و سجود اور طویل قرأت کرے اس لیے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مجھے اس طرح نماز پڑھتے دیکھ کر خوش ہوں گے اور مجھ پر نگاہِ کرم اور نظرِ شفقت فرمادیں گے اور عبادت پر مداومت اور مواظبت کی دُعا دیں گے تو کیا یہ بھی شرک ہوگا! ہرگز نہیں ہرگز نہیں بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب و جزاء کی طرح اہلِ دُنیا سے منفعت کی اُمید و رجا پیدا ہو جاتی ہے اس مشابہت کی بنا پر اس کو مجازاً شرک کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ اس کے کبائر میں سے ہونے پر بھی اتفاق نہیں کیا گیا چہ جائیکہ کُفر و شرک جو کبائر کی آخری حد ہے مگر علامہ صاحب کو شرک کا لفظ درکار ہے خواہ اس کا معنیٰ اور حکمِ شرعی جو بھی ہو۔

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی شخص جب تک لوگوں کو مینگنی کی طرح حقیر نہ سمجھے تو وُہ ایماندار نہیں ہوسکتا۔

لَا یُومن احد کم حتّٰی یکون الخلق عندہ کالا باعر۔

(مرقات مشکوٰۃ جلد ۱۰)

لہٰذا اس میں بھی مقبولانِ بارگاہ کو شامل کرنا غلط ہے اور دُنیاداروں اور مالداروں کی طرح انبیاء و رسل اور اولیاء کرام کو مینگنی کی طرح حقیر سمجھنے پر استدلال بھی سراسر غلط ہے۔ کیونکہ وُہ شعائر اللہ سے ہیں اور ان کی تعظیم ضروری ہے بلکہ جانِ اسلام اور رُوحِ ایمان ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

بلکہ جب ان کے قدموں سے مس ہو جانے والے پتھر اور پہاڑیاں شعائر اللہ سے ہیں اور ان کی تعظیم ایمانِ کامل اور اعتقادِ خالص کی دلیل ہے تو ان حضرات کی تعظیم و تکریم بطریقِ اولیٰ جان ایمان اور روحِ یقین ہوگی۔ قال تعالیٰ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۸)

وقال تعالیٰ:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۵)

اگر مقامِ ابراہیم کے قرب میں پڑھی جانے والی نماز حرم پاک کے دیگر حصوں میں پڑھی جانے والی نمازوں سے زیادہ اجر و ثواب کی موجب ہے اور اس میں خیر و برکت اور قبولیت زیادہ ہے اور یقیناً ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس مقام پر بالخصوص نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیتا تو ان حضرت کے قرب و جوار میں ادا کی جانے والی نماز بھی زندگی اور وصال ہر دو صورت میں زیادہ قبولیت اور خیر و برکت کی موجب ہوگی:

وکذا صرح بہ العلماء الاعلام۔ ملاحظہ ہو اشعۃ اللمعات۔

اما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح او صلی فی مقبرته وقصد به الاستظهار بروحه او وصول اثر ما من آثار عبادته الیه لا التعظیم له والتوجه نحوه فلا حرج علیه۔ (حاشیہ بخاری شریف ص۱۶۵ جلد ثانی)

نوٹ: علامہ صاحب نے اس باب میں پیغمبرانِ کرام، فرشتوں، پیروں، مولویوں اور جنات کی پرستش کا شرک ہونا ثابت کرنا تھا لیکن ساتھ ہی استعانت

کے موضوع اور عنوان سے متعلق بحث چھیڑ دی اور ایمان ابی طالب کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے بسی اور عبداللہ بن ابی منافق کی مغفرت و بخشش کے معاملہ میں مجبوری ثابت کرکے آپ کے مشکلکشا، اور حاجت روا نہ ہونے پر اپنے زعم میں قطعی دلیل قائم کر دی ہے اور اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو نشانہ بنایا ہے لیکن ہم اس دلیل پر تبصرہ آخری باب میں کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ اس باب میں بظاہر علامہ سرفراز صاحب نے اصنام و اوثان کی عبادت میں شرک کے انحصار کی نفی کرنے کی سعی کی تھی لیکن درحقیقت انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کو بھی ممنوع اور شرک ٹھہرانے کی تمہیدی کارروائی کی تھی اس لیے ہم نے ہر دلیل کے اس پہلو کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا ضروری سمجھا ورنہ جو عنوان انہوں نے قائم کیا اس کا نہ کوئی قائل تھا اور نہ ہی اس پر تردیدی دلائل قائم کرنے کی ضرورت ہی تھی۔

باب ہشتم

گلدستۂ توحید

بُتوں کی اصل حقیقت کیا ہے؟

بعض حضرات مفسرین کرام نے من دون اللہ ، غیر اللہ اور والذین تدعون وغیرہ آیات کی تفسیر میں اصنام کی قید لگائی ہے۔

۱۔ عوام تو کیا بعض پڑھے لکھے طبقہ کو اس کا مطلب سمجھنے میں فاش غلطی ہوتی ہے۔ اس لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس غلطی کو دُور کردیا جائے دُنیا میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری جس نے محض لکڑی، پتھر اور اینٹ کی بے جان مُورت کو خُدا ، یا اللہ بنایا ہو۔ بلکہ بُت تصویر اور مجسّمہ جب بھی بنایا گیا کسی جاندار مخلوق بلکہ بزرگوں ، پیغمبروں اور نیک بندوں کے نام اور شکل پر ہی بنایا گیا اور بُتوں سے وُہ کام لیا گیا جو نااہل لوگوں نے تصوّرِ شیخ سے یا غالی لوگوں نے فوٹو اور تصویر سے لیا کہ ان کے سامنے رکھنے سے ذی صُورت اور صاحبِ تصویر کا خیال جم جاتا ہے اور یکجہتی واقع ہوتی ہے اور خیالات پراگندہ نہیں ہوتے۔ (ص۵)

۲۔ بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک من کی لکڑی یا پتھر حاجت روا اور مسجود نہ ہو سکے لیکن جب اس کو چھیل کر یا تراش کر دس سیر کردیں تو وُہ سب کچھ کر سکے ؟ بات یہ ہے کہ بِن گھڑے پتھر اور لکڑی میں اس ہستی کی سی آنکھیں ، ناک اور کان وغیرہ نہیں ہوتے مگر جب صنم اس کی شکل پر بن گیا

تو صاحبِ مجسّمہ کے نام پر وہ قبلۂ توجہ ہو گیا لیکن اصل عقیدت اور محبّت لکڑی سے نہیں بلکہ محبُوب انسان وغیرہ سے ہے۔ (ص ۶۴)

۲۔ دُنیا کا کوئی عقلمند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھر وغیرہ کی عبادت کی ہے یہ جو کچھ بھی ہوا پیغمبروں بزرگوں، جنّوں اور دیگر باعزّت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا۔ کسی کا مجسّمہ قبلۂ توجّہ سمجھا گیا تو کسی کا فوٹو۔ الخ (ص ۶۶)

گلشنِ توحید و رسالت

علّامہ سرفراز صاحب کا قرآنی آیات سے اعراض اور لغو دعوٰی

آپ نے علّامہ صاحب کے بلند بانگ دعوٰی ملاحظہ کر لیے اور ان کا بُتوں کے معبُود و مسجُودِ حقیقی ہونے سے صریح انکار مشاہدہ کر لیا لیکن اس پُورے باب میں کوئی آیت اور کوئی حدیث آپ کو نظر نہیں آئے گی جس سے علّامہ صاحب نے اپنے دعوٰی کو مدلّل اور مبرہن کیا ہو ورنہ پچھلے ابواب میں انہوں نے بلا ضرورت و احتیاج بکثرت آیات اور احادیث بطور استدلال ذکر کرنے کی سعی فرمائی ہے اسی سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ قرآن و حدیث سے جناب کے دعوٰی کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی تھی اس لیے اس طرف سے صرفِ نظر اور پہلو تہی میں ہی عافیت سمجھی۔

اب ہم بتوفیق خداوند تعالٰی و بتوسّل محبُوبانِ بارگاہِ قدس علّامہ صاحب کے دعوٰی کی کلیت بھی اور اس کو بالکلیہ بھی قرآنِ مجید کی متعدّد آیات

اور احادیث سے باطل کرتے ہیں۔

علامہ صاحب نے اپنے دعویٰ میں عموم اور کلیت پیدا کرتے ہوئے کہا جو کچھ بھی ہوا پیغمبروں، بزرگوں، جنوں اور دیگر باعزت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا۔ اس دعوے کی کلیت اور عموم کا ابطال اور لغویت بنی اسرائیل کے گئو سالہ کی پرستش سے ظاہر ہے کیونکہ وہ پوجا تو اللہ تعالےٰ کی کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے یہ مجسمہ تیار کیا اور اس کے سامنے سربسجود ہوگئے اور اس کو الٰہ قرار دیتے ہوئے کہا ھٰذا الٰھکم والٰہ موسٰی تو کیا بنی اسرائیل نے اس مجسمہ کو بھی واقعی اللہ تعالےٰ کی ذاتِ مقدسہ کے مطابق تیار کیا تھا اور اس میں اس ہستی مقدس کی سی آنکھیں، ناک اور کان وغیرہ بنائے تھے؟ اور جب انہوں نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے عرض کیا تھا:

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ (سورۂ اعراف ۱۳۸)

تو کیا وہاں بھی انہوں نے ربِّ کریم کی شکل و صورت کا کوئی مجسمہ دیکھا تھا؟ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ لہٰذا اس عموم اور کلیت کی لغویت ظاہر ہوگئی۔

نیز جناب والا نے جنات اور ملائکہ کو معبوداتِ باطلہ میں شامل کیا اور ان کے ناموں پر بھی مجسمے بننے ہوتے تھے تو کیا انہوں نے واقعی ملائکہ کو دیکھا ہوا تھا اور جنات کا بھی مشاہدہ کیا ہوا تھا اور ان کی اشکال اور صورتوں پر ان مجسموں کے ناک، کان اور آنکھیں وغیرہ بناتے تھے؟ جب اللہ تعالیٰ کی رویت بھی محال اور اس کے لیے شکل و صورت اور بالخصوص

بچھڑنے والی صورت و شکل محال اور ملائکہ کی رؤیت بھی ان کے لیے ناممکن اور جنات کا اصلی حالت میں دیکھنا بھی ان کے لیے مشکل اور متعذر کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط

(سورہ الاعراف ۲۷)

شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے اور جب شیطان اور جن نظر نہیں آسکتے حالانکہ ناری ہیں تو نوری بطریقِ اولیٰ اور جب عام مومنین کو نظر نہیں آسکتے تو کافروں کو کیونکر نظر آسکتے تھے۔ تو پھر یہ مجسّمے اور تماثیل و تصاویر صاحبِ مجسّمہ اور صاحبِ تصویر کے لیے قبلۂ توجہ کیونکر بن گئے اور کس مناسبت اور مشابہت کی وجہ سے؟

۲- نیز نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کرے گا:

لیتبع کل اُمّة ما کانت تعبد۔

ہر اُمت اور گروہ اپنے اپنے معبودات کے پیچھے چلے اور ان کی اتباع کرے۔

فلا یبقیٰ احد کان یعبد غیر اللّٰہ من الاصنام والانصاب الا یتسا قطون فی النّار (الحدیث متفق علیہ مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ)

پس کوئی بھی شخص باقی نہ رہے گا جو غیر اللہ کی عبادت کرتا تھا اصنام کی

یا انصاب کی طرح آتشِ دوزخ میں گر پڑیں گے اور صرف وہی لوگ باقی بچ جائیں گے جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کرتے تھے خواہ متقی اور پرہیزگار خواہ فاسق اور گنہگار۔

اس بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت کے مطابق (جس کا انکار بقول علامہ علی قاری اور علامہ بدرالدین عینی اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی الحاد اور بے دینی اور زندیقیت ہے) یہ تسلیم کرنا لازم کہ جہنم میں بتوں کے ساتھ انصاب بھی گریں گے۔ اور انصاب نصب کی جمع ہے جس سے مراد ہے:

سنگے کہ برپا کردہ شود و عبادت کردہ شود اورا و ذبح کردہ شود نزد وے بقصد تبرک و طاعت[1]

وہ پتھر جس کو زمین میں گاڑ کر کھڑا کیا جائے گا اور اس کی عبادت کی جائے اور اس کے قریب تبرک اور اطاعت کے طور پر جانوروں کو ذبح کیا جائے۔ علامہ علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں:

وھی حجارۃ کانت تنصب و تعبد من دون اللہ و و یذبحون علیھا تقربا الی الھتھم وکل ما نصب واعتقد تعظیمہ من الحجر والشجر فھو النصب

(صفحہ نمبر ۲۸۸ جلد نمبر ۱۰)

اور وہ پتھر ہیں جن کو گاڑا جاتا اور پوجا کی جاتی اور ان پر جانوروں کو ذبح کرتے اپنے معبودات کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور ہر وہ شئ جس کو کھڑا کیا جائے اور اسکی تعظیم کا قصد کیا جائے پتھر ہو یا درخت ہو پس وہ نصب ہے۔ اب تو واضح ہو گیا کہ بغیر تراش خراش اور کان ناک اور آنکھیں بنائے بغیر بھی پتھر پوجے جاتے تھے۔

[1] (اشعۃ اللمعات ص ۴۱۴ ج ۴)

امام راغب صاحب اصفہانی المفردات فی غرائب القرآن میں فرماتے ہیں:

وکان للعرب حجارة تعبدها وتذبح علیها۔ (ص ۴۹۴)

عربوں کے ہاں پتھر تھے جن کی عبادت کرتے تھے اور ان پر جانور ذبح کرتے تھے۔

علاّمہ صاحب تو عام عقلمند کے متعلق کہتے ہیں کہ وُہ باور نہیں کرسکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتّھر کی عبادت کی ہو اور یہاں ساری مخلوق کے مجمُوعی عقل سے بھی ہزاروں گُنا زیادہ عقل و خرد کی مالک ہستی فرما رہی ہے کہ وُہ بِن گھڑے پتّھروں کی عبادت کرتے تھے جن کے باہوش وحواس اور صاحبِ عقل و خرد ہونے پر علاّمہ صاحب کے گلدستہ کا پُورا باب گواہ نیز انصاب کا اصنام پر بطور عطف ذکر کرکے اور ان کو اللّٰہ تعالیٰ کے علاوہ معبودات کی تفسیر میں ذکر کرکے واضح فرما دیا کہ بن تراش خراش اور بزرگوں پیروں، مولویوں، ملائکہ اور انبیاء و اولیاء جیسی آنکھیں اور ناک کان وغیرہ بنائے بغیر بھی احجار و اشجار کی پُوجا کی جاتی تھی۔ لہٰذا علاّمہ صاحب نے اس دعوٰی میں کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اللّٰہ تعالےٰ اور رسُول مقبُول علیہ الصّلٰوۃ والسّلام کو جُھٹلانے کی مذمُوم سعی کی ہے۔

۳۔ اَبُو رجا عطاردی کہتے ہیں:

کنا نعبد الحجر فاذا وجدنا حجرًا ھو خیر منه القیناہ واخذنا الاٰخر فاذا لم نجد حجرًا جمعنا جثوة من تراب ثم جئنا بالشاة فحلبنا علیه

ثم طفنا به ۔ (بخاری شریف جلد دوم ص۶۲۸ وفی روایۃ احسن وفی روایۃ اخیر)

ہم پتھر پُوجا کرتے پس جب ایسا پتھر پا لیتے جو پہلے پتھر سے اچھا اور خوبصورت ہوتا تو پہلے کو پھینک دیتے اور دُوسرے کو لے لیتے اور جب کوئی پتھر دستیاب نہ ہوتا تو مٹی کی ڈھیری بنا لیتے پھر اس پر بکری لا کر دُودھ دوہتے پھر اس ڈھیری کے گرد طواف کرتے ۔ اور شراح حدیث فرماتے ہیں کہ خیر اور حسن پتھر سے مُراد اس کی سفیدی اور چمک دمک اور صفائی اور نرمی وغیرہ ہے ۔ آپ غور فرمائیے کہ مشرک اور بُت پرست تو اپنے زمانۂ شرک کی اپنی عادت وخصلت اور طریقِ کار خود یہ بتلائیں کہ ہم بن تراشے اور ان چھلے پتھر پُوجتے تھے اور یہی ہماری عادتِ مستمرہ تھی، (جس طرح کہ فعل مضارع پر کان داخل کرنے سے استمرار فعل پر دلالت واضح ہوتی ہے) اور اگر پتھر بھی نہ دستیاب ہوتا تو مٹی کی ڈھیری بنا کر اُوپر دُودھ ڈال کر اس کے طواف کر لیتے تھے اور یوں شوقِ عبادت پُورا کرتے تھے ۔ مگر علامہ صاحب آنکھیں بند کر کے کے جا رہے ہیں کوئی باہوش آدمی ایسے نہیں کر سکتا ۔

۴۔ اہلِ فارس آگ پُوجتے تھے اور زرتشت نے ان کو اس کی پُوجا پاٹ پر لگا رکھا تھا اور ہزار سال تک اس آتشکدہ کو ٹھنڈا ہی نہیں ہونے دیا تھا ۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت پر وُہ یکدم بُجھ گئی اور اپنے پُوجنے والوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا ۔ بہرکیف آگ میں کوئی شکل وصُورت کسی پیغمبر اور فرشتے یا ولی کی نہیں، نہ انسانی آنکھیں

اور ناک کان اور نہ ہی یہ کسی کا قبلۂ توجہ تو پھر اس کی پوجا شروع کیوں ہوئی اور صدیوں تک ایک مملکت کی معبود کیونکر بنی رہی اور آج بھی کچھ پارسی اس کی پوجا کرتے ہیں۔ تو علامہ صاحب کا یہ دعویٰ سراسر لغو اور باطل ٹھہرا کہ بغیر معظم و محترم شخصیات کے پوجا پاٹ کسی شے کی نہیں کی گئی جن کی صورتیں و شکلیں ان معظمین کی شکل و صورت پر نہ ہوں اور ان کو صرف قبلۂ توجہ سمجھ کر پوجا گیا۔

۵۔(ا) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (سورۂ حٰم سجدہ آیت ۳۷)

اور نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ تعالےٰ کی ذاتِ والا کو جس نے انہیں پیدا کیا اگر تم اسی کی پوجا کرنے والے ہو۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں، سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی یہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ تعالیٰ کی پرستش ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔

(ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اصنام کے علاوہ سورج، چاند اور ستاروں کی پوجا کرتی تھی آپ نے ستارے کو دیکھ کر فرمایا کیا بقول تمہارے یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو گیا تو کہا میں غروب ہونے والوں کو محبوب نہیں بناتا۔ جب چمکتے چاند کو دیکھا تو فرمایا تمہارے عقیدہ کے مطابق کیا یہ میرا رب ہے جب وہ غائب ہو گیا تو کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ دے

تو بیشک مَیں گمرہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر سُورج جھلکتا دیکھا تو کہا ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ۔ کیا تمہارے زعم میں یہ میرا رَب ہے یہ تو سب سیّاروں میں بڑا ہے، جب وُہ بھی غرُوب ہو گیا تو کہا:

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ (سُورۃ الانعام آیت ۷۸)

اے میری قوم میں بیزار ہُوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

علّامہ صاحب فرمائیں سُورج چاند اور ستارے کس پیغمبر اور فرشتے یا ولی اور پیر یا مولوی کی شکل پر تھے؟ تم تو اس پر حیران تھے کہ ایک مَن کا پتّھر اور لکڑی معبُود و مسجُود اور حاجت روا نہ ہو سکے اور تراش خراش کے بعد دسُں سیر رہ جائے تو معبُود و مسجُود اور حاجت روا بن جائے اب تو ہم نے آپ کو دکھلا دیا کہ وُہ ہزاروں، لاکھوں ٹن مٹّی، ریت اور پہاڑوں پتّھروں کے مجمُوعہ کی پُوجا پاٹ کرتے تھے۔ شاید علّامہ صاحب کے نزدیک یہ بیہوشی کی حالت میں کرتے ہوں گے۔ مگر یہ دعوٰی بھی ناقابلِ اعتداد و اعتبار ہے ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام ان سے مناظرہ ہی کیوں کرتے اور ان کے خلاف اس طرح حجّتیں اور دلیلیں کیوں قائم فرماتے اور اللّٰہ تعالےٰ اپنے خلیل کی فیصلہ کن دلیل اور لاجواب حجّت اور مناظرہ میں فتح یابی کو اپنا کمالِ قدرت کیوں قرار دیتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ (سُورۃ الانعام آیت ۸۳)

وُہ عظیم الشّان حجّت و دلیل ہماری دلیل و حجّت ہے۔ ہم بلند کرتے

ہیں از روئے درجات جس کو چاہیں، بلاشبہ آپ کا رب حکمت والا، دائمی علم والا ہے۔

الغرض واضح ہوگیا کہ انسانی شکل و صورت یا معظمین و مکرمین کے صور و اشکال پر تراش خراش ان کے ہاں ضروری نہیں تھی اور مجسّمہ سے صاحبِ مجسمہ اور تصویر سے صاحبِ تصویر کی طرف توجّہ مبذول کرنا اور اس مجسّمہ و تصویر کو صرف اور صرف قبلہ توجہ بنانے کا عمومی دعویٰ اور اس کی کلّیت پر اصرار اور استکبار سراسر لغو اور باطل ہے اور کتاب و سُنّت کے دلائلِ قاھرہ اور براہینِ باہرہ کے خلاف ہے۔

کیا مشرکین پتّھروں کے مُصوّر مجسّموں کو نہیں پُوجتے تھے؟

اب ہم علّامہ صاحب کے اس دعوٰی کو بُنیاد و بن سے اُکھیڑتے ہیں کہ مشرکین صرف اور صرف قبلہ توجّہ سمجھ کر ان مخصوص اجسام اور صور و اشکال کو پُوجتے تھے نہ کہ ان کی ذاتوں کو معبُود و مسجُود اور حاجت روا اور مشکل کُشا سمجھتے تھے۔ قرآن گواہ ہے کہ علّامہ صاحب اس دعوٰی میں سراسر جھُوٹے ہیں اور آپ نے بالکل غلط دعوٰی کیا ہے، اس باب نے ان کا قرآن فہمی اور شیخ القرآن ہونے کا دعوٰی خاک میں ملا دیا ہے۔

۱۔ حضرت ابراھیم علیہ السّلام نے آذر کو کہا:

أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○

(سُورہ الانعام آیت ۷۴)

کیا تُو مانتا ہے بُتوں کو خدا، میں دیکھتا ہُوں کہ تُو اور تیری قوم صریح گمراہی میں ہے۔ علاّمہ عثمانی فرماتے ہیں، اس سے زیادہ صریح اور صاف گمراہی کیا ہو گی کہ اکرم المخلوقات انسان اَپنے ہاتھ سے تراشے پتّھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور انہیں سے مرادیں مانگنے لگے۔

۲۔ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ○ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○

(سُورہ الانبیاء آیت ۵۲-۵۳-۵۴)

جب کہا اس نے اَپنے باپ کو اور قوم کو یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو۔ بولے ہم نے پایا اَپنے باپ دادوں کو ان کی پُوجا کرتے ہُوئے۔ بولا مقرّر رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں یعنی اس کی حقیقت تو بیان کرو کہ آخر پتّھر کی خود تراشیدہ مُورتیاں خدا کس طرح بن گئیں۔ (ص۴۲) یعنی عقل و فطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے تو نہ سہی لیکن بڑی بھاری دلیل بُت پرستی کے حق اور صواب ہونے کی یہ ہے کہ اُوپر سے ہمارے باپ دادا ان ہی کی پُوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اَپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔

(حاشیہ عثمانی صاحب)

ابراہیم علیہ السّلام نے کہا:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○

(سورہ الانبیاء آیت ۵۷)

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

(سورہ الانبیاء آیت ۵۹)

اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جا چکو گے پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا شاید اس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کس نے یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ کیا وہ تو کوئی بے انصاف ہے۔

۴۔ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○

(سورہ الانبیاء آیت ۶۲-۶۳)

بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم، بولا نہیں پر یہ کیا ہے ان کے اس بڑے نے سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں!

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ (سورہ الانبیاء آیت ۶۵)

تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں۔

یعنی جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے، کہیں پتھر بھی بولتے ہیں۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

۵۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا

وَّلَا یَضُرُّکُمْ ؕ اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورہ الانبیاء، آیت ۶۶ - ۶۷)

بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا نہ کر سکے اور نہ برا۔ بیزار ہوں میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، کیا تم کو سمجھ نہیں ہے۔

یعنی پھر تم کو ڈوب مرنا چاہیے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے، کسی آڑے وقت کام نہ آسکے، ذرہ برابر نفع اور نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔ (حاشیہ علامہ عثمانی)

۶۔ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ۝ قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ۝ قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورہ شعراء، آیت ۷۰ تا ۷۷)

جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتیوں کو پھر سارے دن انہیں کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو، یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا، بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کرتے،

کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو تم پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے سو وہ میرے دشمن ہیں مگر جہان کا رب۔

یعنی ان منطقی بحثوں کو اور کٹھ حجتیوں کو ہم نہیں جانتے۔ نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا دارو مدار ان باتوں پر ہے۔ بس سو دلیلوں کی یہی ایک دلیل ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔ حاشیہ عثمانی صاحب۔ یعنی لو میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں کے ساتھ میری لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہوں گا۔

تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین

اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال:

فی موضع اٰخر ولا اخاف ما تشرکون بہ الآ ان یشآء اللہ ربی شیئا ۔ (علامہ عثمانی صاحب)

۷۔ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورہ الصّٰفّٰت آیت ۹۱ تا ۹۶)

پھر جا گھسا ان کے بتوں میں۔ پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے۔ تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے۔ پھر گھسا ان پر مارتا ہوا داہنے ہاتھ سے۔ پھر آئے لوگ اس پر دوڑ کر گھبراتے ہوئے۔ بولا کیوں پوجتے ہو جو تم آپ تراشتے ہو

اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔

علامہ عثمانی دیوبندی نے کہا:

ابراہیم علیہ السّلام کی غرض یہ ہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔ چنانچہ بُت خانہ میں جا گھسے اور بُتوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا، یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوتے ہیں انہیں کیوں نہیں کھاتے باوجودیکہ تمہاری صُورت کھانے والوں جیسی ہے۔ جب بُتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگا تم بولتے کیوں نہیں یعنی اعضاء اور صُورت تمہاری تو انسانوں کی سی بنا دی لیکن انسانوں کی رُوح تم میں نہ ڈال سکے۔ پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان بے حس و حرکت انسان کے سامنے سربسجود ہوں اور اپنی مہمّات میں ان سے مدد طلب کریں۔ یعنی جس کسی نے بھی توڑا (اس کے بارے میں سوال مت کرو بلکہ یہ بتلاؤ) کہ تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو کیا پتھر کی بے جان مُورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی عبادت اور پرستش کے لائق ہوگی۔ اور وُہ اللہ جو تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل اور معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے اس سے کوئی سروکار نہ رہا؟ پیدا تو ہر چیز کو وُہ کرے اور بندگی دُوسروں کی ہونے لگے۔ پھر دُوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں، آخر یہ کیا اندھیر ہے۔

(حاشیہ عثمانی صاحب)

۸- اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ط

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا

(سورہ عنکبوت آیت ۱۷)

(ابراہیم علیہ السلام نے جبکہ اپنی قوم سے کہا) تو تم پُوجتے ہو اللہ تعالےٰ کے سوا یہی بُتوں کے تھان اور بناتے ہو جھُوٹی باتیں۔ بے شک جن کو تم پُوجتے ہو اللہ کے سوا وُہ مالک نہیں تمہاری روزی کے۔

یعنی جھُوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھُوٹے خیالات اور اوہام کی پیروی کرتے ہو چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بُت بنا کر کھڑے کر لیے ہیں جنہیں جھُوٹ مُوٹ خُدا کہنے لگے۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

۹۔ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝ (سورہ عنکبوت آیت ۲۵)

اور ابراہیم بولا جو تم نے ٹھہرائے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا بُتوں کے تھان سو دوستی کر کر آپس میں دُنیا کی زندگانی میں۔ پھر دن قیامت کے مُنکر ہو جاؤ گے ایک دُوسرے کے اور لعنت کرو گے ایک کو ایک اور ٹھکانا تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار۔

وجوہِ استدلال

۱۔ ان آیاتِ کریمہ کو نظرِ تحقیق اور فکرِ عمیق سے دیکھنے پر مفسّرینِ کرام کی

تفسیرات سے قطع نظر بھی صاف ظاہر ہو جاتا ہے اور حقیقی صورتِ حال کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان کو ملائکہ اور انبیاء کا پیروں اور مولویوں وغیرہ کا پجاری نہیں کہا بلکہ اصنام و اوثان کا جو ان کی اپنی تراش و خراش سے وجود میں آئے اور ان مورتیوں کا جو وہ آپ گھڑتے تھے اور انہوں نے بھی انہیں پر الٰہ کا اطلاق کیا اور ان کی حقیقت کے متعلّق اس سے زیادہ کچھ نہ بتلا سکے کہ ہم آباؤ اجداد کے مقلّد محض ہیں ان کو دیکھا کہ ان مورتیوں اور مجسّموں کی پوجا کرتے تھے لہٰذا ہم نے بھی پوجا شروع کر دی۔

۲۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان پر اور ان کے معبودات پر اُف کہی اور ان کے خلاف عداوت اور دشمنی کا اعلان کیا اگر یہ مجسّمے صرف قبلۂ توجہ تھے اور اصل معبودات ملائکہ اور انبیاء و اولیاء تھے تو لازم آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان پر اُف کہی ہو اور ان کے خلاف عداوت اور دشمنی کا اظہار کیا ہو، حالانکہ ان کی عداوت اور دشمنی اللہ تعالےٰ کے ساتھ عداوت اور دشمنی کے مترادف ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورہ البقرہ آیت ۹۸)

جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اور اس کے ملائکہ اور رسل کا (بالعموم) اور جبرئیل و میکائیل کا (بالخصوص تو وہ کافر ہے اور) تحقیق اللہ تعالےٰ کافروں کا دشمن ہے۔

اور حدیثِ قدسی ہے: (بخاری شریف صفحہ ۹۶۳ جلد ۲)۔

من عادٰی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب (صفحہ ۹۶۳ جلد ۲)

جو میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرے تو مَیں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہُوں۔ اور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فرمان ہے:

من عادی للہ ولیا فقد بارز اللہ بالمحاربۃ۔

جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کے ساتھ عداوت رکھی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو للکارا جنگ کے لیے۔

نیز ماں باپ کو اُف کہنا حرام ہے۔ قال تعالیٰ:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (سُورہ بنی اسرائیل ۲۳)

تو ملائکہ اور انبیا و اولیاء جیسی بلند مرتبت ہستیوں کو اُف کہنا کیونکر روا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر ایسے مقدّس لوگوں کی بے ادبی کیونکر کر سکتے تھے۔ لہٰذا مہرِ نیمروز کی طرح واضح اور روشن ہوگیا کہ وُہ قوم انہیں صور و تماثیل اور اصنام و اوثان۔ اور پتّھر کے گھڑے ہُوئے مجسّموں کو پُوجتی تھی اس لیے آپ نے ان کے نہ کھانے اور نہ بولنے کی بات کی اور ان سے کہا کہ اپنے انہیں خُداؤں سے دریافت کرلو۔ جب وُہ معبُود ہی نہیں تھے بلکہ صرف قبلہ توجّہ تھے تو پھر ان پر طنز و تشنیع اور ان کی عاجزی اور بیچارگی کے اظہار کا کیا مطلب؟ کیا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السّلام کو ان مشرکین کا اصل عقیدہ و نظریہ معلوم نہ ہو سکا تھا؟ کہ یہ ان مُورتیوں کو نہیں پُوجتے بلکہ یہ تو صرف قبلہٗ توجّہ ہیں اور علاّمہ سرفراز صاحب کو ان کا اصل عقیدہ

معلوم ہو گیا؟ یا للعجب۔

۳۔ نیز حیرت کی بات یہ ہے کہ پوجنے والے کہتے ہیں کہ ہم ان مورتیوں اور ان پتھروں کو پوجتے ہیں اور ان کے وکیل علامہ سرفراز صاحب کہتے ہیں نہیں بالکل نہیں کوئی باہوش آدمی بے جان مورتی کی پوجا کیسے کر سکتا ہے؟

یا للعجب ولضیعة الدرایة والدرب ولفقدان العقل والنظر۔

۱۰۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا۔

(سورہ الاعراف آیت ۱۹۴-۱۹۵)

جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو تو ان کو پس چاہیے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو کیا کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں۔ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں۔ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ○

(سورہ الاعراف آیت ۱۹۵)

تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شریکوں کو، پھر برائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو۔

علامہ عثمانی فرماتے ہیں :

ان آیات میں بُت پرستی کا رَد فرماتے ہیں یعنی جو کسی کو پیدا نہ کر سکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہُوا ہو وُہ تمہارا خُدا یا معبُود کیونکر ہو سکتا ہے؟ جن بُتّوں کو تم نے معبُود ٹھہرا لیا ہے اور خُدائی کا حق دیا ہے وُہ تمہارے کام تو کیا آتے جو اپنی حفاظت پر قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دُوسری پر تفوق اور امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ گو ان کے ظاہری ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان سب کچھ تم بناتے ہو لیکن ان اعضاء میں وُہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جا سکے۔ نہ تمہارے پُکارنے پر مصنوعی پاؤں سے چل کر آ سکتے ہیں اور نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں۔ نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سُن سکتے ہیں۔ اگر پُکارتے پُکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وُہ تمہاری آواز سُننے والے نہیں۔ اور اس پر چلنے والے یا اس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم ان کے سامنے چِلاؤ یا خاموش رہو، دونوں حالتیں یکساں ہیں، نہ اس سے فائدہ نہ اس سے نفع۔ تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک اور مخلوق ہونے میں تم جیسی عاجز اور درماندہ بلکہ وجود اور کمالاتِ وجُود میں تم سے بھی گئی گزری ہوں انہیں خُدا بنا لیا جائے اور جو اس کا رَد کرے اسے نقصان پہنچنے کی دھمکیاں دی جائیں۔ (ص۳۰۵)

اقول - جس طرح ابراہیم علیہ السّلام نے بُت خانہ میں جا کر بُتّوں سے فرمایا کیا وجہ ہے کھاتے کیوں نہیں تمہاری شکل تو کھانے والوں جیسی ہے،

تمہیں کیا ہے بولتے کیوں نہیں تمہاری شکل تو بولنے والوں جیسی ہے اسی طرح یہاں بھی فرمایا گیا کہ ان کی شکل وصورت تو تم نے اپنے جیسے بندوں والی بنائی لیکن ان میں چلنے پھرنے، پکڑنے اور دیکھنے سُننے وغیرہ کی طاقت تو پیدا نہ ہو سکی لہٰذا وُہ تم سے بھی عاجز و بے بس، تو اپنے سے بھی کمزور اور معذور تر مخلوق کو اپنا معبود بنا لینے کا کیا مطلب؟ گویا اللّٰہ تعالےٰ کے نزدیک وُہ اربابِ عقل وخرد اس فہمائش کے قابل ہیں کہ انہیں کہا جا رہا ہے کہ اپنے سے گئی گزری چیزوں کو معبُود کیوں بنا رکھا ہے مگر علاّمہ سرفراز صاحب فرماتے ہیں بے جان مُورتیوں کی کوئی باہوش آدمی عبادت نہیں کر سکتا اور نہ کوئی عقلمند ان کے حق میں یہ باور کر سکتا ہے۔ پتہ نہیں علاّمہ صاحب اللّٰہ تعالےٰ اور رسُول مقبُول صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی عقلمند باور کرتے ہیں یا نہیں؟ چہ جائیکہ اپنے مولانا شبیّر احمد عثمانی کو نعوذ باللّٰہ۔

ع
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

ضروری تنبیہ: علاّمہ صاحب کے دیگر حسینیُ المشرب پیر بھائیوں نے اصحاب قبور انبیاء کرام اور اولیاء عظّام کو پاؤں اور ہاتھوں، آنکھوں اور کانوں سے محروم ثابت کر دیا اور اس آیتِ کریمہ سے ان کے سُننے دیکھنے سے قاصر ہونے اور امداد و اعانت سے معذور ہونے پر استدلال کیا ہے مگر علاّمہ صاحب اہلِ قبور کے سُننے دیکھنے کے قائل ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں تو پھر اِن کا عقیدہ غلط ہے اور اگر اِن کا عقیدہ صحیح ہے تو پھر اُنکا غلط ہے حضرات انبیاء علیہم السّلام کا شبِ معراج بیت المقدّس میں جمع ہونا

(احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے نیز مولوی شاہ اسمٰعیل دہلوی کے اعتراف کے مطابق) نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا سیّد احمد بریلوی کو چھوہارے کھلا کر فنا فی الرّسُول کے مقام تک پہنچانا، حضرت قطبُ الدّین بختیار کاکی رحمۃُ اللہ علیہ کا سیّد احمد بریلوی کو مزار شریف پر مراقبہ کے دوران چشتی سلسلہ کا فیض دینا اور اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور خواجہ بہاؤ الدّین نقشبندی رضی اللہ عنہ کا دہلی میں آکر ان کو قادری اور نقشبندی سلسلہ کی ولایت دینا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سیّد احمد بریلوی کو اچھی طرح غسل دینا، اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا اس کو قیمتی لباس زیب تن کرانا جیسے کہ صراطِ مستقیم ص ۲۴۰-۲۴۲ پر مفصّل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس امر کی بیّن برہان اور روشن دلیل ہے کہ انبیاء و اولیاء کو اس آیتِ مُبارکہ کا مصداق بنانا بالکل غلط ہے اور اگر مصداق بنانا صحیح ہے تو مولوی شاہ اسمٰعیل صاحب نے جو کچھ کہا وہ نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدہ زہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت غوثِ اعظم، حضرت شاہِ نقشبند، اور حضرت قطبُ الدّین بختیار کاکی رحمہم اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے فیصلہ پیر بھائی خود کریں کہ ان میں کون بہتان تراش اور افتراء پرداز ہے اور کون سچّا اور کون کذاب ہے؟

۱۱- يَآ اَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ

مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○ (سورۂ حج آیت ۷۳)

اے لوگو ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں۔ اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں وہ ان سے۔ بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :

یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ سب مل کر صرف ایک مکھی پیدا کر دیں یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ سے کوئی چیز لے جائے تو اس سے واپس لے سکیں۔ انکو خالق السموٰت والارض کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بیحیائی حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور، مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے جس نے ایسی کمزور اور حقیر چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنا لیا۔ (حاشیہ عثمانی)

کیا علامہ سرفراز صاحب کو اپنے اکابر کی تفاسیر اور حواشی دیکھنے کی اور جھوٹے اور بے بنیاد دعوٰی پر نظر ثانی کی جرأت اور ہمت ہے؟ اور راہِ راست کی طرف رجوع کی توفیق و استطاعت ہے؟

۱۲- اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ○ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (سورۂ انبیاء آیت ۹۹)

بیشک تم اور [illegible] ہے دوزخ

کا تم کو اس پر پہنچنا ہے۔ اگر ہوتے یہ بُت معبود تو نہ پہنچتے اس پر سارے اس میں سدا پڑے رہیں گے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس آیتِ کریمہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:
یہ خطاب مشرکین کو ہے جو بُت پُوجتے تھے یعنی تم اور تمہارے یہ معبود سبھی دوزخ کا ایندھن ہیں۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴿سورہ البقرہ آیت ۲۴﴾

اس کا یہ معنی نہیں کہ اصنام (بُت) معذّب ہوں گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بُت پرستوں پر حجّت زیادہ لازم ہو جیسے کہ آگے فرمایا:

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ﴿سورہ انبیاء آیت ۹۹﴾

اور ان کی حسرت بڑھے اور حماقت زیادہ واضح ہو کہ جن سے خیر کی توقّع رکھتے تھے وُہ آج خود اپنے آپ کو نہ بچا سکے پھر ہماری حفاظت کیا کر سکتے ہیں۔

تنبیہ: ماتعبدون من دون سے مراد یہاں صرف اصنام ہیں کیونکہ خطاب انہیں کے پرستاروں سے ہے لیکن اگر مَا کو عام رکھا جاتے تو بشرط عدم المانع کی قید معتبر ہوگی یعنی جن فرضی معبُودوں میں کوئی مانع دخول نار سے نہ ہو وُہ اپنے عابدین کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں گے مثلاً شیاطین اور اصنام۔ باقی حضرت عزیر، حضرت مسیح اور ملائکۃ اللہ جن کو بہت لوگوں نے معبُود ٹھہرالیا ہے ان حضرات کی مقبولیت اور وجاہت مانع ہے کہ معاذ اللہ اس عموم میں شامل رکھے جائیں۔ اس لیے آگے تصریحاً فرما دیا:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ (سورہ الانبیاء آیت ۱۰۱)

بیشک جن کے لیے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وُہ اس سے دُور رہیں گے۔ (حاشیہ عثمانی)

اقول: علامہ سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء تو داخل ہو نہیں سکتے ورنہ انکا دوزخی ہونا لازم آئے گا جو سراسر لغو اور باطل ہے۔ اور اصنام محض قبلہ توجہ تھے اصل معبود و مسجود وُہ تو تھے نہیں جیسے کہ علامہ سرفراز نے دعویٰ کیا ہے، تو پھر ان کو بھی دوزخ میں داخل کرنے کا کوئی جواز نہیں تو سرے سے اس آیت کا کوئی مصداق ہی باقی نہ رہا حالانکہ اصنام و اوثان بالاجماع اور بالاتفاق بلکہ از رُوئے نص قرآنی جہنم کا ایندھن ہونگے جیسا کہ علامہ عثمانی صاحب نے اس کا حوالہ دیا ہے:

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ (سورہ بقرہ آیت ۲۴)

کہ آتشِ دوزخ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر یعنی اصنام و اوثان اور بُخاری و مُسلم کی متفق علیہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ اصنام اور انصاب دوزخ میں گریں گے

آخر یہ کہاں کا عدل و انصاف ہے کہ اصل معبود چھوڑ کر صرف ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور ان کو عبرت کا سامان بنایا جاتے جو معبود و مسجود تھے ہی نہیں بلکہ محض قبلۂ توجہ تھے اور اصلی معبود کی شکل و صُورت

ذہن نشین کرلنے کا ذریعہ تھے۔ لہٰذا روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ علامہ سرفراز صاحب کا دعویٰ غلط ہے اور نصوصِ قرآنیہ اور شواہد حدیث اور اجماع علماءِ اُمت کی رو سے باطل اور سراسر تحکم اور سینہ زوری اور شریعت کیساتھ استہزاء اور مزاح کے قبیل سے ہے اور قرآن مجید کی صریح آیات کی تکذیب ہے۔

۱۴۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

(سورہ یوسف آیت ۳۹ - ۴۰)

اے رفیقو قید خانے کے بھلا کئی معبود جُدا جُدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اُتاری اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند، حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں :

یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں۔ ان سے لو لگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے یعنی یوں ہی بے سند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے نیچے حقیقت ذرہ برابر نہیں۔ ان ہی نام کے خداؤں کی پوجا کر رہے ہو۔ ایسے جہل پر انسان کو شرمانا چاہیے۔

اقول: حضرت یوسف علیہ السلام کو کیوں نہ پتہ چل سکا کہ یہ نام تو بڑی مُبارک اور متبرک ہستیوں کے ہیں۔ کیا علامہ سرفراز صاحب کو پنج پیر کا پتہ چل گیا مگر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم المرتبت بندے اور نبی کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ تو انبیاء علیہم السلام یا ملائکہ مقربین یا اولیاء کرام کے نام مُبارک ہیں۔ اصل معبود تو یہ ہیں ہی نہیں۔ نیز اسی مضمون کی اور آیات بھی ہیں:

۱۴- اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ج (سورہ نجم آیت ۲۳)

یہ سب نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ نے نہیں اُتاری ان کی کوئی سند، محض اٹکل پر چلتے ہیں اور جو نفسوں کی امنگ ہے یعنی پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جنکی خُدائی کی کوئی سند نہیں، بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہیں خواہ بیٹے یا کچھ اور محض کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ بھی نہیں۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

۱۵- اسی طرح جب حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم عاد نے کہا:

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ج

(سورہ الاعراف آیت ۷۰)

کیا تو اس لیے ہمارے پاس آیا کہ ہم صرف اللہ اکیلے کی عبادت کریں اور چھوڑ دیں انہیں جنکی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے تھے۔ تو آپ نے

ان کے جواب میں یہ بھی فرمایا :

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ

(سورہ الاعراف آیت ۷۱)

کیا تم میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو ایسے ناموں میں جو تجویز کیے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں کی۔

علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں :

بُتوں کو جو کہتے تھے فلاں رزق دیتا ہے اور فلاں مینہ برسانے والا ہے اور فلاں بیٹے دینے والا ہے، وعلیٰ ہٰذا القیاس یہ محض نام ہی نام ہیں جن کے نیچے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں ہے۔ خدائی صفات پتھروں میں کہاں سے آ گئی۔

اقول : الغرض اگر تمام اصنام و اوثان اور تماثیل و مجسّمے اللہ تعالےٰ کے مقبول اور محبوب لوگوں کے نام پر تھے تو پھر یہ خالی نام اور بے حقیقت عنوان تو نہ ہوئے بلکہ ان کے معنون اور مصداق انتہائی معزز و مکرم شخصیات تھیں۔ جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا :

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ

(سورہ صف آیت ۶)

اور میں بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا سے فرمایا :

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْیٰى ۙ (سورہ مریم آیت ۷)

ہم تمہیں ایک بچے کی بشارت دیتے ہیں جن کا نام یحییٰ ہے۔

اور حضرت مریم علیہا السلام کو فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ (سورہ آل عمران آیت ۴۵)

اللہ تمہیں بشارت دیتا ہے اپنے مخصوص کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے۔

اور اپنے بارے میں فرمایا :۔

لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ (سورہ الاعراف آیت ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کے لیے خوب نام ہیں اس کو ان ناموں کے ساتھ پکارو۔

اپنے اسماء کا مصداق اور ان کی واقعیت اور حقیقت بھی بیان فرمائی۔ محمد کریم، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے اسماء کی بھی حقیقت اور ان کے مصداق بھی بیان فرماتے۔ تو یہ خالی نام نہ ہوئے مگر مشرکین کے معبودات خالی نام ہوئے جن کی کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں اور نہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر وہ ان کی حقیقت اور واقعیت بتلا سکے تو یہ قبلۂ توجہ آخر کن کے لیے ٹھہرے جبکہ عبادت کرنے والوں کو بھی پتہ نہیں ہمارا کعبۂ مقصود کون ہے اور اللہ تعالیٰ بھی بار بار یہی فرما رہا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

کاش اس وقت علامہ سرفراز صاحب موجود ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام

کیا خود ان کے معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو بھی کافی و وافی جواب دیتے ایسا جواب جو بالکل لاجواب ہوتا، نعوذ باللہ ۔

سامری کا تیار کردہ بچھڑا اگرچہ ان کے ہاں بنی اسرائیل کا الٰہ اور موسیٰ علیہ السلام کا الٰہ قرار پایا لیکن یہ تو بتلایئے وُہ کس کعبۂ مقصُود کے لیے قبلۂ توجہ تھا۔ اہلِ عرب کا حال اَبُو رجاء عطاردی کی روایت سے ظاہر کہ نیا خوبصورت پتھر مل جاتا تو نہ صرف یہ کہ پہلے کی عبادت ترک کر دیتے بلکہ اس کو پھینک دیتے اور نئے نویلے کی پُوجا شروع کر دیتے اور کوئی بھی نہ ملتا تو مٹی کی ڈھیری جس پر بکری کا دُودھ دوہ لیا جاتا وُہ معبُود بن جاتا۔ آخر یہ شیر بز والی مٹی کس ذاتِ والا صفات کے لیے قبلۂ توجہ ہُوا کرتی تھی اور یہ سفید براق اور ملائم اور جنگلوں سے چُنے ہُوئے پتھر کس ذاتِ اقدس کے لیے قبلۂ توجہ ہوا کرتے تھے۔

دھوکہ دہی

علامہ سرفراز صاحب نے انتہائی فریب کاری اور دھوکہ دہی سے کام لیتے ہُوئے چند مخصوص ناموں والے اصنام اور مجسموں کی پرستش چونکہ مقبولانِ بارگاہِ خُداوند تعالیٰ کے نام پر شروع کی گئی تو ہر جگہ یہی اصُول اور ضابطہ فرض کر لیا حالانکہ یہ سراسر غلط ہے اور خلافِ واقعہ ہے۔

نیز یہ مخصوص اسماء والے مجسّمے بھی خود معبُود سمجھے جاتے تھے اور ان کو پُوجنے والے قطعاً ان کو قبلۂ توجہ قرار نہیں دیتے تھے مگر یہاں فریب کاری یہ کی گئی کہ قبلۂ توجہ بنانے والے تو صرف اللہ تعالیٰ کو پُوجتے تھے اور ان

بُتوں کو صرف اپنے بزرگوں کی یاد دہانی اور ذوق اور سکون حاصل کرنے کے لیے رکھا ہوا تھا اور جو پُوجتے تھے وُہ ان کی ذاتوں کو قطعاً قبلۂ توجہ نہیں سمجھتے تھے مگر اوائل پر اَواخر کا قیاس کر لیا گیا اور غیر مشرک پر مشرکین کو قیاس کر لیا گیا حالانکہ تفسیر در منثور اور تفسیر عزیزی میں بلکہ خود انکے نقل کردہ حوالہ جات میں بھی غیر ارادی طور پر ایسے حوالے بھی آ گئے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے جیسے کہ مفصّل طور پر بیان کروں گا۔

فی الحال یہی عرض کرنا ہے کہ بُتوں کا معبُود و مسجود ہونا ایسی واضح اور بدیہی حقیقت ہے اور قرآن مجید نے اس کو ایسے واضح اور غیر مبہم انداز میں بیان فرمایا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور خود علاّمہ صاحب کے ہم مسلک اور اکابرین علماء نے بھی ترجمہ اور حاشیہ میں اس حقیقت کو برملا اور واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے اس کے باوجود بھی اگر ان کی طرف سے انکار اور انکار ہے اور میں نہ مانوں میں نہ مانوں کی رٹ لگائی جاتی رہے تو ان کے لیے کسی دماغی ہسپتال کی خدمات ہی حاصل کرنی پڑیں گی دُوسری کیا صُورت ہو سکتی ہے؟

اصنام پرستی کا سببِ موجب اور علّتِ باعثہ

بُت پرستی جس قدر بدیہی البطلان اور بیہودہ فعل ہے اسی قدر اس کو قدیم مذہب ہونے کا بھی امتیاز حاصل ہے چنانچہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کو اس فعلِ بد اور قبیح رسم اور کفر و شرک سے

باز رکھنے کے لیے مبعوث فرمایا گیا لیکن ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ اور شب و روز کے وعظ و نصیحت کا بھی اس قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور ان مورتیوں کو اللہ ماننے پر مصر رہے باوجود ان کے بے جان اور جماد ہونے کے اور حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر ماننے پر بھی تیار نہ ہوئے اِلاّ ماشآء اللہ۔ اُلٹا آپ کو بد ترین تشدّد کا نشانہ بناتے رہے اور ہر طرح کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے آزر اور اس کی قوم کو بار بار منع کیا۔ ان بے جان مجسّموں کی دیکھنے سُننے اور نفع رسانی اور ضرر دینے سے عاجزی اور بے چارگی واضح کی اور ان کے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے اور قوم سے کہا ان سے پُوچھو تمہیں کس نے توڑا ہے! یہ اپنا دفاع جب نہیں کر سکتے اپنے توڑنے والے کی شکایت اور اس کی مخبری نہیں کر سکتے تو تمہیں کیا فائدہ اور نفع پہنچا سکتے ہیں لیکن آزر نے اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا کر راکھ بنانے کی سعیِ ناتمام کی:

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ (سورہ الانبیاء آیت ۶۸)

اس کو جلا دو اور اپنے خُداؤں کی مدد کرو اور ان کی طرف سے انتقام لو۔ آزر نے دھمکی دی۔

لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ (سورہ مریم آیت ۴۶)

اگر تم نے میرے ان خُداؤں سے اعراض اور روگردانی جاری رکھی اور ان کے خلاف بولنے سے باز نہ آئے تو میں سنگسار کر دوں گا ورنہ مجھے اپنے

حال پر چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ آپ کو مجبور کر کے نکال دیا گیا لیکن ان مجسموں کو خدا ماننے پر اصرار رہا اور ایسی عظیم ہستی کو نبی و رسول ماننے پر بھی تیار نہ ہوتے۔

حضرت ہود علیہ السّلام کی قوم عاد نے بھی اپنے ان اصنام و اوثان کو تو خدا ماننے پر اصرار کیا لیکن ان کو نبی بھی نہ مان سکے اور آپ نے عذابِ خداوند تعالیٰ سے ڈرایا تو کہا، لے آ عذاب بالآخر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے مگر بت پرستی سے باز نہ آئے اور حضرت ہود علیہ السّلام کو نبی ماننے پر بھی تیار نہ ہوتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم طرح طرح کے معجزات آپ سے دیکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے مشاہدہ کرنے کے باوجود بت پرست قوم کو بت پوجتے دیکھتے ہیں تو فوراً ایسے معبود مہیا کرنے اور بنا دینے کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں اور موقعہ ملتے ہی سونے کا بچھڑا بنا کر اس کی پوجا شروع کر لیتے ہیں اور حضرت ہارون[1] کی روک ٹوک کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی قوم آپ سے منہ مانگے معجزے دیکھتی اور مشاہدہ کرتی رہی مگر آپ کی ذاتِ مقدّسہ پر ظلم و تشدّد جاری رکھا حتیٰ کہ شہید کرنے کا عزمِ مصمّم کر لیا۔ آپ نے ہجرت فرما لی پھر بھی آرام و سکون سے مدینہ منوّرہ میں بھی نہ بیٹھنے دیا ایسی ہستی جس نے چاند کے ٹکڑے کر دکھلائے درخت جڑوں سمیت چلا دیئے، پتھر پانی پر تیرا دیئے، پتھروں اور جانوروں سے اپنی رسالت کی گواہی دلوا دی ان کو تو رسول اور نبی ماننے

[1] علیہ السّلام۔

کو بھی تیار نہ ہوتے تھے اور ان بے جان مجسموں اور سُننے دیکھنے چلنے پھرنے اور پکڑنے تھامنے سے محروم مُورتیوں کو اللہ اور معبُود مانتے رہے تو یہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ ایسا کیوں ہوتا رہا۔

اگر ان مجسموں میں سے بعض صالحین عباد کے نام پر تھے تو بھی بے جان مُورتیاں ہی تھیں اور ان کے مقابل صالح ترین ہستیاں اور بے مثل سیرت و کردار والی شخصیات اور معجزات و خوارق عاداُت دکھلانے والی مقدس ذاتیں موجود تھیں جن کو وُہ نبوّت کا درجہ بھی دے کر راضی نہیں تھے مگر ان کو اللہ اور معبُود ماننے پر مصر اور اصرار کر رہے تھے اور دنیوی طور پر تباہی و بربادی اور ہلاکت و فنا اور نیستی و نابودی اختیار کر رہے تھے مگر اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی طرف بُلانے والوں کی دعوت قبول کرنے کو تیار نہیں تھے تو اس کا سبب باعث اور علّتِ موجبہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور اس طرف رغبت و میلان کی وجہ وجیہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ تو جو کچھ اکابرینِ ملت کے ارشادات سے ہمیں سمجھ آئی ہے وُہ یہ ہے کہ وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور اس کے حسین مجسموں میں حلول کے قائل تھے اور بغیر جسم کا خُدا اور صُورت و شکل سے پاک خُداوند تعالیٰ ان کے عقول و اذہان قبول ہی نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ایسے مقامِ تنزیہہ تک ان کے لیے رسائی ممکن تھی اس لیے وُہ مظاہر کی طرف بھاگتے تھے جیسے کہ قومِ مُوسیٰ[1] کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔

۲۔ نیز ان میں اندھی تقلید کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی۔ وُہ دلائل و براہین اور

[1] (علیہ السلام)۔

حکمت و منطق نام کی کوئی شے نہ جانتے تھے اور نہ مانتے تھے اس لیے جب
بھی عاجز اور بے بس ہوتے تو یہی سند اور دلیل دیتے۔

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ (سورہ الانبیاء آیت ۵۳)

کچھ معلوم نہیں بس ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی پوجا کرتے دیکھا
لہٰذا ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

کانوا یقولون ان فی عبادۃ الاصنام عزۃ من حیث القرب والنظر الیھا وعرض الحوائج علیھا واللہ لا یری ولا یصل الیہ احد۔ (تفسیر کبیر ص ۳۶ جلد نمبر ۷)

مشرکین کہتے تھے کہ بتوں کی پرستش میں عزّ و وقار ہے، قرب اور
مشاہدہ کے لحاظ سے اور حاجات رو برو ہو کر پیش کرنے کے لحاظ سے جبکہ
اللہ تعالیٰ نہ دیکھا جاتا ہے اور نہ اس تک کسی کو رسائی اور وصل حاصل ہے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

لعلھم کانوا من المجسمۃ فاعتقدوا جواز حلول الرب فیھا فعبدوھا علیٰ ھٰذا التاویل۔

شاید کہ بت پرست لوگ مجسمہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے تھے پس
انہوں نے ان تیار کردہ مجسموں میں رب تبارک و تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ
بنا لیا اور اس عقیدہ و نظریہ کے تحت ان کی عبادت شروع کر دی۔

(تفسیر کبیر ص ۲۱۹ جلد اول)

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی فرماتے ہیں :

"قومِ نوح علیہ السّلام را اصل مرض آں بود کہ در طلبِ تقرب الی اللہ استعانت در حوائجِ خود بتوجّہ الی المظاہر الکاملہ من ارواح الاولیاء گرفتار بودند وتقرّب بسوئے مرتبہ تنزیہ واستعانت بآں مرتبہ اصلا در ذہنِ ایشاں گنجائش نمی کرد۔"

حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم کو دراصل یہ مرض لاحق تھا کہ قربِ خداوندی کی طلب میں اور اپنے حاجات میں باری تعالیٰ کی اعانت حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مظاہرِ کاملہ یعنی ارواحِ اولیاء کی طرف رغبت اور توجّہ میں مبتلا اور گرفتار تھے۔ محض ذاتِ پاک خداتے بزرگ برتر کا قُرب یا اس سے استعانت کا تصوّر تک بھی ان کے لیے قابلِ قبول نہیں تھا۔

(تفسیر عزیزی ص ۱۱۵ پ ۲۹)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فکان النّاس فی زمن ابراهیم علیه السّلام توغلوا فی بناء المعابد والکنائس باسم روحانیة الشمس وغیرها من الکواکب وصار عندهم التوجّه الی المجرد الغیر المحسوس بدون هیکل یبنیٰ باسمه یکون الحلول فیه والتلبس به تقربا منه امراً محالا

تدفعه عقولهم بادی الرائے -

(حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد اوّل ص۱۴۴)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور دیگر ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کنیسے بنائے تھے ان کی نظر میں کسی ذات مجرد وغیر محسوس کی طرف متوجّہ ہونا بغیر اس کے محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے اور اس میں حلول سمجھا جائے اور اس کی پرستش کرنا باعث تقرّب سمجھا جائے —— بادی الرائے میں ان کی عقلوں میں اور کچھ نہیں آتا۔

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ نمبر ۱۴۴)

۳۔ نیز ان کی عقل اور نظر و فکر میں یہ بات بھی نہیں آسکتی تھی کہ صرف ایک ذاتِ خُداوند جلّ وعلیٰ کی اتنے بڑے جہاں میں اکیلی تدبیر و تصرّف کر سکتی ہے اور معاونین و مددگاروں کے بغیر اس کا انتظام و انصرام کر سکتی ہے۔ اسلئے جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کا مطالبہ کیا تو وہ چلّا اُٹھے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○

(سُورہ ص آیت ۵)

کیا کر دی اس نے اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی۔

یہ بھی بڑے تعجب کی بات ہے۔ یعنی اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا

ہو گی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام اکیلے ایک خُدا کے سپرد کر دیا جائے اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خُداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آئی ہے وُہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے گویا ہمارے باپ دادے بڑے جاہل تھے اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ (حاشیہ عثمانی)

الغرض ان کے اس فاسد و باطل نظریہ و عقیدہ کے تحت اللہ تعالےٰ کے لیے نظامِ کائنات چلانے میں معاونین اور مددگاروں کی ضرورت تھی، اور ان کے یہ معبُود اس ضرورت کو پُورا کرتے تھے اس لیے ان کی الوہیت کی نفی اور ان کی معبُودیت کا انکار ان کے لیے قطعاً قابلِ قبول نہیں تھا اور مزید برآں ان کو عبادت میں ترجیح اس لحاظ سے ہو گئی کہ ان کا قُرب حاصل ہو سکتا تھا اور دیدار و مشاہدہ بھی اور روبرو ہو کر عرض حوائج بھی جب کہ اللہ تعالیٰ نہ دیکھا جا سکتا تھا اور نہ اس تک کسی کی رسائی ہو سکتی تھی اور ان کے زعمِ فاسد میں گو بظاہر ان کے اصنام و اوثان کے حواس و مشاعر وغیرہ نہیں تھے لیکن باطنی طور پر وُہ ان میں موثر قدرت و قوت کے وجود و تحقق کے قائل تھے اسی لیے حضرت ہُود علیہ السلام کو کہا :

ما نری الا اعتراك بعض الٰهتنا بسوء

ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبُود نے تمہیں خبطی اور مجنون بنا دیا ہے۔

اور فتاویٰ عزیزیہ میں مندرج برہمن کے اعتراض سے بھی یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ اہلِ قبور اور اصنام ظاہری طور پر دونوں ہی قوّت و قدرت سے عاری ہیں او۔ اہلِ قبور باطنی قوّت سے حاجت روائی کر سکتے ہیں تو ہمارے اصنام بھی اسی طرح کر سکتے ہیں۔!

صنم سازی، اور صنم پرستی کا آغاز کیسے ہُوا

۱۔ امام بخاری ابن المنذر اور ابنِ مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس[1] سے نقل کیا ہے کہ وُہ اصنام و اوثان جو نوح علیہ السّلام کی قوم میں تھے وہ عربوں کی طرف منتقل ہو گئے۔

وکانوا اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما هلکوا اوحی الشیطان الیٰ قومهم ان انصبوا الیٰ مجالسهم التی کانوا یجلسون انصاباً سموها باسماءهم ففعلوا فلم تعبد حتّٰی اذا هلک اولٰئك ونسخ العلم عبدت۔

یعنی وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔
نوح علیہ السّلام کی قوم کے نیک آدمیوں کے نام پر تھے۔ جب ان کا انتقال ہُوا تو شیطان نے ان کی قوم سے کہا کہ ان کی نشستگاہوں میں مجسمے کھڑے کر دو اور ان کو ان بزرگوں والے ناموں سے موسُوم کر دو چنانچہ انہوں نے شیطان کے کہنے کے مطابق عمل کیا لیکن ان لوگوں نے ان

[1] رضی اللہ عنہما

مجسّموں کی عبادت اور پرستش نہ کی لیکن جب وُہ لوگ فوت ہوگئے اور ان کے بارے میں صحیح معلومات نئی نسلوں کو ہاتھ نہ لگیں تو ان کی پرستش اور عبادت شروع کر دی گئی۔
(تفسیر درمنثور ص۲۶۹ جلد ۶ ۔ بخاری شریف جلد ثانی ص۷۳۲)

۲۔ عبد بن حمید نے محمّد بن کعب سے نقل کیا ہے کہ "وَد"، "سُواع" وغیرہ نیک لوگ تھے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السّلام کے درمیانی عرصہ میں پیدا ہُوئے تھے۔ پس ان کی وفات کے بعد ایسی قوم پیدا ہوئی جوان کی عبادات کے مطابق عبادت کرنا چاہتے تھے تو ابلیس نے ان سے کہا:

لو صورتم صورهم فكنتم تنظرون اليهم

کیا ہی اچھا ہو کہ تم ان کی صُورتیں بنا لو اور ان کو دیکھا کرو۔

چنانچہ شیطان لعین کی تعلیم کے مطابق ان کی شکل وصُورت پر مجسّمے تیار کرلیے گئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی رہی جب وُہ قوم دارِ آخرت کو سدھار گئی اور نئی نسل پیدا ہو گئی تو ابلیس نے ان سے کہا:

انّ الّذين كانوا من قبلكم كانوا يعبدونها فعبدوها

بے شک تم سے پہلے لوگ ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے بھی ان مجسّموں کی عبادت شروع کردی۔

۳۔ ابُوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں محمّد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السّلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود ۔ سواع ۔ یغوث ۔ یعوق اور نسر اور وُہ عبادت گزار بندے تھے۔ ان میں سے ایک کی وفات ہوگئی، تو دُوسرے اس پر انتہائی غمگین اور اندوہگین ہُوئے۔

شیطان انسانی شکل میں نمودار ہو کر ان سے کہنے لگا تم بھائی کی وفات پر بہت غمزدہ اور پریشان ہو تو انہوں نے کہا ہاں ! تو اس نے کہا اگر تمہیں اس سے دلی رغبت ہو تو میں تمہاری عبادت گاہ کے محراب میں اسکی صورت پر مجسمّہ تیار کر دیتا ہوں ۔ اس کو دیکھو گے تو اس بھائی کی یاد تازہ ہو جائیگی انہوں نے کہا نہیں ۔

نکرہ ان تجعل لنا شیئًا فی قبلتنا نصلی الیہ

ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تُو ہمارے قبلہ کی جانب ایسی شے بنائے کہ ہم اس کی طرف نماز پڑھیں ۔ تو اس نے کہا اچھا میں مسجد کے پچھلے حصّے میں بنا دیتا ہوں تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے چنانچہ اس نے اس ایک کا مجسّمہ بنا کر کھڑا کر دیا ۔ حتیٰ کہ وُہ پانچوں فوت ہو گئے اور ابلیس نے ان پانچوں کے مجسّمے تیار کر کے مسجد کے پچھلے حصّے میں نصب کر دیئے ۔ حتیٰ کہ نئی نسلوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر ان کی عبادت شروع کر دی ۔

۴ ۔ ابن جریر اور ابن منذر نے ود ، سواع ، یغوث ، یعوق اور نسر کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے :

ھٰذہ اصنام کانت تعبد فی زمن نوح ۔

یہ بُت ہیں جو نوح علیہ السّلام کے زمانے میں پرستش کیے جاتے تھے ۔

۵ ۔ عبد بن حمید نے ابو مطہر کے حوالے سے امام ابُو جعفر مُحمّد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ " وَدّ " مسلمان آدمی تھا ، اور وُہ لوگوں میں محبُوب اور پسندیدہ شخص تھا جب وُہ مر گیا تو لوگوں نے بابل کے علاقہ میں اس کی قبر

کے ارد اگرد ڈیرے ڈال دیئے اور اس پر جزع فزع کا اظہار کیا۔جب ابلیس نے ان کا نوحہ اور غم و ماتم دیکھا تو انسانی صورت میں سامنے آگیا اور کہا میں نے فوت ہونے والے پر تمہارے غم و اندوہ اور حزن و ملال کا مشاہدہ کیا ہے اگر مناسب سمجھو تو میں اس کی مورتی تیار کر دیتا ہوں وہ تمہاری محفل میں رہے گی اور تم اس کو دیکھ کر اپنے فوت ہونے والے کی یاد تازہ کرتے رہنا انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔چنانچہ شیطان نے اس کی تمثال اور مورتی تیار کی اور انہوں نے اس کو اپنی محفل و مجلس میں نصب کر دیا۔جب ابلیس نے ان کو اس طرح یاد دہانی اور تسکین حاصل کرتے دیکھا تو کہا اگر مناسب سمجھو تو میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں اس کی شبیہ اور مورتی بنائے دیتا ہوں۔تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر پر اس کی شکل و صورت دیکھ کر اپنا ذوق و شوق پورا کرلے گا۔ تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔چنانچہ ابلیس نے یہ کام سرانجام دیا اور ہر ایک کو اپنے گھر میں وہ تصویر اور مجسمہ دیکھ کر اپنا ذوق پورا کرنے کا موقعہ مل گیا۔ان کے بیٹوں نے آباء کو دیکھا کہ وہ ان کے ذریعے صرف ان کی زیارت والی یاد تازہ کرتے ہیں اور پرستش نہیں کرتے چنانچہ انہوں نے بھی اپنے آپ کو اسی دائرہ تک محدود رکھا (لیکن اس کے بعد جب)

وتناسلوا ودرس امر ذکرھم ایاہ حتّٰی اتخذوہ الھا یعبدونہ من دون اللہ قال وکان اول ما عبد غیر اللہ فی الارض ود الصنم الذی سموہ بوَدٍّ۔

ان کی نسلیں پھیلتی رہیں اور یاد تازہ کرنے والا مقصد مٹ گیا حتّٰی کہ

اس کو الٰہ سمجھ لیا جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرنے لگے۔ اَبُو جعفر نے کہا کہ زمین پر پہلے پہل جس غیر اللہ کی عبادت کی گئی وُہ وُدّ نامی صنم تھا جس کو اس ود نامی شخص کے نام سے موسُوم کیا گیا تھا۔

(در منثور ص۲۶۹ جلد ۶ ۔ تفسیر رُوح المعانی ص۷۸ جلد ۲۹ ۔ تفسیر ابنِ کثیر ص۴۲۶ جلد ۴)

۶۔ فاکھی نے ذکر کیا کہ سب سے پہلے اصنام پرستی نوح علیہ السّلام کے دَورِ نبوّت میں پائی گئی ۔ بیٹے اَپنے آباء کے ساتھ بر و احسان اور خلوص و ہمدردی رکھتے تھے (جب باپ فوت ہوتا تو وُہ پریشان رہتے) چنانچہ ایک شخص کا باپ فوت ہوا تو وُہ اس پر بہت غمزدہ اور ملول ہوا پھر اس نے اس کی شکل پر مجسمہ بنایا۔ پس جب کبھی دیدار کا شوق پیدا ہوتا تو اس تمثال اور مجسمہ کو دیکھ لیتا۔ چنانچہ جب وُہ آپ مرگیا تو اس کے بارے میں اسی طرح کیا گیا جیسے کہ اس نے اَپنے باپ کے بارے میں کیا تھا پھر لگاتار یہ طریقہ رائج رہا۔

فمات الآباء فقال الابناء ما اتخذ ھذہ آباءنا الا انھا کانت الھتھم فعبدوھا۔

جب سبھی کے باپ فوت ہوگئے اور بزرگ چل بسے اور نئی پود نمودار ہوگئی تو انہوں نے کہا ہمارے آباء و اجداد نے یہ مجسّمے یونہی نہیں بنا رکھے تھے مگر یہ کہ یہی ان کے معبُودات اور الٰہ تھے تو انہوں نے تماثیل اور مجسّموں کی عبادت شروع کرلی۔

۷۔ عبد بن مردویہ اور ابن المنذر نے اَبُو عثمان سے نقل کیا کہ میں نے یغوث

کو دیکھا جو سیسہ سے تیار کیا ہُوا بُت تھا۔

یحمل علیٰ جمل اجرد فاذا برك قالوا رضی ربکم بھذا المنزل

جو باریک بالوں والے اُونٹ پر لادا جاتا تھا جب وہ اُونٹ بیٹھ جاتا تو کہتے تمہارے رَب نے اس مقام و منزل کو پسند کر لیا ہے۔ (لہٰذا اس کو یہیں اُتار کر نصب کر دو) (تفسیر درِ منثور ص ۲۶۹ - ص ۲۷۰ جلد ۶)

۸۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے "وُد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر" کی پرستش کا آغاز کیونکر ہُوا اس پر روشنی ڈالتے ہُوئے فرمایا:

حضرت ادریس علیہ السّلام کی وفات کے بعد آدم علیہ السّلام کی اولاد میں بُت پرستی شروع ہو گئی اور اس کا سبب یہ بنا کہ حضرت ادریس علیہ السّلام کے تمام لڑکے اولیاء و صلحاء تھے، اور لوگوں کو خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول رکھتے تھے۔ اور ہر ایک نے اپنے لیے مسجد تعمیر کی ہوئی تھی جس میں لوگوں کو ذکر اور طاعت کی دعوت دیتے تھے اور لوگوں کو ان کی موجودگی میں ذوق و شوق حاصل ہوتا اور سرمستی کے ساتھ عبادت میں مصروف رہتے اور لذّت پاتے جب حضرت ادریس علیہ السّلام کے یہ صاحبزادے انتقال کر گئے تو لوگوں کو بہت حسرت اور پریشانی لاحق ہوئی اور ایک دوسرے سے عبادت میں لذّت و سُرور اور ذوق و شوق حاصل نہ ہونے کی شکایت کی تو شیطان لعین نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور ایک بزرگ کی شکل میں عمامہ سر پہ سجائے ہاتھ میں عصا تھامے آ موجود ہُوا اور انہیں عبادت میں ذوق و شوق اور لذّت و سُرور حاصل کرنے کی تجویز بیان کرتے ہُوئے

کہنے لگا کہ ان بزرگوں کی صورتیں پتھر سے تراش لی جائیں، وران کو ہی بزرگوں کا لباس پہنا دیا جائے اور ان کو اپنے مقابل مسجد کے محراب میں نصب کر لو اور انہیں اپنے احوال پر مطلع اور نگران سمجھو کیونکہ اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے۔ اور وہی لذت جو ان کی موجودگی میں حاصل کیا کرتے تھے وہی لذت وسُرور اب ان کی مورتیوں اور تماثیل سے حاصل کرو۔ لوگوں کو اس خبیث کی یہ تدبیر پسند آگئی اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

ابتداء میں تو یوں قرار دیا کہ نماز وعبادت سے فارغ ہو کر جو شخص باہر نکلنے لگے وُہ ان مجسّموں اور مورتیوں کی دست بوسی اور قدم بوسی کر کے باہر نکلے تاکہ جماعت میں اس کی حاضری ارواحِ بزرگاں کے پاس اور ان کے سامنے ثابت ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دیں اور شفاعت کریں کہ اس شخص نے ہمارے ساتھ تیری عبادت میں شرکت کی ہے۔

"رفتہ رفتہ چنیں رواج یافت کہ محض قدم بوسی و دست بوسی آں تصاویر کردہ بیرون مسجد می رفتند وعبادت و ذکر مطلق موقوف شد تا ایں کہ بجائے قدم بوسی خاکبوسی وسجدہ رائج گشت۔ پدرِ نوح علیہ السّلام ہمیشہ مردم را ازیں فعلِ شنیع ممانعت میکرد ولیکن مردم باز نمی آمدند تا آنکہ حق تعالیٰ حضرت نوح علیہ السّلام را برسالت فرستاد۔" (تفسیر عزیزی ص۱۳۱ ص۱۴۱ جز۲۹)

رفتہ رفتہ اس طرح رواج ہو گیا کہ محض ان مجسّموں کی قدم بوسی اور دست بوسی کر کے مسجد سے باہر چلے جاتے تھے اور عبادت اور ذکر خداوند تعالیٰ مطلقاً موقوف ہو گیا پھر معاملہ یہانتک بڑھا کہ قدم بوسی کی بجائے خاک بوسی

اور سجدہ کرنے کا رواج ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السّلام کے باپ لوگوں کو اس بُرے فعل اور قبیح عمل سے منع کرتے تھے لیکن وُہ لوگ اس حرکت سے باز نہیں آتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السّلام کو رسُول بنا کر مبعوث فرمایا۔

۹۔ علّامہ ابن القیمؒ نے کہا :

قال غیر واحد من السلف کان ھٰؤلاء قوما صٰلحین فی قوم نوح فلما ماتوا عکفوا عَلیٰ قبورھم ثم صوروا تماثیلھم ثم طال علیھم الامد فعبدوھم۔

(اغاثۃ اللھفان صـ۱۸۴ - البدایہ والنہایہ صـ۱۰۶ جلد ۲ - گلدستۂ توحید صـ۵۹)

اکثر حضراتِ سلف کا بیان ہے کہ یہ پانچ حضرات نوح علیہ السّلام کی قوم کے نیک لوگ تھے جب وُہ وفات پا گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر مجاوری اختیار کر لی۔ پھر ان کی تصویریں اور مجسّمے بنا لیے۔ پھر جب کافی زمانہ گزر گیا تو ان کی عبادت شروع کر دی۔

۱۰۔ علّامہ ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ اور تفسیرِ ابنِ کثیر میں فرماتے ہیں :

کانوا قوما صٰلحین من بنی اٰدم ولھم اتباع یقتدون بھم قال اصحابھم الذین یقتدون بھم لوصورناھم کان اشوق لنا الیٰ العبادۃ اذا ذکرناھم فصوروھم فلما ماتوا وجاء اٰخرون دبّ الیھم ابلیس فقال انما کانوا یعبدونھم وبھم یسقون المطر فعبدوھم۔

یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نیک لوگ تھے اور کچھ لوگ ان کے تابع اور مقتدی تھے جو ان کی پیروی کرتے تھے انہوں نے کہا اگر ہم ان کی مورتیاں بنالیں تو خداوند تعالیٰ کی عبادت میں ان کے ذریعے زیادہ ذوق شوق پیدا ہو جائے گا۔ جبکہ ہم ان کو یاد کریں گے (اور ان کی عبادت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آئے گا) چنانچہ انہوں نے ان کی مورتیاں بنا دیں۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور دوسری نسلیں ان کی جگہ آگئیں تو شیطان ان کی طرف کھسکا اور انہیں کہا کہ تمہارے اسلاف ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہیں کی وجہ سے ان پر بارش برستی تھی چنانچہ انہوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔

فائدہ: تفسیر ابن جریر میں بھی بعینہٖ یہی عبارت مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۶۲ جز ۲۹۔

علامہ سرفراز صاحب کی کتمانِ حقیقت کی سعی،

نوٹ: علامہ سرفراز صاحب نے تفسیر درمنثور، تفسیر عزیزی کے نام گنوا دیئے مگر عبارت کسی کی بھی درج نہیں کی اور البدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر کی عبارت درج کی لیکن ادھوری یعنی فصوروهم تک اور جہاں سے ان کی ابلیس کے ورغلانے پر پچھلی نسلوں نے عبادت شروع کی اس کو ترک کر دیا۔ صرف علامہ ابن القیم کی عبارت میں اس حقیقت کا اعتراف ہو گیا۔

ثم طال علیھم الا مد فعبدوھم

پھر ان پر زمانہ بیت گیا اور دراز عرصہ ہو گیا تو ان لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔ اسی طرح بُخاری شریف میں مذکور حضرت عبداللہؓ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی سرے سے ذکر نہ کی حالانکہ "لات" بُت کے بارے میں بُخاری شریف کی اس جلد کا حوالہ دیا تو آپ کو ود۔ سواع اور یغوث۔ یعوق اور نسر کا ذکر کیوں نہ دکھائی دیا۔ حالانکہ امام بُخاریؒ نے انہیں ناموں کو باب کا عنوان قرار دیا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علاّمہ صاحب نے حقیقتِ حال کو چُھپانے کی اور اپنے قارئین کو دھوکہ دینے کی پُوری پُوری کوشش کی ہے کیوں کہ جو چیز حقیقت میں شرک تھی اور جن لوگوں نے یہ مشرکانہ فعل شروع کیا ان کی نشاندہی ضروری تھی تاکہ غیر مشرک کو مشرک قرار دینے کی غلطی لازم نہ آئے۔ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اوانؑ نے ان معظّمین کے مجسّموں کو مسجد کے محراب میں بنانے کی اجازت ہی نہیں دی تھی کیونکہ اس طرح ان کی طرف سجدہ کرنا لازم آئے گا اور مسجد کے آخری حصّے میں ان مُورتیوں کے تیار کرنے کی اجازت دی تو ایسے لوگوں کو مُشرک قرار دینا کس قدر ظلمِ عظیم ہو گا۔

اسی طرح جن لوگوں نے ان کی موجودگی کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ذوق شوق پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھا اور ان کی عبادت اور پُوجا پاٹ کو روا نہیں رکھا تھا ان پر بھی شرک جلی کا فتوٰی سراسر ظلم اور زیادتی ہے، اور ایسے ظلم و عدوان کا سبب بننا بھی سراسر ظلم ہے۔

لہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن کثیر نے بھی وُہ روایت ذکر کی ہے جو ہم نے تفسیر درِ منثور کے حوالے سے امام ابُو جعفر سے نقل کی اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اس کو ذکر کیا جس کا یہ جملہ قابلِ غور ہے:

وتناسلوا ودرس امر ذکرهم اياه حتّٰى اتخذوه الٰها يعبدونه من دون الله اولاد اولادهم -

حتّٰی کہ ان کی نسلیں پھیلیں اور وُدّ کی یادگیری والا عندیہ اور نظریہ مٹ گیا یہاں تک کہ ان کی اولاد کی اولاد نے اس مجسمہ کو الٰہ بنا لیا جس کی وُہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے تھے اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ اوائل صرف ان کو ہاتھ لگایا کرتے تھے اور مہلائیل کے دُور تک یہی کیفیت رہی۔

فعبدوها بتدريج الشيطان لهم ثم صارت سنة فى الجاهلية فى العرب - (ص۵۱۲ جلد ۸)

پس انہوں نے شیطان کے درجہ بدرجہ شرک کی طرف لے جانے کی وجہ سے ان مُورتیوں کی عبادت شروع کر لی بعد ازاں دَورِ جاہلیت میں عربوں میں بھی بُت پرستی کا رواج ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "الفوز الکبیر" میں بھی یہی تحقیق فرمائی ہے:

وكانوا ينحتون من الحجر والصفر وغير ذلك صوراً يتخذونها قبلة التوجه الى تلك الارواح حتّٰى يعتقد الجهال شيئاً فشيئاً تلك الصور

معبودة بذواتها فيتطرق بذالك خلط عظيم مہ۔

وُہ لوگ پتھر اور پیتل وغیرہ سے مُورتیاں بناتے تھے جنہیں ان ارواح کی طرف توجّہ کے لیے قبلہ بناتے تھے حتّٰی کہ جاہل لوگ آہستہ آہستہ انہیں کو بذاتِ خود معبُود سمجھنے لگے اور اس طرح بے جان مُورتیوں اور ان ارواح میں عظیم اختلاط نے راہ پکڑی۔

رابعاً بيان شناعة عبادة الاوثان وسقوط الاحجار من مراتب الكمالات الانسانية فكيف بمرتبة الالوهية وهذا الجواب مسوق لقوم يعتقدون الاصنام معبودين لذواتهم ۔ مث۔

چوتھی صوُرت ان پر رد و قدح کی یہ تھی کہ بُتوں کی عبادت کی قباحت بیان فرمائی اور ان کا کمالاتِ انسانیہ کے مراتب سے بھی ساقط ہونا چہ جائیکہ مراتب الوہیت پر فائز ہوں اور یہ جواب اس قوم کو دیا گیا جو اصنام کو بذاتِ خود معبود مانتے تھے۔

کیا تصاویر رکھنا حرام تھا!

رہا مُورتیوں اور تصاویر کا معاملہ تو اس دَور میں ان کے بنانے یا بنی بنائی رکھنے کے حرام ہونے چہ جائیکہ شرک ہونے پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم السّلام کی تصاویر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ قدرت سے تیار کرکے آدم علیہ السّلام کو عطا فرمائی تھیں جو یکے بعد دیگرے

انبیاء علیہم السّلام کے پاس رہیں پھر بنی اسرائیل اور اہلِ کتاب کے قبضہ میں آگئیں چنانچہ علاّمہ ابنِ حجر عسقلانی نے حضرت ابُوسفیان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ صاحب بصریٰ نے مجھ سے کہا کہ اگر تجھے نبوّت کا دعویٰ کرنے والی اس شخصیّت کی تصویر دکھائی جائے تو کیا اس کو پہچان لو گے تو مَیں نے کہا ہاں پھر وُہ مجھے ایک عبادت خانہ میں لے گئے اور تصاویر دکھلائیں لیکن مَیں نے آپ کی صُورت ان میں نہ دیکھی۔

ثم ادخلت فی کنیسة اخری فاذا انا بصورة محمّدؐ وبصورة ابی بکر الا انه دونه۔

پھر مجھے دوسرے عبادت خانہ میں داخل کیا گیا تو ناگاہ محمّدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی صُورت اور ابُوبکر (رضی اللہ عنہ) کی صُورت میرے سامنے تھی مگر یہ کہ ابُوبکر کی تصویر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تصویر سے نیچے تھی۔

ابُونعیم نے حلیہ میں اسناد ضعیف کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ہرقل اور قیصر رُوم کے پاس سونے کا صندوقچہ تھا جس کا سونے کا تالا تھا اور اس میں سے اس نے لپیٹا ہوا ریشم کا کپڑا نکالا جس میں تصاویر تھیں اور پھر وُہ تصاویر جناب ابُوسفیان اور ان کے ساتھیوں کے سامنے رکھیں جن کے آخر میں محمّدؐ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی تصویر تھی۔

فقلنا باجمعنا هٰذه صورة محمّدؐ فذکرلهم انها صورالانبیاء وانه خاتمهم صلّی اللہ علیه وسلّم

توہم سب نے بیک زبان کہا کہ یہ محمّدؐ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی

تصویر ہے تو قیصرِ رُوم نے ان کو بتلایا کہ یہ سبھی انبیاء علیہم السّلام کی تصاویر ہیں اور وُہ ان میں آخر الزّمان پیغمبر ہیں۔

حافظ ابنِ کثیر نے زیرِ آیت:

یجدونه مکتوبا عندھم فی التورٰة والانجیل

طبرانی کے حوالے سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللّٰہ عنہ سے نقل کیا، کہ انہوں نے شام میں دیگر تصاویر کے ساتھ نبیِ مکرّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تصویر دیکھی جن کی ایڑی مبارک کو کوئی دُوسرا شخص پکڑے ہوئے ہے تو انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں تو انہیں اہلِ کتاب نے جواب دیا:

انه لم یکن نبی الا کان بعده نبی الا ھٰذا النّبی فانه لا نبی بعده وھٰذا الخلیفة بعده واذا صفة ابی بکر۔

کہ پہلے جو نبی بھی تشریف لایا اس کے بعد نبی کا ظہور ہُوا مگر اس نبی کے بعد دُوسرا کوئی نبی نہیں اور یہ ان کے بعد خلیفہ ہیں تو ناگاہ ابوبکر صدیقؓ والی صفت وکیفیت نظر پڑی۔

حافظ ابن کثیر نے ہی امام حاکم صاحب مستدرک کے حوالے سے ہشام بن العاص اموی ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب بطورِ سفیر قیصرِ رُوم کی طرف ان کو بھیجا گیا تو اس کے ہاں ایک صندوق متعدّد خانوں پر مشتمل دیکھا جن پر قفل لگے ہوئے تھے اور اس نے ہر ایک کو کھول کر اس میں موجود صُورتیں دکھلائیں جو کہ حضرت آدم، حضرت نُوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق،

ؓ رضی اللّٰہ عنہ

حضرت یعقوب، حضرت اسمٰعیل، حضرت یوسف، حضرت موسٰی، حضرت ہارون حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت عیسٰی بن مریم علیہم الصّلوٰۃُ والسّلام اور حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صورتیں تھیں۔ فرماتے ہیں ہم نے قیصرِ روم سے دریافت کیا:

من این لك هٰذه الصور لانا نعلم انها صورت علیٰ ما علیه الانبیاءُ لانا رءینا صُوره نبینا مثله فقال ان اٰدم سأل ربه ان یریه الانبیاء من ولده فانزل علیه صورهم۔

یہ تصاویر تمہیں کہاں سے ہاتھ لگیں کیونکہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں (کہ یہ خیالی اور فرضی صورتیں نہیں ہیں بلکہ) وہ انبیاء علیہم السّلام کی واقعی صفت اور کیفیت پر مشتمل ہیں کیونکہ ہم نے اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صورت کو بالکل ان کے مماثل پایا ہے۔ تو اس نے کہا حضرت آدم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ انہیں اپنی اولاد میں سے ہونے والے انبیاء کا دیدار کرائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انبیاء علیہم السّلام کی صورتیں نازل فرمائیں۔ یہ آدم علیہ السّلام کے خزانہ میں تھیں، منتہائے مغرب میں جناب ذوالقرنین نے ان کو آدم علیہ السّلام کے خزانہ سے نکالا ـــــ پس وہ دانیال علیہ السّلام کے سپرد کیں۔

اور ایسے ہی اس روایت کو حافظ کبیر ابوبکر بیہقی نے دلائل النبوّت میں حاکم سے بطورِ اجازت ذکر کیا ہے وہ سند لاباس بہ ہے۔ ج ۲ ص ۲۵۸-۲۵۹

اور علامہ سرفراز صاحب نے بھی ابن کثیر کی دونوں روایتوں کو اختصاراً اور اجمالاً نقل کیا ہے (گلدستہ ص ۶۳)

الحاصل بطور نقل صحیح و معتبر ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی محیط کے مطابق انبیاء علیہم السلام بلکہ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) تک کی بھی تصاویر بنا کر آدم علیہ السلام کے سپرد فرمائیں اور ان کی واقعیت اور حقیقت کی صحیح ترجمانی اور مستقبل زمانہ میں ظاہر ہونے والی شخصیات کی صحیح عکاسی سے بھی یہ یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ علیم بکل شیئ نے ہی ان کو قلمِ قدرت سے تیار فرمایا اور اپنے خلیفۂ اول کے سپرد فرمایا جنہوں نے ان کو زندگی بھر حرزِ جان بنائے رکھا اور بعد ازاں بھی مقدس شہنشاہ اور مقدس انبیاء اور پھر اہلِ کتاب اور ان کے اکابر اور خواص کے پاس عزت و احترام سے رکھی رہیں۔

اگر تصاویر کا رکھنا اور ان سے انس اور ذوق و شوق اور سکون و قرار حاصل کرنا کفر و شرک ہوتا بلکہ مکروہ و حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ نہ نازل فرماتا اور نہ ہی اس طرح محفوظ رہنے دیتا لہٰذا ان پانچ مقدس شخصیات کی تصاویر اور مورتیاں رکھنے کی وجہ سے اوائل پر کفر و شرک تو کجا حرام اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب کا فتویٰ لگانا بھی مشکل ہے۔ نیز اگر تصاویر بنانا ان کی شریعت میں ممنوع ہوتا تو وہ مجسمے تیار نہ کرتے اور نہ کسی کو تیار کرنے کی اجازت دیتے جیسے کہ مسجد کے محراب میں ان تماثیل اور مجسموں کو نصب کرنے سے روک دیا اور کہا ہم اس امر کو قطعاً پسند نہیں کرتے کہ ہمارے محراب میں ایسے مجسمے نصب ہوں اور ہم ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔

اور قبل ازیں تعظیم اور عبادت کا فرق علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے لہٰذا مشرک صرف اور صرف وہی لوگ قرار پائیں گے جن کے متعلق عبادت کرنے کی صراحت و وضاحت مذکور ہے۔

عبادتِ اصنام کی حقیقت اور شرک کی علّت ،

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی اس عبارت سے اصنام کی عبادت اور شرک کی علّت واضح ہو جاتی ہے جو بدورِ بازغہ سے نقل کی گئی ہے۔

وکفر اللّٰہ سبحانہ مشرکی مکّۃ بقولھم لرجل سخی
کان یلت السویق للحجاج انہ نصب منصب
الالوھیۃ فجعلوا یستعینون بہ عند الشدائد

"اور اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکّہ کو کافر قرار دیا کیونکہ انھوں نے اس سخی شخص کے متعلق جو حاجیوں کو ستّو پلایا کرتا تھا یہ نظریہ اور عقیدہ اپنا لیا تھا کہ یہ منصب الوہیت پر مقرر کر دیا گیا ہے تو انہوں نے اس سے مشکلات میں استعانت و استمداد شروع کر لی"۔

اور قبل ازیں علامہ تفتازانی کی تصریح ذکر کی جا چکی ہے کہ مجوس غیر اللہ میں الوہیت بمعنی وجوب الوجود تسلیم کرتے ہیں اور بُت پرست بُتوں میں الوہیت بمعنی استحقاق العبادات تسلیم کرتے ہیں۔ نیز مشرکینِ مکّہ قبور میں حیات و زندگی تو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے لہٰذا مقبور جسم کے حق میں قطعاً ان کا یہ عقیدہ ہی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی زندگی میں اس کی پرستش کی گئی

تو لامحالہ اس کے نام پر لات نامی بُت میں ہی الوہیت تسلیم کی اور اس کی عبادت شروع کردی کیونکہ ان کا عقیدہ قرآنِ مجید نے بیان کرتے ہوئے فرمایا،

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا (سورہ المومنون آیت ۳۷)

بس یہ صرف دُنیا کی زندگی ہے زندہ رہیں گے اور مر جائیں گے۔

حتیٰ کہ بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ قلیب کو ندا و خطاب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا :

انیٰ یسمعوا وانیٰ یجیبوا وقد جیفوا

یہ لوگ سُن کیسے سکتے ہیں اور جواب کیسے دے سکتے ہیں جب کہ مُردار ہو چکے ہیں۔

گویا اس وقت تک اہلِ اسلام بھی قبور کی حیات اور عذاب و ثواب سے آگاہ نہیں تھے اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی:

ما انتم باسمع لما اقول منھم ولٰکن لا یجیبون۔

تم ان سے کوئی زیادہ نہیں سُننے والے، لیکن ان کا جواب تمہارے کانوں تک نہیں پہنچ رہا۔

تب صحابہ کرام اور بعد والے اہلِ اسلام نے یہ عقیدہ اپنایا :

۲۔ اس طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ اللہ البالغہ کی اس عبارت سے بھی غیر اللہ کی عبادت کا مدار کس امر پر ہے اور کفار و مشرکین یہ عبادت کس زعم پر کرتے تھے ۔ اس کی پوری پوری وضاحت ہو

جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مشرکین اہلِ اسلام کے ساتھ اس امر میں تو موافق تھے کہ اللہ تعالیٰ امور عظام کی تدبیر و تصرّف میں مستقل اور متفرد ہے اور ایسے ہی وُہ کام بھی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود کرنے کا عزم بالجزم کر رکھا ہے اور کسی دُوسرے کو ان میں تصرّف کا اختیار نہیں دیا لیکن دُوسرے امور میں مُسلمانوں کے ساتھ انہوں نے اتّفاق و موافقت نہیں کی۔

ذھبوا الیٰ ان الصّٰلحین من قبلھم عبدوا اللّٰہ فتقربوا الیہ فاعطاھم الالوھیۃ فاستحقوا العبادۃ (الیٰ) وقالوا ھٰؤُلاء یسمعون ویبصرون ویشفعون لِعُبّادھم ویدبرون امورھم وینصرونھم فنحتوا عَلیٰ اسماءھم احجاراً وجعلوھا قبلۃ عند توجھھم الیٰ ھٰؤُلاء۔ (ص ۵۹ جلد۔ ۱)

بلکہ مشرکین اس نظریہ کے قائل ہو گئے کہ ہم سے پہلے گزرے ہُوئے صالحین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پس اس کے مقرّب بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت دیدی لہٰذا وُہ عبادت کے مستحق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ لوگ سُنتے اور دیکھتے ہیں اور اپنے عبادت گزاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے معاملات سدھارتے اور مشکلات حل کرتے ہیں اور نصرت و امداد دیتے ہیں۔ پس ان کے ناموں پر پتھر گھڑ لیے اور ان اصنام و تماثیل کو ان کی طرف توجّہ کے لیے قبلہ بنا لیا۔

اس سے بھی صاف ظاہر کہ انہوں نے کچھ معاملات میں ان کو اللہ تعالےٰ

کے ساتھ تدبیر و تصرّف میں شریک مان لیا اور ان میں الوہیت تسلیم کر لی بمعنی تدبیر و تصرّف بھی اور بمعنی استحقاق عبادت بھی پھر ان کے ناموں پر فرضی تصاویر و تماثیل بنالیں اور ان کو ان مقرّبین کی طرف توجّہ کے لیے قبلہ بنا لیا۔

ضروری تنبیہ : علاّمہ سرفراز صاحب کی تدلیس :

اس عبارت کا آخری حصّہ علاّمہ سرفراز صاحب نے اپنی عادتِ تدلیس کے تحت چھوڑ دیا تاکہ حقیقتِ حال واضح نہ ہو جائے۔ وُہ ملاحظہ ہو :

فخلف من بعدهم خلف فلم يفطنوا للفرق بين الاصنام وبين من هي على صورته فظنوها معبودات باعيانها ولذٰلك رد الله عليهم تارة بالتنبيه على ان الملك والحكم له خاصة وتارة ببيان انها جمادات الهم ارجل يمشون بها ام لهم ايد يبطشون بها ام لهم آذان يسمعون بها

بعد میں آنے والے لوگوں نے اصنام میں اور جن کی صُورتوں پر اصنام بنائے گئے تھے ان میں فرق نہ سمجھتے ہُوئے انہیں کی ذاتوں کو معبُودات سمجھ لیا اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کبھی اس تنبیہ کے ساتھ کیا ہے کہ ملک اور حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور کبھی یہ بیان کر کے کہ وُہ جمادات ہیں کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں۔ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے

ہیں۔ کیا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ سُنتے ہیں۔ گویا جب ان میں یہ اعضاء اور حواس موجود نہیں تو وُہ تم سے بھی عاجز اور ضعیف ہیں پھر ان کی عبادت کرنے کا کیا جواز ہے کیونکہ معبُود لا محالہ عابد سے قوی اور توانا ہو نا ضروری ہے اور ایسے معذور و مجبُور مجسّموں کو پُوجنا بہت بڑی حماقت اور انتہاء درجہ کی جہالت کا مظاہرہ ہے مگر علاّمہ سرفراز صاحب نے صرف یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اصنام صرف قبلہ ترجّہ تھے معبُودِ حقیقی نہیں تھے حالانکہ یہ دعوٰی صرف شاہ صاحب پر ہی بہتان نہیں بلکہ کلام مجید کو بھی جھُٹلانے کے مترادف ہے۔ اور یہی تحقیق دیگر اکابر مفسّرین نے بھی بیان فرمائی ہے کہ مشرکین محض ان تصاویر و تماثیل کے دیدار پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی عبادت کرتے تھے۔

۳۔ چنانچہ حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں: قال تعالیٰ:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ
(سُورہ زمر آیت ۳)

ای انما یحملھم علیٰ عبادتھم لھم انھم عمدوا الیٰ اصنام اتخذوھا علیٰ صور الملٰٓئکۃ المقربین فی زعمھم فعبدوا تلک الصور تنزیلا لذٰلک منزلۃ عبادتھم ھٰولاءِ الملٰٓئکۃ یشفعوا لھم عنداللہ فی نصرھم ورزقھم وما ینوبھم من امور الدنیا فاما المعاد فکانوا جاحدین لہٗ کافرین بہ۔

(ص۴۵ جلد ۴)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا حمایتی فرض کر رکھے تھے انہوں نے کہا ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قرب پر فائز کر دیں یعنی ان کو ان حمایتیوں کی عبادت پر یہ امر برانگیختہ کرتا تھا کہ انہوں نے ایسے اصنام کی طرف قصد و ارادہ کیا جن کو ملائکہ مقربین کی صورتوں پر بنا رکھا تھا اپنے زعم اور خیالِ فاسد کے مطابق پس ان صور و تماثیل اور اصنام کی عبادت شروع کی اسکو ملائکہ مقربین کی عبادت کی جا بجا قرار دیتے ہوئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں نصرت و اعانت میں اور رزق و روزی میں اور دنیوی حوادث و مشکلات میں لیکن قیامت (میں امداد و اعانت اور شفاعت مراد نہیں کیونکہ وہ تو اس کے منکر تھے اور اس کے ساتھ کفر کرنے والے تھے۔

۴۔ امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

انهم وضعوا هٰذه الاصنام والاوثان علٰى صور انبياءهم واكابرهم وزعموا انهم متى اشتغلوا بعبادة هٰذه التماثيل فان اولٰئك الاكابر تكون شفعاءهم عند الله ۔ (تفسیر کبیر ص۱/۴)

ان مشرکین نے یہ اصنام اور اوثان اپنے انبیاء اور اکابرین کی صورتوں پر تیار کیے اور یہ اعتقادِ فاسد جمایا کہ وہ جب ان مورتیوں اور مجسموں کی عبادت کے ساتھ مشغول ہوں گے تو وہ انبیاء اور اکابرین ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کریں گے۔

۵۔ علامہ سیّد شریف جرجانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

بُت پرست دو واجب الوجود خُداؤں کے قائل نہیں اور نہ وُہ اصنام اور اوثان کو صفات الوہیت کے ساتھ موصوف و متصف مانتے ہیں اگرچہ اللہ کا لفظ بولتے ہیں۔

بل اتخذوھا علیٰ انھا تماثیل الانبیاء والزھاد اوالملٰٓئکۃ اوالکواکب واشتغلوا بتعظیمھا علیٰ وجہ العبادۃ توصلا بھا الیٰ من ھو الٰہ حقیقۃ

(شرح مواقف ص۶۴۵ مطبع نولکشور)

بلکہ انہوں نے ان صور و تماثیل کو اختیار کیا کہ وُہ انبیاء اور زاہد لوگوں کی تصاویر ہیں یا ملائکہ مقربین یا ستاروں کی اور ان اصنام و اوثان کی عبادت کے طور پر تعظیم و تکریم میں مشغول ہو گئے حقیقی الٰہ کی طرف رسائی کے لیے۔

۶۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قوم حضرت نوح علیہ السّلام را اصل مرض آں بود کہ در طلب تقرب الی اللہ و استعانت در حوائج خود بتوجہ الی المظاہر الکاملہ من ارواح الاولیاء گرفتار بودند۔ و تقرب بسوئے مرتبہ تنزیہ و استعانت باں مرتبہ اصلا در ذہن ایشاں گنجائش نداشت و رفتہ رفتہ ارواح آں اولیاء بسبب کمال انہماک ایشاں درحب دُنیا و تعمیر آں و بسبب قصور ایشاں از ادراک مرتبہ روحیہ نیز از نظر ایشاں غائب شدہ و ارواح شیطانیہ خبیثہ بجائے آنہاں ایشاں را بخود مائل ساختہ می فریفتند تا آنکہ نام نام اولیاء بود و

حقیقت حقیقتِ شیطان ۔ (تفسیر عزیزی صفحہ ۱۱۶ جز ۲۹)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو دراصل یہ مرض لاحق تھا کہ اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی حاصل کرنے میں اور اپنے حاجات میں اعانت و امداد حاصل کرنے میں اولیاء کرام کے ارواح کے مظاہر کاملہ (ان کے صُور و تماثیل) کی طرف توجہ اور التفات میں گرفتار اور مبتلا تھے اور اللہ تعالیٰ کے مرتبہ تنزیہ کا تقرّب اور اس سے استعانت کی بالکل ان کے ذہن میں گنجائش ہی نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ ان اولیاء کرام کے ارواح بھی انکی نظروں سے غائب ہوگئے بسبب ان کے دنیوی محبت میں مکمل انہماک کے اور اس کی تعمیر و ترقّی میں مشغولیت کے اور بسبب روحی مرتبہ اور رُوحانی مقام کے ادراک سے عاجز و قاصر ہونے کے اور ان ارواح طیبہ کی بجائے شیطانی خبیث ارواح نے ان کو اپنی طرف مائل کرکے فریب دینا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ان صور و تماثیل اور اصنام و اوثان پر بولاجانیوالا نام تو اولیاء کرام والا رہ گیا لیکن ان کی حقیقت صرف اور صرف شیطان والی حقیقت رہ گئی۔

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں،

اگر نظرِ ایشاں در عبادت و تقرّب باصل مراتب ارواح اولیاء متوجہ میشد نیز ایشانرا از جانب آں ارواح ہدایتے وارشادے می رسید و بر توجہ الی اللہ ایشاں راجستہ جستہ در منامات و معاملات دلالت می فرمودند و از شرک صریح باز می داشتند ۔ (صفحہ ۱۱۶ جز ۲۹)

اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کی طرف تقرّب میں اروح اولیاء

کے اصل مراتب کے ذریعے ان کی نظر و فکر متوجّہ ہوتی تو بھی ان ارواح کی طرف سے ان کو رہنمائی اور رہبری حاصل ہوجاتی اور آہستہ آہستہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ کر دیتے خوابوں میں اور منامات میں رہنمائی کر کے اور انہیں صریح شرک میں مبتلا ہونے سے بچا لیتے لیکن وُہ تو ان کے ارواح مقدّسہ کی طرف نہ متوجّہ تھے اور نہ ہی اس کی اہلیّت رکھتے تھے۔

۷۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اصنام سے خطاب تم کھاتے کیوں نہیں سامنے تو کھانے کی بہت اشیاء رکھی ہیں، بولتے کیوں نہیں مجھے جواب تو دو شکل تو تمہاری بولنے والوں جیسی ہے۔ پھر ان کے عابدین سے کہنا ان سے پُوچھ لو اگر بولتے ہیں تو۔ اور ان کا صاف صاف اقرار کرنا یہ بولتے نہیں ہیں وغیر ذٰلک اس امر کی بیّن برہان اور لاریب دلیل ہے کہ رُوحانی مظاہر ہونے اور قبلۂ توجّہ ہونے والا تصوّر قطعاً ان کو نہیں تھا ورنہ وُہ کہہ دیتے حضرت یہ تو صرف قبلۂ توجّہ ہیں اصل الٰہ ہمارے تو اور ہیں۔

۸۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ چل سکیں۔ ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکیں۔ آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں۔ کان ہیں جن سے سُن سکیں حالانکہ شکل و صُورت تو ان کی تم نے بندوں والی بنا رکھی ہے۔ یہ بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ انہیں مجسّموں اور صُور و تماثیل کو ہی وُہ معبُود و مسجود سمجھنے لگ گئے تھے اور ارواح اولیاء اور ارواح انبیاء اور ملائکہ قطعاً ان کی نظروں میں نہیں تھے۔

اگر عبادت کسی نبی وولی کی ہو تو بھی شرک ہے اور جب مصنوعی مجسّموں کی ہو تو اس کے شرک ہونے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے اور ابتدا میں اگرچہ ارواحِ کاملین کی طرف توجّہ کے لیے یہ مجسّمے تیار کیے گئے لیکن پھر خود ہی مطلوب ومقصود قرار پاتے جس طرح کوئی شخص کعبہ مبارکہ کو ہی معبود اور مسجود سمجھ لے تو یقیناً مشرک ہے لیکن جس ذاتِ اقدس نے کعبہ کو قبلہ کا درجہ دیا اس کا یہ منشاء تو نہیں تھا کہ کعبہ کو ہی معبود بنا لیں، تو کیا کسی کی ایسی حماقت کی وجہ سے وہ لوگ بھی موردِ الزام اور محلِ تنقید ٹھہریں گے جو محض قبلہ سمجھیں اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کریں۔

علیٰ ہٰذا القیاس جن لوگوں نے یہ مجسّمے بنانے کی اجازت صرف یادگیری اور یاد دہانی کے لیے دی اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کرتے رہے ان کو مشرک کہنا قطعاً روا نہیں اور جنہوں نے عبادت شروع کر لی، وہ پکّے مشرک ہیں ان کی رعایت روا نہیں ہے۔

لیکن ان کے ناجائز عمل کی بنا پر کیا ان کاملین کی ارواحِ طیبہ سے کمالات سلب کر لیے گئے؟ اور انہیں دیکھنے سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا گیا؟ حاشا وکلّا ہرگز نہیں! حضرت عزیر علیہ السّلام کیا شبِ معراج بیت المقدّس میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اقتداء نہیں کی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کیا تشریف نہیں لائے تھے۔ بقول تمہارے ہم نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو خدا بنایا ہوا ہے تو کیا ان کا مرتبہ ولایت سلب ہو گیا ہے اور وہ تدبیر وتصرّف سے

محروم ہو گئے اور اگر ایسا ہے تو سیّد احمد بریلوی کو قادری فیض خود تشریف لا کر کیسے عطا کر گئے وغیر ذٰلک۔

الحاصل آیاتِ کریمہ اور تفسیری اقوال اور اکابر کی تصریحات سے اصنام و اوثان کی حقیقت واضح ہو گئی کہ ابتداء میں ارواح انبیاء و اولیاء کی طرف توجّہ و التفات کا ذریعہ سمجھ کر ان کو بنایا اور ان کاملین کے ارواح کو اللہ تعالیٰ کے تقرّب اور اس سے استعانت کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا گیا لیکن جُوں جُوں نئی نسلیں آتی گئیں ابتدائی تصوّر و خیال ترک ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ان کی عبادت اس زعم پر شروع کر لی کہ اس سے کاملین کی رُوحیں خوش ہوں گی اور وُہ ہماری اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گی اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود ان مُورتیوں کو ہی معبود و مسجُود بنا لیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کے استحقاق میں شریک کر لیا۔ اسی لیے جہنّم میں گرنے کے بعد کہیں گے۔

تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍۙ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

(سُورۃ الشعراء آیت ۹۷-۹۸)

بخُدا ہم کھُلی گمراہی میں تھے جبکہ تمہیں ربّ العٰلمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔ حالانکہ انبیاء و اولیاء یا ملائکہ تو ان کے ساتھ العیاذ باللہ جہنّم میں نہیں ہوں گے اور یہ کلام ان سے جہنّم میں سرزد ہو گا۔

قَالُوۡا وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَۙ (سُورۃ الشعراء آیت ۹۶)

وُہ دوزخ میں باہم جھگڑتے ہوئے اس طرح کہیں گے۔

اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط
اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ۝ لَوْكَانَ هٰؤُلَاءِ اٰلِهَةً مَّاوَرَدُوْهَا ط
وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء آیت ۹۸ - ۹۹)

بیشک تم اور جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں اور تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو اگر یہ اصنام واوثان وغیرہ خدا ہوتے تو جہنّم میں داخل نہ ہوتے ۔ سبھی اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہو۔

علماءِ دیوبند کی عجیب و غریب منطق ،

یہ کتنا عجیب معاملہ ہے کہ علاّمہ صاحب اصنام واوثان کو محض قبلہء توجّہ قرار دیتے ہیں اور حقیقی معبود و مسجود انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو قرار دیتے ہیں اور مٹّی ، پتھر وغیرہ کی مورتیوں کو کسی باہوش شخص کے نزدیک قابلِ پرستش ہی نہیں سمجھتے مگر اللہ تعالیٰ بھی اور خود بُت پرست بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہم انہی اصنام اوثان کی پرستش اور عبادت کرتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک کرتے تھے ۔

نیز یہ بھی کس قدر تعجّب خیز اور حیرت انگیز معاملہ ہے کہ جن کی عبادت کی گئی وُہ اسی طرح مقرّب اور جنّتی اور جنّت کی نعمتوں سے مزے لوٹیں اور جن بیچاروں کی عبادت ہی نہیں کی گئی بلکہ بقول علماء دیوبند وُہ صرف اور صرف قبلہ توجّہ تھے وُہ دھر لیے گئے اور دوزخ میں ہمیشہ کے لیے داخل کر دیئے گئے ۔

اصنام پر شیاطین کا تسلّط

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ارشاد سے عزیٰ اور نائلہ نامی بُتوں اور تھانوں کی تباہی پر عورتوں کے نمودار ہونے کی حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ ارواحِ اولیاء اور ارواحِ انبیاء علیہم السّلام کا ان مظاہر اورصور و تماثیل کے ساتھ کوئی ربط اور تعلّق نہ تھا اور ان کے پرستار بھی حبِ دُنیا میں انہماک وغیرہ کی وجہ سے ان ارواحِ طیّبہ کی طرف توجّہ سے قاصر رہے اور مرتبہ روحیہ کے ادراک سے عجز کی وجہ سے بھی ان سے ربط و تعلّق قائم نہ کر سکے تو شیطانوں نے ان مجسّموں میں ڈیرے جما لیے اور لوگوں کو فریفتہ کرنا شروع کر دیا۔

۲۔ حافظ ابنِ کثیر نے حضرت ابُوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو فتح مکّہ کے بعد نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عزّٰی کی تباہی کے لیے بھیجا انہوں نے تین درخت کاٹ دیئے اور مکان منہدم کر دیا۔ جب حاضر بارگاہ ہوئے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا تم نے اصل مقصد پُورا نہیں کیا پھر جاؤ (گویا نگاہِ نبوّت سے دیکھ لیا کہ اصل مدارِ شر و فساد اور مدارِ شرک تو ابھی باقی ہے) آپ گئے تو اس کے مجاوروں نے پُکارنا شروع کیا یا عزّٰی یا عزّٰی چنانچہ آپ کیا دیکھتے ہیں :

اذا امرءۃٌ عریانۃ ناشرۃ شعرھا تحفن التراب

عَلٰی رأسھا فغمسھا بِالسَّیفِ حَتّٰی قتلھا (ص۲۵۴ جلد۲)

کہ ایک برہنہ عورت ہے جو بال کھولے ہوتے ہے اور سر پر خاک ڈال رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تلوار اس میں چبھو کر اسکو قتل کر ڈالا۔

۳۔ اسی طرح حضرت ابن ابزٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو ادھیڑ عمر کی حبشی نما بڑھیا واویلا کرتی ہوئی اور اپنے رخساروں کو نوچتی ہوئی جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا :

تلك نائلة ایست ان تعبد ببلدکم ھٰذا ابدا

یہ نائلہ ہے جو تمہارے اس شہر میں پوجا اور پرستش کیے جانے سے ہمیشہ کے لیے ناامید ہو چکی ہے۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ جب نائلہ امام نووی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق انسان تھی تو پتھر کا مجسمہ ٹوٹنے سے وہ کیسے برآمد ہوئی تو واضح ہو گیا کہ ان مجسموں پر شیاطین نے قبضہ جما رکھا تھا اور ان کے ٹوٹنے پر وہ بے گھر ہو گئے اور ماتم کرنے لگے۔

۴۔ نیز اگر وہ خالی خولی مجسمے رہتے اور کسی کو ذرہ بھر دنیا میں نفع و نقصان ان سے حاصل نہ ہوتا تو لوگ اتنے عرصہ دراز تک ان کی پرستش اور پوجا پاٹ میں کیوں مصروف رہتے دراصل وہی جنات اور شیاطین کسی کو پہلے ضرر اور ایذاء پہنچاتے پھر بول پڑتے کہ فلاں بت کے پاس لے جاؤ تو یہ آدمی ٹھیک ہو جائے گا ورنہ دنیا کی کوئی طاقت تمہارے اس آدمی

کو بچا نہیں سکتی۔ اور ایسے ہی ان کے کرتوت دیکھ کر مشرکین نے حضرت ہُود علیہ السّلام کو کہا تھا:

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ

(سُورہ ہود آیت ۵۴)

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھے آسیب پہنچایا ہے ہمارے معبُودوں میں سے کِسی نے بہت بُری طرح۔

یعنی یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو اور ساری دُنیا جہان کو بیوقوف بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کِسی نے تمہیں آسیب پہنچا کر مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللّٰہ) کیونکہ تم انکی عبادت اور پرستش سے روکتے جو تھے اور ان کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ انہوں نے اس گُستاخی کی تمہیں سزا دی ہے کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے ہو۔ (حاشیہ عثمانی)

۵ نیز اِس سے ملائکہ معصومین کے جواب کی حقانیت اور واقعیت بھی واضح ہوگئی کہ یہ تو جنّوں کی پُوجا کیا کرتے تھے۔

بل کانُوا یعبدون الجن ۚ اکثرھم بھم مومنون

اور ان کے اکثر انہیں کے معتقد ہیں۔ اور اگر حقیقتِ حال اس طرح نہ ہو تو بظاہر ان معصُومین کی طرف کذب کی نسبت لازم آتے گی۔

۶۔ علاوہ ازیں علاّمہ سرفراز صاحب نے جو دعوٰی کیا تھا کہ بُت صرف قبلۂ توجّہ تھے اصل معبُود انبیاء و اولیاء تھے۔ ان کے اساف و نائلہ کا بیان

ذکر کرنے سے اس کی لغویت بھی واضح ہوگئی کیونکہ یہ دونوں مسخ شدہ انسانی مجسّمے تھے۔ ان دونوں نے کعبہ مُبارکہ کے اندر زنا کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پتّھر بنا دیا چنانچہ ان کو اٹھا کر صفا و مروہ پر ڈال دیا گیا تاکہ انکی حالت دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کریں۔ مگر عرصہ دراز کے بعد جب انکا کرتوت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہوگیا تو ان کو بھی معبود و مسجود بنا لیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حصّہ داری اور شراکت کا مقام دے دیا گیا۔ مختصر یہ کہ انہیں غائب خُدا کی پرستش میں کوئی ذوق شوق اور سکون و قرار حاصل نہیں ہوتا تھا، اس لیے انہیں کوئی نہ کوئی محسوس و مبصر مجسّمہ درکار ہوتا تھا لہٰذا جیسے بھی مل گئے پُوج کر دل کی حسرت مٹالی خواہ تراشے ہُوئے ہوتے، یا ان گھڑے اور بن تراشے ۔ (کما قال ابُو رجاء العطاردی)

۷ - نیز علاّمہ صاحب کا یہ واویلا بھی ختم ہوگیا کہ کوئی با ہوش آدمی محض پتّھر کی مُورتی کو کیونکر معبُود بنا سکتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں وُہ محض پتّھر نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے کی سکت رکھتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے بقول ان کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو بھی اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنا کر انسانی امتیاز یعنی عقل و خرد اور حکمت و دانائی اور فہم و فراست سلب کر کے مجنون اور پاگل بنا دیا تھا، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ جیسے کہ کلام مجید کی شہادت اور علاّمہ شبّیر احمد عثمانی دیوبندی کے حاشیہ سے واضح ہو چکا۔

الغرض اہلِ اسلام اور بُت پرستوں میں اس قدر واضح فرق کے بعد بھی

اگر علامہ سرفراز صاحب کہیں کہ شرک صرف بُت پرستی اور صنم پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ کلمہ گو اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے صرف زبانی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں اور اشھدُ ان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ اُوپر اُوپر سے پڑھتے ہیں اور ان کا محمدٌ رسول اللّٰہ اور اشھدُ اَنَّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ کہنا دکھاوے کے لیے ہے اور حقیقت میں یہ سبھی ابوجہل اور ابولہب کے بھائی ہیں تو علامہ صاحب کو اپنا علاج کرانا چاہیے ممکن ہے شفاء نصیب ہو جائے بشرطیکہ تائیدِ ایزدی نصیب ہو ؎

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں

اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

دیکھو خوارج کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ جیسی ہستی مشرک نظر آئی حالانکہ آپ کا دامنِ عزّت اس گرد سے مکمّل طور پر محفوظ تھا اور حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما ان خوارج کو اسی لیے ساری مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے کہ وُہ اصنام واوثان والی آیات کا مصداق انبیاء و رسل کو بنا کر انکے نیازمند اور اطاعت گزار مخلص مومنین کو مشرک بنا ڈالتے تھا رواہ البخاری عنہ تو علامہ صاحب کو کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ ان کی نظر صحیح ہو اور ان کی سوچ وفکر میں اسی طرح کی کجی اور ٹیڑھ نہ ہو جیسے خوارج میں تھی اور حضرت مولائے مرتضیٰ کے غلاموں کو وُہ اسی نظر سے نہ دیکھ رہے ہوں جن نظروں سے خارجیوں نے باب مدینۃ العلم، فاتح خیبر، زوج البتول رضی اللّٰہ عنہما اخ الرسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تھا۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

مصنوعی شیوخ القرآن کے لیے غیبی فرمان

علامہ سرفراز جیسے شیخ القرآن کے متعلق ہی صاحب سر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک نمودار ہونے والے فتنوں اور ان کے قائدین سے باخبر صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ باعلام اللہ عالم ماکان و مایکون سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی ہیں:

ان مما اخاف علیکم رجل قرء القراٰن حتّٰی اذا رءیت بهجته علیه وکان رداءه الاسلام اعتراه الٰی ماشاء اللّٰه فانسلخ منه ونبذه وراء ظهره و سعٰی علٰی جاره بالسیف ورماه بالشرك قال قلت ایهما اولٰی بالشرك المرمی اوالرامی؟ قال بل الرامی۔ هٰذا اسناد جید۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۴ ج ۲)

بیشک وہ امور جن کے بارے میں تمہارے حق میں خوفزدہ ہوں ایک یہ بھی ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتّٰی کہ جب اس کی رونق اس پر نظر آئے گی اور اس پر اسلام بطور چادر محیط ہوگا تو اس کو اللہ تعالیٰ جدھر جدھر چاہے گا مائل کر دے گا پس وہ اس چادر سے الگ ہو جائے گا، اور ردائے اسلام اور قرآن کو پسِ پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی

پر تلوار کے ساتھ حملہ کی سعی کرے گا اور اس کو شرک کا الزام دے گا۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا ان دونوں میں سے شرک کا زیادہ سزاوار کونسا ہوگا، جس کو الزام دیا گیا یا جس نے الزام دیا اور افترا ر کیا تو آپ نے فرمایا بلکہ جس نے الزام و اتہام عائد کیا۔

علامہ ابن کثیر نے اس روایت کو بلعم بن باعور کے متعلق وارد اس آیت کریمہ کے تحت نقل کیا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف ۱۷۵)

اور ان پر تلاوت کرو اس شخص کی خبر عجیب جس کو ہم نے آیات عطا کیں پس وہ ان سے نکل گیا پس شیطان نے اس کو اپنے پیچھے لگا لیا پس وہ گمرہوں میں سے ہو گیا۔

اور اس آیت کریمہ کے تحت ذکر کرکے واضح کر دیا کہ جس طرح بلعم بن باعور نے حضرت موسٰی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مخالفت کرکے اور کفار کا ساتھ دے کر اپنی عاقبت تباہ کر لی اور دنیا میں ذلت وخواری سے دوچار ہو گیا، اسی طرح اہل اسلام کو مشرک قرار دینے کے شائق بھی اسی ملعون کی سنّت پر عمل پیرا ہیں اور اسی کی طرح اپنے آپ کو اپنے بلند وبالا منصب سے گرانے والے اور دنیوی و اخروی ذلت وخواری سے دوچار کرنے والے ہیں اور اہل السنّت کو نقصان پہنچانے کی بجائے اپنے آپ کو ایمان و اسلام اور قرآن مجید کے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات سے محروم کرنے والے ہیں اور کفر و شرک کے گڑھوں میں گرنیوالے ہیں۔ العیاذ باللہ

باب ہفتم

گلدستۂ توحید

کیا مشرکینِ عرب خدا تعالیٰ کو نہ مانتے تھے؟

اتنی بات تو ہر کلمہ گو جانتا ہے کہ عرب کے جن لوگوں کی طرف براہِ راست اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا وہ مشرک تھے لیکن سوال یہ ہوگا کہ شرک کی کیا چیز ان میں موجود تھی جن کی بنا پر وہ مشرک قرار پائے۔ اگر آپ ذیل کی آیات کو پڑھیں گے تو آپ کو حقیقتِ حال سے کچھ آگاہی ہو جائے گی۔ (ترجمۂ آیات تک اکتفا کیا جاتا ہے)۔

۱۔ اگر ان مشرکین سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ (زخرف ۸۷)

۲۔ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ (زخرف ۳۸)

۳۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کس نے کام میں لگایا سورج کو اور چاند کو تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔

(سورہ العنکبوت ۶۱)

۴۔ اور اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ کس نے اُتارا آسمان سے پانی

پھر زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ نے

(عنکبوت ۲۱ ع ۶۳)

۵۔ تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے یا کون مالک ہے کان، آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور کون نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ تو بول اٹھیں گے کہ اللہ! ۔

(سورہ یونس ۳۱)

۶۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو۔ سب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے۔ تو کہہ کہ پھر تم سوچتے نہیں تو کہہ کون مالک ہے ساتوں آسمانوں کا اور مالک بڑے عرش کا۔ اب بتائیں گے اللہ کو۔ تو کہہ کہ پھر تم ڈرتے نہیں

تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے اختیار ہر چیز کا اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ کہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے ۔ (سورہ مومنون ۸۴ تا ۸۹)

گلشنِ توحید و رسالت

سوال کے جواب کی بجائے سوال کی تقویت،

علّامہ صاحب کا دعویٰ تو یہ تھا کہ ان آیات کو پڑھنے سے اس حقیقتِ حال سے آگاہی ہو گی اور اس سوال کا جواب ملے گا کہ شرک کیا چیز ان میں موجود تھی لیکن ناظرینِ کرام کو یہ سوال بالکل ان آیات کر

حل ہوتا نظر نہیں آسکتا اور نہ ان میں موجود شرک والی چیز ان سے نظر آئی بلکہ ان آیاتِ کریمہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں شرک نام کی کوئی شے تھی ہی نہیں کیونکہ وُہ اپنا خالق، زمین و آسمان کا خالق اور ان میں سُورج اور چاند کو مسخّر کرنے والا۔ آسمان سے بارش اُتار کر وہ زمین کو حیاتِ نو بخشنے والا۔ آسمان و زمین سے روزی دینے والا۔ کانوں اور آنکھوں کا مالک زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے برآمد کرنے والا۔ تمام امور کا مدبّر زمین اور اس میں موجود ہر شے کا مالک۔ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا اور ہر چیز پر قبضہ و تصرّف کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالےٰ کو مانتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہی بچانے والا ہے اور اس سے بچانے والا کوئی نہیں ہے جیسے کہ مندرجہ بالا ارشاداتِ خُداوندتعالیٰ سے ثابت ہوا اور یہ تمام جوابات ان کا شرک بالکل ظاہر نہیں کرتے بلکہ ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وُہ بہت بڑے موحد تھے لہٰذا وُہ سوال اسی طرح باقی رہ گیا۔ اور علاّمہ صاحب کو پھر کہنا پڑ گیا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وُہ کیوں مشرک تھے۔ کیا خرابی تھی ان میں کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے آخری پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم دونوں نے ان کو مشرک کہا۔ ان کے شرک کی علت کیا تھی؟ سو یہ بات اچھی طرح سے قابلِ غور ہے۔ گویا سوال ابھی سوال ہی ہے بلکہ مزید پختہ اور قوی ہو گیا ہے لہٰذا یہ دو ورق بلا وجہ کالے کر دیئے گئے۔ علاّمہ صاحب کیا تقریبِ تام اسی طرح ہوا کرتی ہے؟

سوال کا صحیح جواب

۱۔ لیکن ہماری پچھلے باب میں مذکور گزارشات سے اس سوال کا جواب بخوبی مل سکتا ہے، کہ عبادتِ خداوند تعالیٰ میں اصنام و اوثان اور شیاطین کو شریک ٹھہراتے تھے۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ○ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ الشعراء ۹۶، ۹۷، ۹۸)

اور اللہ تعالیٰ کے گھر میں تین سو ساٹھ بُت رکھ کر ان کو پُوجتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ نیاز خم نہیں کر سکتے تھے بلکہ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتے تھے حتیٰ کہ ان پر عین حالتِ سجود میں اُونٹ کا شکنبہ رکھ دیا اور پھر ہنستے ہنستے زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ انہیں پتھروں سے تراش خراش کر بنائے ہوئے بُتوں سے اللہ تعالیٰ کی طرح محبّت کرتے تھے "یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ" بلکہ اگر کوئی خدا پرست ان کے بُتوں کو گالی دیتا تو ان سے چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرنے لگتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (سورہ الانعام آیت ۱۰۸)

اور نہ گالی دو ان کو جنہیں وہ (بُت پرست) اللہ تعالیٰ کے سوا پُوجتے ہیں پس وہ گالی دیں گے اللہ تعالیٰ کو از راہِ عداوت بغیر سمجھے۔

۲- نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بڑی بڑی اشیاء کا خالق و موجد اور اہم امور میں اگرچہ متفرد اور مستقل بالتصرّف مان رکھا تھا لیکن تمام کائنات کے انتظام و انصرام میں اس کو خود کفیل اور مستقل نہیں سمجھتے تھے اسی لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اعلانِ مصطفوی سُن کر چلّا اُٹھے اور ازروئے انکار کہا :

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝

(سُورہ ص آیت ۵)

کیا انہوں نے تمام معبُودوں کی عبادت ختم کرکے صرف ایک معبود میں بندگی کو منحصر کر دیا ہے یہ تو بہت ہی حیران کُن چیز ہے بلکہ بزعم ان کے تصرّف کے مالک اور بھی تھے اور اسی وجہ سے مختلف اشیاء کی عطا کے لیے مختلف خُدا بنا رکھے تھے۔ اور جب جنگلوں، ویرانوں میں جاتے تو اللہ تعالیٰ کا غلبہ و تصرّف مدِّنظر نہ رہتا اور اس کی پناہ کی بجائے اس علاقہ کے رئیس جن کی پناہ حاصل کرتے، اگر ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو متصرّف مانتے اور ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں سمجھتے تو یہ نازیبا حرکت نہ کرتے۔ کما قال :

اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ (سُورہ الجن آیت ۶)

۳- علاوہ ازیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں بھی دُوسروں کو شامل کر رکھا تھا کیونکہ اولاد ماں باپ کا جز ہُوا کرتی ہے اور ان کی مماثل و مجانس ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد بغیر بیوی کے متصوّر نہیں ہو سکتی اور بیوی بھی خاوند کے مماثل اور مجانس ہونی چاہیے تو اس طرح مشرک ہُوئے

کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ملائکہ کو بیٹیاں قرار دے دیا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السّلام کو بیٹے بنا دیا۔ قال تعالیٰ :

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

(سورہ انعام آیت ۱۰۰)

اور بنا لیے انہوں نے اللہ کے لیے شریک جن ۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور تراشے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں اپنی جہالت سے ۔ وہ پاک ہے اور بلند تر ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝

(سورہ نحل آیت ۵۷)

اور بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں پاک ہے وہ ان سے اور اپنے لیے جو چاہیں اور پسند کریں یعنی بیٹے ۔

مزید شرک کا پہلو یہ نکلا کہ جب باپ اور اولاد کا حقیقت میں اشتراک لازم ہے تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ وغیرہ میں بھی حقیقت میں اشتراک اور اتحاد ثابت ہو گیا تو استحقاقِ عبادت میں بھی شرکت ثابت ہو گئی ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرمایا :

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝

(سورہ الزخرف آیت ۸۱)

فرما دیجیے ان کو اگر رحمٰن تبارک و تعالیٰ کے کوئی لڑکا ہو تو میں پہلا ہونگا

اس کا پوجنے والا (لیکن نہ اولاد اس کے لیے ممکن نہ میرا اس کے ماسوا کی پرستش کرنا ممکن)

۴۔ نیز بیوی کے ذریعے اولاد حاصل کرنے والا بیوی کی طرف اور انفعالات اور انفصال مادہ اور تکمیلِ مدّت حمل وغیرہ وغیرہ کی طرف مفتقر ہوتا ہے اور واجب تعالیٰ ان امور سے بالا تر ہے مگر انہوں نے اس کو محتاجِ مخلوق کے ساتھ شامل کر دیا۔ لہٰذا اس تنزّل پر لانے کی وجہ سے مشرک ہوگئے۔[1]

۵۔ نیز اپنی موت اور ہلاکت کا معاملہ دہر اور زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا:

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ

(سورہ الجاثیہ آیت ۲۴)

بس یہی دنیوی زندگی ہے زندہ رہتے ہیں اور مرتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر دہر اور زمانہ۔

انہی ایجاد وتخلیق کی نسبت اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی لیکن موت اس کے قبضۂ قدرت میں نہ مانی اور اس ہلاکت اور فنا کا ورود زمانہ کے ہاتھوں تسلیم کرکے زمانہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر دیا۔ الیٰ غیر ذٰلک من الخرافات

---

[1] علامہ سرفراز صاحب نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نور ماننے والوں کو بھی مشرکین کے اس اعتقاد میں شامل کرتے ہوئے کہا کہ پیغمبروں کو ازلی نور سے ماننے اور بشریت کے انکار کی تعلیم دی حالانکہ اہلِ سنت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور کو مخلوق مانتے ہیں نیز اگر وہ اس عقیدہ میں منفرد ہوتے تو پھر بھی اعتراض ہوسکتا تھا۔ حالانکہ علامہ اشرف علی تھانوی، علامہ رشید احمد گنگوہی اور علامہ قاسم نانوتوی جیسے اکابر دیوبند کا بھی عقیدہ تو یہی ہے پھر [illegible] وغیرہ کا مطالعہ نہیں فرمایا یا اپنوں اور بیگانوں کے لیے [illegible]

اس لیے وُہ مشرک قرار پائے اور ان کے یہ اقرارات و اعترافات ان کو شرک کے عمیق گڑھے سے نہ نکال سکے۔ خود علامہ صاحب حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ مشرکین نے امُورِ عظام کی تدبیر و تصرف میں تو اہلِ اسلام کے ساتھ موافقت کی اور ایسے ہی وُہ کام جن کا اللہ تعالےٰ نے پختہ عزم کر لیا ہے اور کسی دُوسرے کے لیے ان میں اختیار اور تصرف باقی نہ رکھا۔ ولٰکن لم یوافقوھم فی سائر الامور لیکن باقی امور میں انہوں نے اہلِ اسلام کے ساتھ موافقت نہیں کی۔

ذھبوا الیٰ ان الصّٰلحین من قبلھم عبدوا اللہ و تقربوا الیہ فاعطاھم اللہ الالوھیۃ فاستحقوا العبادۃ

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۹ ج ۱)

بلکہ اس طرف چلے گئے کہ ان سے پہلے نیک لوگوں نے اللہ تعالےٰ کی عبادت کی اور اس کا قرب حاصل کر لیا پس اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطا کر دی لہٰذا وُہ عبادت کے مستحق ہو گئے۔

الغرض ثابت ہو گیا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں، الوہیت میں، بعض امور کے تصرف میں اصنام و اوثان اور صور و تماثیل کو اور ملائکہ و جنات و شیاطین کو شریک ٹھہراتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو ان معبودات کا محتاج سمجھتے تھے کہ ان کے تعاون کے بغیر اکیلا خدا اتنے بڑے جہان کا نظام چلا ہی نہیں سکتا اس لیے وُہ ان اقرارات و اعترافات کے باوجود مشرک ٹھہرے اور ناقابلِ مغفرت و بخشش اور اپنے آلہہ سمیت ہمیشہ

کے لیے دوزخ کا ایندھن قرار پائے جبکہ اہل السنۃ وجماعت بحمدہ تعالیٰ ان تمام خرافات اور بیہودہ نظریات اور اقوال سے بری اور بیزار ہیں لہٰذا ان کو مشرکین کے ساتھ شامل کرنا سراسر ظلم و عدوان ہے۔

باب ہشتم

گلدستۂ توحید

کیا مشرکین عرب نماز، روزہ، حج اور قربانی وغیرہ کے منکر تھے؟

بعض لوگ مشرکین عرب کے جزوی نقائص اور عیوب بیان کر کے ان
...اور شرک کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ خرابیاں ان کے شرک کا سبب اور علت
...نہیں ہو سکتیں۔ دوسری طرف ان میں ایسی خوبیاں موجود تھیں جنکی نہ صرف
...کہ اسلام نے اجازت دی ہے بلکہ تحسین فرمائی ہے۔ اختصاراً ان کی بعض
...خوبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ کے لیے حقیقی اور اصلی شرک تک پہنچنا آسان
...ہو جائے۔ مشرکین کا حاجیوں کو پانی پلانا، مسجد حرام تعمیر کرنا، حج کرنا وغیرہ اس
...سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے[1]

مشرکین اور نماز

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مشرکین جماعتی رنگ میں نماز پڑھتے تھے، لیکن

---

[1] تنبیہ علامہ سرفراز صاحب کو اگر کوئی ایک خوبی بھی نظر نہیں آتی تو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ...اسلام واطاعت گزار اہل السنت میں اور اگر تمام تر خوبیاں نظر آتی ہیں تو ابوجہل اور ابولہب کی جماعت میں اور ...ان کے بیان میں ورق پر ورق سیاہ کرتے چلے گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کس قدر سچا اور واجب ...الاذعان ہے کہ خوارج کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے، یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان ...اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے بلکہ یہ حضرات تو ان کے معاون ومددگار اور ان کے گن گانے ...والے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

قرآنِ کریم، احادیث اور تاریخِ عرب سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین میں نماز
تصوّر موجود تھا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ماعون میں ارشاد فرمایا:
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ (آیت ۴، ۵، ۶)
پھر خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو دکھلاوے
سے کام لیتے ہیں۔

اگر یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ منافقین
کی تردید کی گئی ہے لیکن اس سورۃ کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا اور مکہ مکرمہ
میں یا خالص مسلمان تھے یا خالص کافر اور مشرک، وہاں منافق موجود ہی نہیں
تھے اور خالص مسلمانوں کی نماز ایسی تھی ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ویل کے جملے
اس کی تردید فرماتا۔ اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کسی
رنگ میں نماز پڑھتے تھے اور اللہ نے ان کی نماز میں غفلت کی تردید بیان کی

۲۔ حضرت ابو ذر دورِ جاہلیت یعنی اسلام لانے سے قبل نماز پڑھتے تھے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم طلوعِ آفتاب کے وقت نماز
نہ پڑھا کرو کیونکہ هی ساعۃ صلوٰۃ الکفار۔ وہ کافروں کی نماز کا
وقت ہے۔

مشرکینِ عرب چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ (شبلی)
مشرکینِ عرب میں نماز کا دستور تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ طبع...)

گلشنِ توحید و رسالت

مشرکین کی طرفداری میں علامہ صاحب کا آیاتِ قرآنیہ کی مخالفت کرنا

علامہ صاحب کو اہل السنّت کی عداوت میں مشرکینِ عرب سے کس طرح پیار ہو چلا ہے کہ انہیں نمازی ثابت کرنے کے لیے ہیر پھیر، ایچ پیچ اور تحکم اور سینہ زوری سے کام لینے اور قرآنِ مجید کی صریح آیات کا انکار کرنے اور شانِ نزول اور اقوالِ مفسّرین کو ٹھکرانے اور خود سورۃ ماعون کی اس آیت کو ما بعد سے الگ تھلگ کر کے ہر قیمت پہ ابوجہل اور ابولہب کی پارٹی کو نمازی ثابت کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ط

(سورہ الانفال آیت ۳۴)

اور نہیں تھی نماز ان کی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں۔

یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود ان کی نماز کیا ہے۔ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا جیسے آجکل بھی بہت سی اقوام گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں۔ غرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دُوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ان بے معنیٰ اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے کہا سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لیے ہوتا تھا،

یا ازرہِ استہزار اور تمسخر ایسا کرتے تھے۔ (حاشیہ عثمانی ص۳۱۳-۳۱۴)

اقول، اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز کا حصر سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے میں کر دیا ہے جس سے کسی دوسری نماز کے ادا کرنے کی نفی صریح ہے اور اس کے مقابل کوئی تاویل و توجیہ کار آمد نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ان کا نمازی ہونا ثابت کرنا اس نص قرآنی کی صریح نفی اور کھلا انکار ہے جو عام مسلمان کے لیے بھی زیبا نہیں ہے، چہ جائیکہ علماء کے لیے۔

۲۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

یَتَسَاۗءَلُوْنَ ۙ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۙ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَاۗىِٕضِيْنَ ۙ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ

(سورہ المدثر آیت ۴۲ تا ۴۶)

اہلِ جنت مل کر گنہگاروں سے سوال کریں گے تمہیں کون سی چیز لائی بھڑکتی آگ میں۔ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم باتیں بنانے میں غرق رہتے تھے ان میں مستغرق لوگوں کے ساتھ اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔

یعنی نہ اللہ تعالیٰ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

اقول، یہاں مجموعی طور پر اہلِ دوزخ کا اعتراف ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور یہ اعتراف کرنے والے قیامت کے متعلق بھی اپنا انکار ذکر

کریں گے اور اہلِ مکہّ بالخصوص اور مشرکینِ عرب بالعموم قیامت کا اور مرکر جی اُٹھنے کا مذاق اُڑاتے تھے جبکہ اہلِ کتاب قیامت کے قائل تھے لہٰذا یہ سبھی مشرکینِ مکہّ اور مشرکینِ عرب ہوں گے اور سُورت بھی مکّی ہے جس میں اوّلین انذار و تخویف بھی انہیں کے لیے ہے لہٰذا علاّمہ صاحب کے ممدوحین جب خود بے نماز ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں اور قرآنِ مجید اور اللہ تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں تو پھر ان کو نمازی ثابت کرنے کی سعیِ لا حاصل کا کیا مطلب؟ گویا علاّمہ صاحب صرف کُفّار کو ہی نہیں بلکہ قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کو بھی جھُٹلانے کے درپے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ (سُورہ الکافرون آیت ۱-۲)

تُو کہہ اے منکرو مَیں نہیں پُوجتا جس کو تم پُوجتے ہو اور نہ تم پُوجو جس کو مَیں پُوجوں۔

علاّمہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

روَساءِ قریش نے کہا کہ اے محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) آؤ صلح کر لیں کہ ایک سال تک آپ ہمارے معبُودوں کی پُوجا کریں پھر دُوسرے سال ہم آپ کے معبُود کو پُوجیں۔ الخ

سوال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تو نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایسی شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے ایک سال تم ہمارے معبُودوں کی پرستش کرو پھر دُوسرے سال ہم تمہارے معبُود کی پرستش کریں گے

اگر اللہ تعالیٰ براہِ راست ان کا معبود ہوتا تو وُہ اس طرح ہرگز نہ کہتے۔ بلکہ وُہ تو صرف اور صرف بالواسطہ عبادت کے قائل تھے۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ

ہم بُتوں کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے قریب کر دیں یعنی خود اس کی پرستش کر کے قریب نہیں ہو سکتے اور وُہ اس طرح پرستش کرتے ہی کیونکر جبکہ وُہ غائب کی پرستش میں نہ ذوق وشوق محسوس کرتے تھے اور نہ سکونِ قلب بلکہ محسوس و مبصر مجسّمہ سامنے ہونا ضروری سمجھتے تھے۔

علاّمہ عثمانی نے کہا :

نیز جس طرح تم عبادت کرتے ہو یعنی ننگے ہو کر ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے ہیں اس طرح کی عبادت بجا لانے والا نہیں گویا معبُود بھی جُدا اور کیفیتِ عبادت بھی جُدا لہٰذا ارشاداتِ خداوند تعالےٰ کو نظر انداز کر کے مشرکینِ مکّہ کو نمازی ثابت کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور حقیقت کے خلاف اور برعکس۔

علاّمہ سرفراز کی دلیل کی حقیقت

۱- قولہ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ، اس سے علاّمہ صاحب کا استدلال عجیب ہے آپ ان کی خوبیاں اور قابلِ تحسین خصلتیں بیان کرنے لگے تھے مگر بیان وُہ خصلت کر دی جو بقول آپ کے مشرکین کے لیے ویل اور ہلاکت کی موجب ہے یعنی

معاملہ برعکس کر دیا۔ خوبی کی بجائے بُرائی بیان کر دی اور موجبِ ہلاکت فعل ذکر کر ڈالا۔

۲۔ آیتِ کریمہ کا مصداق مشرکینِ مکہ ہونے کی دلیل یہ دی کہ سورت مکی ہے اور مکے میں منافق نہیں تھے بلکہ خالص مومن یا خالص کافر تھے اور ان مومنوں کی نماز پر تو "ویلٌ للمصلین" سچا آ نہیں سکتا لہٰذا یہ نماز مشرکین کی ہی مراد ہو گی مگر یہ سوال جواب طلب رہے گا کہ ریاکاری کی مشرکین کو کیا ضرورت تھی، وہ تو اہلِ اسلام پر غالب تھے اور ان کے خلاف تشدد برتا کرتے تھے ____ اور غلامیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر رسولِ معظم علیہ السلام کی طرف سے اور دیگر اہلِ اسلام کی طرف سے ان کی کوئی داد وتحسین بھی نہیں ہو سکتی تھی، اور نہ ہی دوسرے کفار و مشرکین ان کی نماز دیکھ کر ان کو کسی انعام واکرام اور امتیاز و اعزاز کے مستحق سمجھتے تھے تو آخر ان کو دکھلاوے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ یہاں ان نمازیوں کے لیے ہلاکت کا سبب ریاکاری کو بھی ٹھہرایا گیا کما قال تعالیٰ:

اَلَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ (سورۃ الماعون آیت ۶)

اور قرآنِ مجید نے منافقین کی ہی یہ حالت بیان فرمائی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (سورۃ النساء، آیت ۱۴۲)

اور قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنا سب پر مقدم ہے۔

۴- پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے کہ یہاں منافقین مُراد ہیں کیونکہ انہوں نے بظاہر کلمہ پڑھ کر نماز کا التزام کر لیا لیکن پھر اس میں غفلت برتتے ہیں یعنی:

یصلون فی العلانیہ ولا یصلون فی السر

لوگوں کے سامنے پڑھ لی اور دیکھنے والا کوئی نہ ہُوا تو ترک کر دی۔

نیز نماز سے غفلت کی کئی صُورتیں ہیں بالکل ادا نہ کی جائے۔ وقتِ مکروہ میں ادا کی جائے جیسے غروب یا طلوع کے وقت یا اصل وقت فضول باتوں میں گنوا کر یا لوگوں کے سامنے پڑھ لی اور کوئی مُسلمان نہ دیکھتا ہو تو نہ پڑھی تو علّامہ صاحب کے یہ ممدوحین آیاتِ سابقہ کے تحت پہلی شق میں داخل ہو جائیں گے اور منافقین دوسری شقوں میں۔ اور اب اس آیت کریمہ کی پہلی آیات سے مخالفت بھی لازم نہ آئے گی۔ رہا المصلّین کا اطلاق تو جس طرح تالیاں اور سیٹیاں بجانے کو صلوٰۃ کہہ دیا اسی طرح ان کو مصلّین کہہ دیا گیا۔

۵- نیز مکّی سُورتوں کے لیے یہ کب لازم کہ ان کے احکام عملی طور پر مکّہ مکرّمہ میں ہی پوری طرح لاگو ہوں۔ بلکہ بہت سی آیات مکیّہ ہیں لیکن ان کا مصداق مدینہ منورہ میں ہی وقوع پذیر ہُوا۔

بہرکیف علّامہ صاحب نے اس استدلال میں اور ممدوحین کے لیے اس خُوبی اور صفتِ حسنہ کے اثبات میں کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ قرآنی آیات کو نظر انداز کر کے اور مفسّرِ صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسّرین کے اقوال نظر انداز کر کے اس مذمت والی آیت سے مدحت

و منقبت کشید کرنے کی آخر کیا مجبوری تھی؟

دلیل دوم کی حقیقت

حضرت اَبُوذر رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے سے مشرکین کا بالعموم نماز پڑھنا کیسے ثابت ہُوا۔

ا۔ ایک جزئی سے حکم کلی لگا دینا کونسا استدلال کی کونسی قسم ہے یوں تو اس دَور میں آپ کو اِکّا دُکّا موحد بھی مل جائیں گے تو پھر اعلان کر دو کہ اہلِ عرب موحد تھے ان کو مشرک کہنا ہی سراسر بہتان ہے، العیاذ باللہ۔

حضرت زید بن عمرو بن نفیل نے اعلانِ توحید کرتے ہُوئے فرمایا:

أربا واحداً ام الف ربّ ادین اذا تقسمت الامور

کیا ایک رب یا ہزار رب کی اطاعت کروں میں جب کہ اُمور اور ضروریات گوناں گوں ہوں۔

ترکت اللات والعزّٰی جمیعا کذٰلك یفعل الرجل البصیر

میں نے لات اور عزّٰی وغیرہ سبھی کو چھوڑ دیا اور صاحبِ بصیرت آدمی ایسے ہی کرتا ہے۔ (سیرت ابنِ ہشام مع روض الانف للسہیلی)

علاوہ ازیں علّامہ صاحب کا دعوٰی تو یہ تھا کہ مشرک لوگ نماز پڑھتے تھے اور یہ اس صُورت میں ثابت ہوتا جب حضرت اَبُوذر رضی اللہ عنہ کا شرک اور بُتوں کا پُوجنا وغیرہ ثابت ہوتا اور جب یہ ثابت نہیں تو پھر بھی دلیل دعوٰی کے مطابق نہ ہوئی۔ حضرت اَبُوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی

انہیں نے بتلایا کہ میں نے مکّہ میں ایک آدمی دیکھا ہے جو تیرے دین پر ہے اور یہ دعوٰی بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان کو رسُول بنا کر مبعوث فرمایا ہے یہ عبارت بھی مُسلم شریف میں موجود ہے اور اسی جگہ جہاں سے علاّمہ صاحب نے اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ہے۔ اگر حضرت ابُوذر رضی اللہ عنہ مشرک ہوتے تو ان کو بھائی یہ کیوں کہتا کہ وُہ تیرے جیسے دین پر ہیں۔ لہٰذا علامہ صاحب نے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے اور دیانت کا خُون کیا ہے اور مشرکین کو نمازی ثابت کرنے کے لیے موحدین کو مشرک بنا ڈالا۔

سچ فرمایا صادق و مصدوق نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے :

حبك الشیئ یعمی ویصم۔

تیری کسی چیز سے محبّت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

دلیل سوم کا جواب

۳۔ علاّمہ صاحب نے طلوعِ آفتاب کے وقت کی نماز کے بارے میں حضُور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس ارشاد سے استدلال کیا کہ وُہ کافروں کی نماز کا وقت ہے مگر کافر طلوعِ آفتاب کے وقت اللہ تعالٰی کے لیے نماز پڑھتے تھے یا سُورج کی پرستش کرتے تھے ؟ علاّمہ صاحب نے اس امر میں بھی غور نہیں فرمایا ورنہ مطلب واضح تھا اسی لیے فرمایا :

تطلع بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطٰنِ۔

کہ سُورج شیطان کے دو جانبوں کے درمیان طلوع کرتا ہے کیوں کہ

سُورج کی پُوجا کے بہانے وُہ اپنی پُوجا کراتا ہے اور اس وقت وُہ سُورج کے آگے ہوتا ہے۔ اور اس پر صلوٰۃ کا اطلاق اسی طرح ہے جس طرح تالیاں اور سیٹیاں بجانے پر صلوٰۃ کا لفظ قرآنِ مجید میں اطلاق کیا گیا ہے۔

نیز کفّار کا لفظ عام ہے اور ثبوت اعم سے ثبوت اخص لازم نہیں آتا، چونکہ منافق لوگ "اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ" نماز میں سُستی کرتے تھے۔ عصر کی غروبِ آفتاب کے قریب اور صبح کی طلوع کے قریب پڑھتے تھے اس لیے منع فرمادیا کہ ان کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ لہٰذا اس سے بھی مشرکینِ مکہ کا نماز ادا کرنا ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ منافقین کی نماز بھی مُراد ہوسکتی ہے۔

دلیل چہارم کی حقیقت

۴۔ جاہلی شاعر کے کلام سے بھی استدلال محلِ نظر ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ سواریوں نے رات کے آخری حصّے کو پالیا جبکہ عابد دین دار اپنی نماز ادا کرچکا تو آخر اس قول میں عابد دیندار سے کونسا مشرک مُراد ہے کہ استدلال درست ہوجائے۔ آخر ان کا گزر راہبوں وغیرہ پر بھی ہوتا تھا تو عین ممکن ہے کہ شاعر نے ان کے وقتِ عبادت کے ساتھ سواریوں کے منزل پر پہنچنے کے وقت کا تعین کر دیا ہو۔

اِذ جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

مشرکین کا حج ،

علامہ صاحب نے مشرکین کا حج بھی ذکر کیا تو اس کی حقیقت بھی معلوم ہو چکی کہ برہنہ ہو کر بیت اللہ کے گرد طواف کرتے تھے اور سبب اس کا یہ بتلاتے کہ چونکہ انہیں کپڑوں میں گناہ کیے ہیں تو کپڑے پہن کر طواف کیسے کریں حتیٰ کہ عورتوں کو بھی کوئی لباس جدید عاریۃً نہ ملتا تو وہ بھی ننگی بیت اللہ کے گرد طواف کرتی تھیں ۔ اور تلبیہ میں بھی شرکیہ الفاظ ، الّا شریکاً تملکہٗ وما ملك کہا کرتے تھے اور عرفات میں جاتے ہی نہیں تھے کہ ہم اہلِ حرم ہیں حرم سے باہر کیوں جائیں ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (سورۃ البقرہ آیت ۱۹۹)

پھر چلو تم اس مقام سے جہاں سے لوگ چلیں ۔

علاوہ ازیں منیٰ اور مزدلفہ میں بھی اپنے اپنے شاعر بلا کر اپنے مفاخر اور آباء کے کارنامے بیان کرایا کرتے تھے لہٰذا وہ محض ایک میلہ تماشا تھا نہ کہ حج ، مگر علامہ صاحب کو پھر ان کا حج تو کامل اکمل نظر آیا پتہ نہیں ہمارے حج کو حج کیوں نہیں سمجھتے ؟

مشرکین کی زکوٰۃ ،

علامہ صاحب نے یہ تو بتلا دیا کہ مشرکین زکوٰۃ دیتے تھے جانوروں سے بھی اور کھیتی میں سے بھی لیکن یہ نہ بتلایا کہ اپنے بتوں کو اللہ تعالےٰ پر

ترجیح دیتے تھے اگر اچھا جانور اللہ کے حصّے میں آتا تو بتوں کے حصّہ میں کر دیتے اور غلّہ وغیرہ سے کوئی شے اللہ تعالیٰ کے حصّے سے بتوں کی طرف چلی جاتی تو واپس نہ کرتے اور بتوں کے حصّہ سے اللہ کے حصّہ کی طرف چلی جاتی تو بتوں کے قہر و غضب سے ڈرتے ہوئے ان کا حصّہ واپس لے لیتے تھے۔

شرک کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے اور ساتھ ہی دوسرں کو اس کے ساتھ حصّہ دار بھی بنائے، لہٰذا شراکت کا تقاضا تو پورا کرتے لیکن اللہ تعالیٰ پر ان کو عملاً ترجیح بھی دیتے تھے اور بتوں کی ناراضگی سے ڈرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں ڈرتے تھے۔

الغرض ان کا یہ فعل تو علاّمہ صاحب کی نظروں میں قابلِ تحسین افعال سے ہے لیکن اہل السنّت غریب جو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ کریں اور خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ثواب کسی بزرگ کی خدمت میں پیش کر دیں تو یہ فعل ان کو سخت بُرا اور قابلِ مذمّت نظر آتا ہے۔ یاللعجب ولضیعۃالادب

علاّمہ صاحب نے مزید براں، عقیقہ، عمرہ، اعتکاف، غسل جنابت، ختنہ مُردوں کو قبور میں دفن کرنا، سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، زیرِ ناف بال دُور کرنا، غلام آزاد کرنا، اونٹوں کی قربانی دینا وغیرہ ذکر فرمایا۔ اوّل یہ افعال اتّباعِ شرع میں ہوتے تو قابلِ قدر ہوتے وُہ تو رسمی طور پر کیے جاتے تھے۔

عمرو بن لحی جس نے عرب میں شرک کو جاری کیا اور اس بدعقیدگی کا بانی بنا۔ علاّمہ صاحب نے اس کا یہ کارنامہ بیان فرمایا کہ وُہ حج کے موقعہ پر دس

دس ہزار اُونٹ ذبح کرتا تھا اور دس دس ہزار سُوٹ سالانہ مستحقوں میں بانٹتا تھا۔ شہد اور گھی ڈال کر عُمدہ حلوہ لوگوں کو کھلایا کرتا تھا، اور سَتُّو گھول گھول کر لوگوں کو پلایا کرتا تھا۔

اقول: مگر یہ افعال سراسر مشقت اور بے فائدہ بوجھ تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام فرماتے ہیں شیطان اس پر خوش نہیں ہوتا کہ لوگ اچھے کام نہ کریں بلکہ اس کی کوشش صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ ان کی محنت رائیگان اور برباد جائے اور ثواب نہ ملنے پائے لہٰذا اس نے اپنی مرضی اور منشا پوری کرائی۔ علاّمہ سرفراز صاحب نے مشرکین کی بُرے کاموں سے نفرت بیان کرتے ہُوئے کہا:

اہلِ جاہلیت میں شریف خاندان کی عورتیں زنا کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ حضرت ہندہ نے اسلام قبول کرتے وقت زنا نہ کرنے کی بیعت کی شرط پر ردِّ عمل ظاہر کرتے ہُوئے فرمایا:

کیا شریف عورتیں بھی زنا کرتی ہیں؟ ہم تو زمانۂ جاہلیت میں زنا سے شرم کرتی تھیں تو اسلام میں کیسے اس کا ارتکاب کر سکتی ہیں۔

اقول: جزوی مثال حضرت ہندہ کی اپنی جگہ مگر شریف خاندانوں کے مردوں کے متعلق بھی بتلایا ہوتا؟ اور زیاد بن ابیہ، زیاد بن ابی سفیان کیونکر بن گیا؟ اور جن عورتوں کے دروازوں پر جھنڈے لہرا رہے ہوتے تھے ان سے جنسی تعلقات قائم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اور حمل ٹھہرنے یا بچّہ پیدا ہونے پر اس کے باپ کا تعیّن کیسے کیا جاتا تھا۔ کیا علاّمہ صاحب نے بخاری وغیرہ میں

اس کا مطالعہ نہیں فرمایا؟

الغرض جزوی مثالیں اور نمونے علیحدہ امر ہے لیکن مجموعی طور مشرکینِ عرب انسانیت کے رُوپ میں بد ترین درندے اور خونخوار لوگ تھے اور اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ کمال سے محروم لوگ تھے اور ان کو مہذّب اقوام کسی شمار میں بھی نہیں لاتی تھیں۔ یہ صرف اور صرف نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا کمال ہے کہ اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تصفیہ سے ان کو انسانیت کے معراج پر پہنچایا اور مہذّب اقوام کا امام اور مقتدار بنا دیا۔ ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

علّامہ سرفراز کی دھوکہ دہی

علّامہ صاحب نے مشرکین کے یہ اوصاف توحجۃ اللہ البالغہ وغیرہ سے گنوا دیئے مگر حضرت شاہ صاحب کی عبارت کا آخری حصّہ ہضم کر گئے:

لکن دخلھم الفسوق والتظالم بالسبی والنھب و شیوع الزنا والنکاحات الفاسدہ والربا وکانوا قد ترکوا الصلٰوۃ والذکر واعرضوا عنھما فبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فیھم وھٰذا حالھم۔

لیکن ان میں فسق و فجور سرایت کر گیا اور باہم ایک دُوسرے کے ساتھ ظلم و ستم کا بازار گرم ہوا، بسبب بندوں کو غلام بنانے اور لُوٹ مار کرنے

کے اور زنا کاری اور فاسد نکاح عام ہونے کے اور سُود خواری کے اور وُہ نماز اور ذکر کو مکمّل طور پر ترک کر چکے تھے اور ان دونوں سے بالکل مُنہ موڑ چکے تھے تب اللّٰہ تعالیٰ نے ان میں نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مبعوث فرمایا جبکہ ان کا حال اس قدر بُرا ہو چکا تھا، یہاں علاّمہ صاحب نے مشرکین کی محبّت واُلفت اور پاس ولحاظ میں دیانت و امانت کا خُون کر ڈالا اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا اصل مقصد چُھپا کر ان کے ساتھ بھی ظلم وستم کیا اور ان پر بہتان و افترا سے کام لیا۔ اگر علماء دیوبند میں سے بڑے محقق کا حال یہ ہے تو دُوسروں کا حال کیا ہو گا۔ ؎

قیاس کن زگُلستانِ من بہار مرا

حضرت حکیم الاُمّت شاہ ولی اللّٰہ صاحب نے الفوز الکبیر میں بھی اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

اما المشرکون فکانوا یسمون انفسھم حنفاء وکانوا یدعون التدین بالملۃ الابراھیمیۃ وشعارھا حج البیت الحرام (الیٰ) لکن جمھور المشرکین کانوا یترکونھا حتّٰی صارت ھٰذہ الافعال کان لم تکن وقد کان تحریم القتل والسرقۃ والزنا والربا والغصب ایضًا ثابتًا فی اصل الملۃ وکان انکار ھذہ الاشیاء جاریا فی الجملۃ واما جمھور المشرکین فیرتکبونھا ویتبعون النفس الامارۃ فیھا ص۲۳۔

لیکن مشرکین اپنے آپ کو حنفاء سے موسوم کرتے تھے اور ملتِ ابراہیمیہ کے ساتھ اتّباع و اقتداء کا دعوٰی کرتے تھے اور حنیف کہا ہی اُس کو جاتا ہے جو ملّتِ ابراہیمیہ کو اختیار کرے اور اس کا امتیازی نشان حج بیت اللہ نماز میں اس کی طرف توجّہ، غسلِ جنابت، ختنہ اور دیگر خصالِ فطرت، اشہرِ حرام کی حرمت و عزّت، مسجدِ حرام کی تعظیم، محرماتِ نسبیہ اور رضاعیہ کو حرام سمجھنا، حلقوم سے جانور کو ذبح کرنا اور اُونٹوں کا نحر وغیرہ وغیرہ اور ان کے ساتھ مدح و ثناء کا حقدار ہونا ان میں شائع تھا لیکن جمہور مشرکین ان امُور کو ترک کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان افعال کا گویا وجود ہی نہ رہا۔ اور قتل اور چوری، زنا اور سُود خواری اور لُوٹ مار کی حرمت بھی ملتِ ابراہیمی میں ثابت تھی اور ان امور پر اعتراض و انکار بھی فی الجملہ موجود تھا لیکن جمہُور مشرکین ان کے مرتکب تھے اور ان میں نفسِ امارہ کی اتّباع کرتے تھے

حضرت شاہ صاحب نے یہاں پر ملّتِ ابراہیمی میں مشروع اور غیر مشروع امُور کی وضاحت فرمائی ہے اور ان کے زبانی طور پر ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعوٰے کے باوجود ان اعمال کو رفتہ رفتہ ترک کرتے جانا بیان فرمایا اور عمرو بن لحی کی تقلید میں بُت پرستی اور تشبیہ و تحریف اور انکار معاد اور اور استبعادِ رسالتِ مصطفویہ وغیرہ میں مبتلا ہو جانا بھی بیان فرمایا اور اس تقلید کے بعد نہ ان امُورِ خیر کا کرنا انہیں مفید تھا اور نہ امُورِ شر سے بچنا کارآمد اور جب تک اس خبیث کے مقلّد نہیں بنے تھے مشرک ہی نہیں تھے۔

وبیان التحریف ان اولاد اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کانوا علیٰ شریعۃ جدھم الکریم حتّٰی جاء عمرو بن لحی فوضع لھم اصناما۔ (ص)

ملّتِ ابراہیمیہ میں تحریف کا بیان یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے جدِّ امجد علیہ السلام کی شریعت پر تھی حتّٰی کہ عمرو بن لحی کا زمانہ آگیا تو اس نے ان کے لیے بُت وضع کیے اور ان کی عبادت کے طور پر بحیرہ سائبہ اور حام کو جاری کیا اور تیروں سے فالوں کا طریقہ جاری کیا وغیر ذٰلک اور یہ حادثہ سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت مُبارکہ سے تین سو سال قبل رونما ہُوا۔

وکانت الجھلۃ یتمسکون فی ھٰذا الباب بآثار اٰباءھم وکانوا یعدون ذٰلک من الحجج القاطعۃ۔ ص

اور جہلائے عرب اس معاملہ میں اپنے آباء و اجداد کے افعال وکردار کے ساتھ استدلال کرتے تھے اور اس کو قطعی دلائل میں سے شمار کرتے تھے۔

الغرض اقل قلیل افراد توحیدِ خالص پر اور اعمال سیئہ سے متنفر اور بیزار تھے لیکن عمومی طور پر نہ عمل صالح اور عقیدۂ صحیحہ موجود تھا اور نہ اعمالِ سیئہ اور شرک وغیرہ سے نفرت تھی۔

گلدستۂ توحید

تصویر کا دُوسرا رُخ

یہاں تک تصویر کا ایک رُخ ملاحظہ فرمایا۔ اب تصویر کا دُوسرا رُخ

بھی ملاحظہ کریں کہ کیا مشرکین مندرجہ ذیل احکامِ اسلام کے انکار کی وجہ سے مشرک قرار پاتے ؟

حالانکہ ان احکام کا ابھی تک نزول ہی نہیں ہُوا تھا۔ جہاد ۲ھ ہجری میں فرض ہُوا۔ رمضان کے روزے بھی اس سال فرض ہُوئے۔ صدقہ فطر اور نمازِ عید وغیرہ کا حکم بھی اسی سال نازل ہُوا۔ وراثت کا حکم بھی ۳ھ میں نازل ہُوا۔ مسلمانوں اور مشرکوں کا باہمی نکاح ۲ھ میں حرام ہُوا۔ صلوٰۃِ کسوف ۱۰ھ کو پڑھی گئی۔ سُود کی حرمت بھی ۱۰ھ کو بیان کی گئی۔ شراب کی حرمت ۳ھ کے بعد نازل ہُوئی۔ جُمعہ کی نماز ۱ھ میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ نمازِ جنازہ کا حکم بھی ہجرت سے پہلے نازل نہیں ہوا تھا بلکہ پانچ نمازوں کی فرضیت بھی شبِ معراج سے قبل نہیں پائی گئی اور تحقیق یہ ہے کہ معراج اعلانِ نبوّت کے دسویں سال ہُوئی (وغیرہ وغیرہ) آپ احکامِ اسلام کا اجمالی خاکہ پڑھ چکے مگر یقین جانیے کہ ان میں سے کسی ایک چیز کے ترک کی وجہ سے مشرکین پر شرک کا فتویٰ نہیں لگ سکتا کیونکہ ابھی تک تو یہ چیزیں نازل بھی نہیں ہُوئی تھیں لہٰذا معلوم ہُوا کہ مشرکین کے شرک کا سبب کچھ اور ہی تھا جس کی وجہ سے وُہ مشرک تھے اور اہلِ ایمان کے مومن ہونے کی وجہ بھی کچھ اور تھی کہ وُہ ان احکام پر عمل نہ کرتے ہُوئے بھی مومن تھے۔

(صفحہ نمبر ۸۰ تا ۸۷ ملخصاً)

گلشنِ توحید و رسالت

علاّمہ سرفراز صاحب کے نزدیک نبوّت و رسالت کی کوئی اہمیّت ہی نہیں۔

علاّمہ صاحب نے کفّار کی خوبیاں بھی گنوا دیں اور احکامِ شرع کے ترک و انکار والی قباحت و بُرائی سے ان کا پاک و صاف ہونا بھی بیان کر دیا اور آگے جاکر شرک کی علت اور سببِ موجب لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کا انکار قرار دیا اور اس طرح تمہیدِ طولانی کے بعد یہ مدّعا بیان کیا کہ ہر خُوبی ان میں تھی اور بُرائی سے منزّہ و مبرّا تھے بس کوئی خرابی تھی تو صرف یہ کہ وُہ مشرک تھے اور اللّٰہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہٗ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ لیکن علاّمہ صاحب کو احکامِ اسلام میں کہیں نبیِ مکرّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوّت و رسالت نظر نہیں آئی۔ اسلئے ان کے خصالِ حمیدہ میں نہ اقرارِ نبوّت کو ذکر کیا اور ان کے ممکنہ قبائح سے بری الذمّہ ہونے میں انکارِ رسالت سے برا رت کا ذکر کیا تو گویا نبوّت اور رسالت کی آس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں ہے حالانکہ آپ کی نبوّت پر ایمان اس قدر اہم فریضہ ہے کہ اہلِ کتاب بھی اس کے بغیر اب مومن نہیں بن سکتے اور نہ نجات پا سکتے ہیں بلکہ پہلے تشریف لانیوالے انبیاء علیہم السّلام بھی اگر آپ کا زمانۂ نبوّت پاتے تو ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا اور وُہ اس کے بغیر مومن بھی نہ ہو سکتے چہ جائیکہ نبی و رسُول۔ کما قد ذکرت۔

حضرت عیسٰی علیٰ نبینا و علیہ السّلام بھی ان کے امّتی اور ان کے دین کے مبلغ اور خلیفہ کی حیثیّت سے تشریف لائیں گے۔ بلکہ انبیاء و مرسلین نے شبِ معراج

بیت المقدس میں آپ کی اقتدار کرکے اور آپ کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہوکر عملی طور پر ایمان لانے کا فریضہ ادا کر دیا۔

لیکن کفار و مشرکین اس اہم فریضہ کا انکار کرتے رہے اور اقرار کرنے والوں کو تشدد کا نشانہ بناتے رہے اور طرح طرح کے عذاب اور عتاب کا ہدف بناتے رہے بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بار بار حملے کیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مار مار کر لہولہان کیا وطنِ مالوف سے ہجرت پر مجبور کیا اور وہاں بھی آرام و سکون سے بیٹھنے نہ دیا اور اہلِ اسلام کے خلاف جنگ کو اپنے اوپر فرض کر لیا اور کمزور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے قید و بند اور مارپیٹائی سے گریز نہیں کرتے تھے تو کیا انکارِ رسالت، جحودِ نبوت اور نبیِ محترم، رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذار رسانی اور اہلِ اسلام کو تشدد کا نشانہ بنانا کوئی جرم ہی نہیں ہے اور اس کی کوئی اہمیت ہی علامہ صاحب کی نظر میں نہیں ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اتنا بڑا اہم فریضہ بلکہ فرائض کی جان علامہ صاحب کی نظروں سے بالکل اوجھل ہے۔ حالانکہ اقوامِ عالم کی طرف سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار اور تمام انبیاء سابقین کا اقرار بھی بعثتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس وقت تک مفید اور کارآمد نہیں ہوسکتا جبتک محمد رسول اللہ[1] کا اقرار و اعتراف نہ پایا جائے۔

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(سورہ آلِ عمران آیت ۸۲)

[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بلکہ اگر صرف آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صفتِ خاتمیت کا انکار کر دیا جائے تو بھی اقرارِ توحید عبث ہو کر رہ جائے۔ بلکہ خاتمیت پہ ایمان رکھنے کے باوجود اگر بیبا کی لاپرواہی کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں آواز اُونچی ہو جائے تو سارے اعمالِ خیر بمع افضل الذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے اکارت اور برباد چلے جائیں۔

اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ○

(سورۃ الحجرات آیت ۲)

لہٰذا اتنے بڑے اہم فریضہ اور جانِ فرائض کو نظر انداز کرنا کسی مخلص مومن اور کامل مسلمان کے لیے ممکن نہیں اور ان کے مشرک ہونے کی وجہ تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کافر ہونے اور ایمان لانے کی استعداد و صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ بھی معلوم کرنی ضروری ہے بلکہ اشد ضروری اور اہم فریضہ ہے۔ قال تعالیٰ ؛

انظر کیف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا یستطیعون سَبِیۡلًا

دیکھو انہوں نے تمہاری کیسی کیسی تشبیہیں اور تمثیلیں دی ہیں جن کی وجہ سے وُہ ایسے گمراہ ہوئے کہ راہِ راست پر آنے کی استعداد و صلاحیت ہی برباد کر چکے ہیں اور کبھی ہدایت پا ہی نہیں سکتے۔

رہا یہ سوال کہ ؛

مومن کیوں مومن تھے؟

تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ رسولِ معظم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کیلئے

جانوں کو پروانہ وار نثار کرتے تھے۔ حضرت مولائے مرتضےٰ رضی اللہ عنہ شبِ ہجرت بسترِ نبوی پر لیٹ کر اور حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ ایسے کٹھن سفر میں رفاقت اختیار کرکے اور نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیلئے کبھی کفّار قریش کے تشدّد کے دوران اپنی جان پیش کرکے اور کبھی آپ کی نیند پر جان کا نذرانہ پیش کرکے اور کبھی آپ کی نیند پر جان کا نذرانہ پیش کر کے، پھر خویش و اقربا سے تعلّق توڑ کر (جو غلامیِ رسول کا طوق گلے میں ڈالنے کو تیار نہ تھے) اور بالآخر وطن، گھربار اور مال و دولت کو قربان کرکے نیز جنگوں میں اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر شمعِ نبوّت و رسالت پر پروانہ وار نثار کرکے مومن تھے اور مومن رہے اور جو بھی امر یا نہی، حکم یا منع دربارِ نبوّت سے صادر ہوتا بلا چوں وچرا اسی پر عمل پیرا ہوتے۔ لیکن کفّار و مشرکین

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ (سورہ انبیاء آیت ۳)

کی ہی رٹ لگاتے رہے اور انکارِ رسالت کرتے رہے اور

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ (سورۃ المدثر آیت ۲۵)

کہہ کر آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خُداداد کتاب کا انکار کرتے رہے۔ مُنہ مانگے معجزے دیکھتے رہے۔ چاند چرتا دیکھا۔ درخت جڑوں پر چلتے دیکھے، پتھر پانی پر تیرتے دیکھے۔ پتّھر اور جانور رسالت کی گواہی دیتے ہوئے دیکھے سُنے لیکن اطاعتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف مائل نہ ہوئے اور طوقِ غلامی گلے میں نہ ڈالا لہٰذا بظاہر کوئی کام عبادت والا کرتے بھی تھے تو وُہ حقیقت میں نہ عبادت ہوتی تھی اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہوسکتا تھا اس لیے وُہ کافر و مشرک

ہی رہے اور مومن مومن رہے۔

کُفّار کے اعمالِ خیر کے غیر معتدبہ ہونے کی وجہ

اسی لیے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ج

(سُورہ الکافرون آیت ۲-۳)

ای لا تقتدون باوامر اللہ وشرعه فی عبادته بل اخترعتم شیئا من تلقاء انفسکم۔ کما قال تعالیٰ: (ان یتّبعون الا الظنّ وما تهوی الا نفس ولقد جاء هم من ربهم الهدیٰ)

فتبرء منهم فی جمیع ما هم فیه فان العابد لابدله من معبود یعبده وعبادة یسلکها الیه فالرسول صلی اللہ علیہ وسلّم واتباعه یعبدون اللہ بما شرعه ولهٰذا کان کلمة الاسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، ای لا معبود الا اللہ ولا طریق الیه الا ما جاء به الرّسول صلی اللہ علیه وسلّم والمشرکون یعبدون غیر اللہ عبادة لم یاذن بها اللہ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۶۰)

میں نہیں عبادت کرتا ان کی جنہیں تم پوجتے ہو نہ تم عبادت کرتے ہو اس

جس کی میں عبادت کرتا ہوں یعنی تم اللہ تعالیٰ کے احکام اور شرع کی اقتدار، اس کی عبادت میں نہیں کرتے بلکہ اپنی طرف سے تم نے کچھ اختراع کر رکھا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ صرف ظن وگمان کی اتباع کرتے ہیں اور خواہشاتِ نفسانیہ کی اور البتہ ان کے پاس آئی ان کے رب کی طرف سے سراپا ہدایت (مگر وہ اسکے قریب بھی نہیں پھٹکتے) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برارت کا اظہار فرمایا ان کے تمام معاملات سے کیونکہ عابد کے لیے معبود بھی ضروری ہے جس کی عبادت کرے اور ایسی عبادت بھی جو اس کی بارگاہ تک لے جاتے۔ لہٰذا رسولِ کریم علیہ السّلام اور آپ کے متبع اور فرمانبردار لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ پر کرتے ہیں جو اس نے مشروع فرمایا اور اسی لیے اسلام کا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس تک پہنچانے والا کوئی راستہ نہیں مگر وہی جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرمایا اور مشرکین اللہ کی بجائے غیر کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے رخصت اور اجازت نہیں دی۔

ولھٰذا قال الرسول لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ﴿۶﴾

(سورۃ الکافرون آیت ۶)

اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین جس طرح کہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے:

اِنْ کَذَّبُوْکَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ ج

(سورہ یونس آیت ۴۱)

اگر کفار تمہیں جھٹلائیں تو کہو میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے
اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ○ (سورہ یونس آیت ۴۱)
تم اس سے بَری ہو جو عمل میں کرتا ہُوں اور میں بَری اور بیزار ہُوں اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور علامہ اقبال بلکہ بقول سرفراز صاحب قلندر لاہوری فرماتے ہیں: ؎

محمدؐ عربی کابروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

علّامہ سرفراز صاحب کے ممدوحین مشرکین بالفرض لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کر بھی لیتے تو اللّٰہ تعالیٰ قطعاً ان سے یہ اقرارِ وحدانیت قبول نہ فرماتا جب تک محمدؐ رسُول اللّٰہ کا اقرار اور اعتراف نہ کرتے بلکہ اللّٰہ تعالیٰ اس کو اپنی ناقدری قرار دیتا۔ کما قال:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ (سُورۃ الانعام آیت ۹۱)

اور نہیں قدر کی انہوں نے اللّٰہ تعالیٰ کی جیسے کہ حق تھا قدر کرنے کا جبکہ کہا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی لہٰذا اقرارِ توحید تو ہو مگر رسالت کا انکار ہو تو یہ اقرار بھی انکار کے مترادف ہے اور مُشرک کو

؎ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

موحد نہیں بنا سکتا۔

گلدستۂ توحید

شرک کی علت اور وجہ تلاش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ کلمہ گو مشرکین نے عوام الناس کو صرف سطحی قسم کی باتوں میں الجھا رکھا ہے۔

۱۔ کبھی یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ شرک بُتوں کی پُوجا کا نام ہے حالانکہ اسی کتاب میں اصنام و اوثان کی باحوالہ بحث موجود ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔

گلشنِ توحید و رسالت

کیا شرک بُت پرستی کا نام نہیں؟

یہ سطحی بات نہیں بلکہ تحقیقی بات ہے اور صرف ہماری تحقیق نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحقیق ہے کہ مُشرک بُت پُوجتے ہیں۔ اسی لیے ان سے کہا

تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولو مدبرین

بخُدا میں ضرور تمہارے بُتوں سے نبٹ لوں گا جب تم ان سے پیٹھ پھیر دو گے۔

پھر ان بُتوں سے کہا کھاتے کیوں نہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ پھر انہیں ٹکڑے کیا اور کلہاڑا بڑے کے کندھے پر رکھ کر چل دیئے۔ جب قوم نے واپس آکر یہ منظر دیکھا تو یہ نہیں کہا ہمارے مراکز توجہ اور قبلۂ الاولیائے سلف یہ سلوک کس نے کیا بلکہ کہا:

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

(سُورۃ الانبیاء آیت ۵۹)

جس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا وُہ ظالمین سے ہے۔

جب بعض نے مخبری کرتے ہُوئے کہا:

سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ○ؕ

(سُورۃ الانبیاء آیت ۶۰)

ہم نے ایک جوان کو ان کے خلاف باتیں کرتے سُنا ہے جسکو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

تو دُوسروں نے کہا:

فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○

(سُورۃ الانبیاء آیت ۶۱)

اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شائد وُہ گواہی دیں (اس کے ادھر آنے کی اور یہ کارروائی کرنے کی)۔

جب آپ کو لایا گیا اور دریافت کیا گیا:

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا (سُورۃ الانبیاء آیت ۶۲)

کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

تو آپ نے فرمایا:

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (سُورۃ الانبیاء آیت ۶۳)

بلکہ اس بڑے نے کیا ہے۔

(کیونکہ ظاہر ہے آلۂ قتل جس سے ملے بظاہر قاتل وہی ہے اور آلۂ قتل اسی کے پاس ہے مزید تسلّی کرنی ہے تو)

فَسْـئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○ (سورۃ الانبیاء آیت ۶۳)

تو انہیں سے دریافت کر لو اگر وُہ بولتے ہیں تو۔

اگر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے نزدیک وُہ ان کے صرف قبلہ توجّہ ہوتے تو ان کے متعلّق دریافت کرنے کا حکم کیوں دیتے۔ وُہ ان کو نہیں پُوجتے تھے تو ان کو آلہہ کیوں کہا اور اگر عاقل وفاہم اور ذوی العقول ہونے کا نظریہ ان کے متعلّق نہیں رکھتے تھے تو آپ کا ان کی جہالت وحماقت ظاہر کرنے کیلئے کہنا ان سے ہی دریافت کر لو کیونکر درست ہو سکتا تھا اور اگر وُہ نبیوں ولیوں کو پُوجتے تھے تو آپ کا ان پر تف کرنے کا کیا جواز تھا؟ کیا انہوں نے اپنی عبادت کے لیے ان کو کھڑا رکھا تھا؟ آپ نے کیوں فرمایا:

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط

(سورۃ الانبیاء آیت ۶۷)

نیز انبیاء و اولیاء سے محبّت ضروری ہے اور ان سے عداوت اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اعلانِ جنگ کے مترادف ہے حالانکہ آپ نے فرمایا:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ لا (سورۃ الشعراء آیت ۷۷)

نیز انبیاء علیہم السّلام آپس میں بھائی ہیں۔ کما قال علیہ السّلام:

الانبیاء اخوۃ لعلات ابوھم واحد امھاتھم شتّٰی

یعنی انبیاء علیہم السّلام باہمی علاتی بھائی ہیں۔ ان کا باپ (اصُولِ دین)

ایک ہے اور مائیں (فروعی احکامات اور تفاصیل شرعیہ باہم) مختلف ہیں۔
اور اولیاء کرام بھی آپس میں بھائی اور دوست ہیں۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝

(الزخرف آیت ۶۷)

دُنیا کے دوست قیامت کے دن باہم دُشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔
نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سورۃ الحجرات آیت ۱۰)

کہ مومنین باہم بھائی بھائی ہیں۔
نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (سورۃ التوبہ آیت ۷۱)
مؤمنین آپس میں ایک دُوسرے کے دوست اور یار و مددگار ہیں۔
حالانکہ ابراہیم علیہ السّلام نے ان کے معبودات سے برأت کا اظہار فرماتے ہوئے کہا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝

(سورہ زخرف آیت ۲۶)

لہٰذا یقیناً ان کے معبود انبیاء و اولیاء نہیں تھے۔
نیز مشرکین سے جب آپ نے دریافت فرمایا:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء آیت ۵۲)

یہ کیسی مُورتیاں ہیں جن کے لیے تم معتکفِ عبادت ہو۔

توانہوں نے کہا :

وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ○ (سُورۃ الانبیاء آیت ۵۳)

ہم نے اپنے آبار و اجداد کو ان ہی مُورتیوں کی پرستش کرتے ہُوئے پایا

اور ہم بھی ان کی اقتدار و اتّباع میں ان کی پُوجا کرتے ہیں۔

الغرض موحدِ اعظم اور اوّلین بُت شکن اور شرک کے خلاف عملی جہاد کرنے والے پیغمبر اور امام النّاس ہونے کا اعزاز پانے والے خلیل خُداوندتعالےٰ کا نظریہ اور ان کی تحقیق یہی ہے اور خود بُت پرستوں کا اعلان یہی ہے۔مزید تفصیلی بحث اسی کتاب کے پچھلے اوراق میں گزر چکی ہے، دوبارہ ملاحظہ فرما دیں مگر علاّمہ صاحب کا معاملہ 'مدعی سُست گواہ چُست' والا ہے۔مشرک اپنے آپ کو اصنام و اوثان کی الوہیت پر منحصر اور محدُود کرتے ہیں لیکن علاّمہ صاحب ان کو انبیار و اولیار کو معبود ماننے پر مجبور کرتے ہیں اور نئی راہ دکھلاتے ہیں۔

نیز بقول علاّمہ صاحب جو معبُود تھے ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہیں دیگا، اور جو معبُود نہیں تھے صرف قبلہ توجّہ تھے ان کو مشرکین کے ساتھ جہنّم واصل کر دے گا۔تو علاّمہ صاحب کے نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے بھی انصاف نہیں ہو سکے گا۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ :

گلدستۂ توحید

اور کبھی یہ شوشہ چھوڑتے ہیں کہ مشرکین غیر اللہ میں ذاتی اختیارات تسلیم کرتے تھے حالانکہ یہ بھی غلط ہے جیسے کہ اسی کتاب میں تصریح موجود ہے

گلشنِ توحید و رسالت

مشرکین غیر اللہ میں ذاتی اختیارات تسلیم کرتے تھے،

یہ شوشہ نہیں بلکہ حقیقتِ واقعیہ کا بیان ہے کیونکہ ثنویہ اللہ تعالٰے کے ساتھ اہرمن کو وجوب الوجود میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ جیسے کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد میں فرمایا :

الاشراك اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام ۔

شریک ٹھہرانے کا مطلب ہے الوہیت میں کسی کو اللہ تعالٰی کے ساتھ شامل کرنا خواہ الوہیت بمعنیٰ وجوب الوجود ہو جیسے کہ مجوسیوں نے اہرمن کو مبداءِ شرور مانا اور اس کا واجب الوجود ہونا تسلیم کیا۔ خواہ بمعنیٰ عبادت کی حقداری جیسے کہ بُت پرستوں نے اپنے بُتوں کو عبادت کا حقدار تسلیم کیا۔

علامہ زمان محقّقِ دوراں میر سیّد شریف جرجانی اور قاضی عضد الملّۃ والدّین فرماتے ہیں :

اما الثنویۃ فانھم قالوا نجد فی العالم خیرا کثیرا وشرا کثیرا وان الواحد لا یکون خیراً شریراً بالضرورۃ (الیٰ) والمجوس منھم ذھبوا الیٰ ان فاعل الخیر ھو یزدان وفاعل الشر ھو اھرمن و یعنون بہ الشیطٰن ۔ (مواقف و شرح مواقف ص۶۳۸)

ثنویہ نے کہا کہ ہم جہاں میں خیرِ کثیر بھی پاتے ہیں اور شرِ کثیر بھی اور فردِ واحد سراسر خیر بھی ہو شریر بھی ہو۔ بداہتہً ایسا نہیں ہو سکتا لہٰذا دو خالق و موجد ضروری ہیں تو ثنویہ میں سے مانویہ اور دیصانیہ فرقہ اس کے قائل ہیں کہ وُہ دونو مُوجد و خالق نُور اور ظلمت ہیں۔ نُور فاعلِ خیر ہے اور ظلمت فاعلِ شر چونکہ نُور و ظلمت دونو عرضیں ہیں اور اپنے وجود میں بھی محتاج الی الغیر ہیں، تو ظاہر ہے ان کی مُراد نُور اور ظلمت سے یہ معروف اور متبادر معنٰی نہیں ہے وکانھم ارادوا معنیً اٰخر سوی المتعارف ۔ کیونکہ وُہ کہتے ہیں کہ نُور زندہ ہے عالم ہے اور قادر و سمیع و بصیر ہے اور ان میں مجوسیوں کا مذہب یہ ہے کہ خیر کا فاعل و مُوجد یزدان ہے اور شر کا مُوجد اہرمن ہے جس سے ان کی مُراد شیطان ہے۔

الحاصل جب ثنویہ اور ان کے تینوں فرقوں کا یہ عقیدہ مُسلّم ہے کہ وُہ کائنات میں دو متصرّف قوّتیں اور ذاتیں تسلیم کرتے ہیں اور دونو اپنے آپ موجود ہیں ان کا ایک دُوسرے کی طرف وجود و تحقّق میں قطعًا افتقار و احتیاج نہیں ہے تو ان کے متعلّق کیا صرف ہم نے ہی شوشہ چھوڑا ہے یا

علمائے ملّت اور مقتدایانِ اُمّت اور محققینِ اسلام کا یہی مذہب و مسلک صدیوں سے چلا آرہا ہے۔

بلکہ خود کلام مجید گواہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم علیہ السّلام کے اس مطالبے پر کہ کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اپنا ردِّ عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا:

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○

(سُورہ صٓ آیت ۵)

کیا انہوں نے سب دُوسرے خُداؤں کی خُدائی کی نفی کر کے صرف ایک الٰہ کو برقرار رکھا ہے یہ تو بہت ہی تعجب کے لائق بات ہے۔

تو یہاں اگر صرف عبادتِ غیر کی نفی ہوتی تو تعجب کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کیا مقام تھا یہ تعجب ان کو صرف اور صرف اس لیے لاحق ہُوا کہ ان کے ذہن قاصر اور عقلِ فاتر میں یہ بات آہی نہیں سکتی تھی کہ اکیلا خُدا پُوری کائنات کا نظام کیسے چلا سکتا ہے۔

نیز اللّٰہ تعالیٰ نے بھی دُوسرے مُوجد اور خالق کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ (سُورۃ الانبیاء آیت ۲۲)

اگر زمینوں آسمانوں میں اللّٰہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دُوسرا الٰہ ہوتا تو یہ سبھی تباہ و برباد ہو جاتے۔

یعنی عدم سے وجود میں ہی نہ آسکتے بسبب باہمی تناقضِ آراء، اور تخالف فعل کے۔ یا بنے بنائے ختم ہو جاتے نظم و نسق چلانے میں اختلافِ آراء اور تضادِ عمل کی وجہ سے اور اس طرح کے مضامین پر مشتمل بہت سی آیات

موجود ہیں۔ قال تعالیٰ:

اذاً لذھب کُلُّ الٰہٍ بما خلق ولعلیٰ بعضھم علیٰ بعض وغیر ذالک)۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر مشرکین کا ایسا قسم موجود ہی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کو ان کے مذہب و مسلک اور نظریہ و عقیدہ پہ ردّ و قدح کی کیا ضرورت تھی؟ اور دلائل و براہین سے اس عقیدہ کے ابطال کی کیا وجہ وجیہ ہو سکتی ہے؟

عبادت و اطاعت میں باہمی فرق

نیز عبادت غایت تذلل کا نام ہے اور جب تک کسی کو اپنے وجود اور اس کی بقا اور جملہ ضروریات کا کفیل اور موت و حیات کا مالک تسلیم نہ کیا جائے تو اس وقت تک اس کی حرمت و تکریم عبادت نہیں کہلا سکتی اور یہی وجہ ہے کہ رسل کرام اور اولی الامر کی اطاعت صرف جائز ہی نہیں رکھی گئی بلکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج

(سورۃ النساء آیت ۵۹)

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط

(سورۃ النساء آیت ۶۴)

کیونکہ اطاعت کے لیے صفات اور کمالات ذاتیہ ضروری نہیں عطائی

بھی کافی ہیں لیکن عبادت کے لیے کمالاتِ ذاتیہ کا تحقق ضروری ہے اور وہ چونکہ غیر میں متحقق نہیں ہو سکتے لہٰذا غیر اللہ کی عبادت کو جائز ہی نہیں رکھا گیا چہ جائیکہ اس کو لازم اور ضروری قرار دیا جاتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مطاع بودن را عظمت ذاتی لازم نیست و معبود شدن را عظمت ذاتی وآں ہم بنہایت رسیدہ لازم است پس قیاس عبادت بر اطاعت قیاس مع الفارق است۔ (تفسیر ص۱۲۹ سورہ بقرہ)

مطاع اور متبوع ہونے کے لیے ذاتی عظمت درکار نہیں ہے اور معبود ہونے کے لیے ذاتی عظمت درکار ہے اور وہ بھی ایسی جو انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہو لہٰذا اطاعت کا قیاس عبادت پر کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے۔

اور جب کفار کا غیر اللہ کی عبادت کرنا اور وہ بھی اصنام و اوثان کی انہیں کی زبانی اور قرآن کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی زبانی ثابت ہوچکا تو ان میں عظمتِ ذاتیہ کا تسلیم کرنا بھی انہیں لازم اور اس وجہ سے قیامت کے دن اپنے معبوداتِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہرانے کا اقرار بھی ثابت۔ کما قال تعالیٰ:

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

(سورہ الشعراء آیت ۹۷-۹۸)

بخدا ہم کھلی گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمہیں اللہ رب العلمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

جب علامہ سرفراز کی اپنی تصریحات کے مطابق وہ زمینوں آسمانوں کا خالق و موجد صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے تو پھر برابری کس طرح ہو گئی اور روزِ قیامت جو انکشافِ حقائق کا دن ہے اس میں اس اعتراف پر کیوں مجبور ہو گئے؟ تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ کسی کی عبادت اس میں عظمت و کمالِ ذاتی کی متقاضی ہے تو عبادت کا اثبات ہی ذاتی عظمت کا اثبات ہے لہٰذا اس اعتراف و اقرار پر ہر انصاف پسند اور عقلمند انسان مجبور و مضطر ہے، اور صرف اور صرف ضدی اور ہٹ دھرم ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔ مزید تحقیق اسی کتاب کے سابقہ صفحات پر ملاحظہ فرمادیں۔

گلدستۂ توحید

اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور مقام و احترام کے قائل نہیں تھے اور اسی واسطے آپ کو نبی نہیں مانتے تھے، لیکن باحوالہ گزر چکا کہ یہ بات بھی نہیں ہے۔ غرضیکہ یہ اور اس قسم کی کئی سطحی باتیں کہہ کر عوام النّاس کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ ہم شرک میں آلودہ نہیں ہیں بلکہ دیگر تو ہیں شرک میں مبتلا ہیں اور حقیقت میں وہ شرک کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مشرکینِ مکہ اس شرک سے بڑھ کر ہرگز کوئی اور شرک نہیں کرتے تھے، جس کو آج کے بعض کلمہ گو کر رہے ہیں۔

(صفحہ نمبر ۸۷ - ۸۸)

گلشنِ توحید و رسالت

علّامہ سرفراز صاحب کے نزدیک احترامِ رسالت کا مفہوم کیا ہے؟

یہ تو آپ آغازِ کتاب یعنی مقدّمہ کے جواب میں پڑھ ہی چکے کہ مشرکینِ مکّہ نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو شاعر، ساحر، مجنون اور اللہ تعالےٰ پر افترا پرداز قرار دیتے تھے۔ کیا علّامہ سرفراز صاحب اس کو بھی احترامِ رسُول قرار دیتے ہیں؟ وُہ نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر خاک پھینکتے تھے اور پتّھر مارتے تھے اور کہتے تھے یہ دیوانہ ہے، صابیؔ ہے اس کی بات مت سُننا کیا علّامہ صاحب کے نزدیک یہ تکریمِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تھی؟ انھوں نے آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے شہید کرنے کا منصُوبہ بنایا اور تمام قبائل سے چیدہ چیدہ افراد آپ کی تاک میں رہے کہ جاگتے ہی یکبارگی حملہ کر کے ان کو (خاکم بدہن) صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطّلب سارے قریش کے ساتھ تو مقابلہ کر نہیں سکیں گے لہٰذا دیت دے کر صلح کریں گے، حتّٰی کہ اس سازش کو ناکام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے آبائی وطن اور محبُوب شہر مکّہ کو اور گھر بار کو خیرباد کہا اور ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ ڈیرہ ڈالا تو کیا یہ ساری کارروائی بھی محبّتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم قرار پائے گی؟ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو پکڑنے کی کوشش اور پکڑنے والے کے لیے انعامات کا اعلان بھی خدماتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے کیا ہوگا؟ اور تین سال تک شعب ابی طالب میں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

کو اور آپ کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو عبد المطّلب اور اہلِ ایمان کو محصُور رکھا، اور میل جول اور ہر طرح کے برتاوٴ اور لین دین کا مکمّل بائیکاٹ رکھا، یہ بھی عظمتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اظہار کرنے کے لیے تھا؟ یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ قرآن مکّہ اور طائف میں سے کسی عظیم آدمی پر کیوں نہیں نازل ہُوا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝

(سُورہ زخرف آیت ۳۱)

ابُوطالب کے یتیم بھتیجے پر کیوں نازل ہُوا ہے؟ تو کیا یہ بھی اپنے طور پر اظہارِ عقیدت ہی تھا؟

کیا انہوں نے نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دعوائے رسالت کو مان لیا تھا؟ یا اپنے جیسا بشر کہہ کر منصبِ رسالت کی اہلیت تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا! کیا آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قرآن کو مان لیا تھا، یا اساطیر الاوّلین (پہلے لوگوں کے قصّے کہانیاں) کہہ کر اس کے کلام اللہ ہونے اور منزل من اسماء ہونے کا انکار کیا تھا؟ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ

قَالُوْا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ (سُورہ الانفال آیت ۳۱)

اگر چاہیں تو ہم بھی اس کی مثل بنا لیں۔

اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ (سُورہ نحل ۱۰۳) انکو صرف کوئی بشر تعلیم دیتا ہے۔ اسے کتاب اللہ کہنا ان کا جھُوٹ ہے تو کیا یہ بھی احترامِ رسالت میں ہی کہا تھا۔ انکی طرف سے نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ظلم و زیادتی کا اللہ تعالےٰ گواہ ہے۔ قال تعالیٰ:

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ

(سورہ الانبیاء آیت ۳)

اور آپ کا طوقِ غلامی گلے میں ڈالنے والوں پر ظلم و تشدّد کا بھی قرآن گواہ ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝

(سورہ الحج آیت ۳۹)

اور معذور و مجبور اور بے بس و بے سہارا مکّہ میں محبوس مسلمانوں کی فریاد و زاری کی بھی قرآن مجید گواہی دے رہا ہے اور ان کے ان ظالمانِ مکّہ سے خلاصی کی التجاؤں کا تذکرہ بھی قرآن مجید کر رہا ہے:۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ

(سورہ النساء آیت ۷۵)

لیکن علاّمہ سرفراز صاحب کو مشرکینِ مکّہ اور کفّارِ عرب کی محبّت نے اتنا اندھا اور بہرہ کیا ہُوا ہے کہ انہیں نہ ان ظالموں کا ظلم و عدوان اور تشدید و تغلیظ نظر آ رہی ہے اور نہ ان پریشان حال مضطرین و مستضعفین کی فریاد و زاری سُنائی دے رہی ہے۔

کیا اعلانِ نبوّت سے قبل صادق و امین مانتے رہنا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ادب و احترام کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد جو بھی کہتے رہے وہ محمّد بن عبداللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کو نہیں کہہ رہے تھے وہ گالیاں اور سب و شتم وہ ظلم و تعدی، وہ عدوان و طغیان، وہ تغلیظ و تشدید، وہ قتل کے منصوبے

اور پیارے وطن اور گھربار سے نکالنے کے منصوبے کسی اور شخصیت کے لیے تھے؟ آپ کا وصف امتیاز اور آپ کا طرۂ امتیاز صرف ابن عبداللہ یا ابنِ عبد المطلب ہونا نہ تھا بلکہ آپ کا معراجِ کمال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائبِ خداوند تعالیٰ اور رسول و نبی ہونا تھا جب اس اعلان پر ظلم و تعدی افتراء پردازی اور بہتان تراشی کی انتہا کر دی تو پھر انکو کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکرِ محبت واخلاص اور مجسمۂ ادب و احترام قرار دیا جا سکتا ہے؟ معلوم نہیں علامہ صاحب کے نزدیک عقیدت و محبت اور ادب واحترام کس شئے کا نام ہے؟

مگر علامہ صاحب اور ان کے مقتدار و پیشوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چمار سے ذلیل، عاجز بندے اور اپنے انجام سے بے خبر مانیں اور ان کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر جانیں۔ ان کے علمِ غیب کو جو امتیازِ رسالت ہے پاگلوں کے علم سے تشبیہ اور چار پایوں کے علم سے مشابہت دیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر پھر بھی ان کے احترامِ رسالت میں اور آدابِ نبوت میں کوئی فرق نہ آئے اور وہ اسی طرح سکہ بند موحد اور مومن رہیں تو قریشِ مکہ کے گستاخانہ کلمات آپ کے حق میں بکنے سے انہیں گستاخی اور بے ادبی کے ارتکاب کا شبہ کیونکر ہو سکتا تھا؟ کاش علامہ صاحب مقامِ رسالت اور مرتبۂ نبوت کو بھی کوئی اہمیت دیتے تو ان کے دیوبندی ہونے میں کوئی زیادہ فرق نہ پڑتا کیونکہ ان کا کاروبار اسی محبوب کے لائے ہوئے دین سے ہی چل رہا ہے اور اپنی قوم سے انہیں جو عزت و توقیر اور حرمت و

تکریم ملی ہے وہ اسی قال اللہ، قال الرسول کے طفیل ہی ہے۔ ابوجہل اور ابولہب کی نظرِ عنایت سے تو نہ تھی۔ آپ کو قلندر لاہوری کا یہ فرمان تو شاید یاد ہی ہو گا۔ ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

کاش اس پر عمل کی بھی توفیق نصیب ہو جاتی اور بولہبی پھیلانے اور اس کی اشاعت و ترویج سے باز رہنے کی استطاعت نصیب ہو جاتی۔

ؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

باب نہم

گلدستۂ توحید

کیا مشرکینِ عرب نبوّت قرآن اور قیامت کے انکار کی وجہ سے مُشرک قرار پائے؟

۱۔ ممکن ہے کسی کو غلط فہمی ہو کہ وُہ لوگ اس لیے مشرک قرار پائے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے مگر یہ ان کے شرک کی وجہ نہیں کیا مشرکینِ عرب جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت اور قرآن کے انکار کی وجہ سے مشرک تھے؟ لیکن ان کے شرک کی یہ وجہ بھی نہیں بلکہ اس کا سبب بھی کچھ اور ماننا پڑے گا۔

۲۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کے مُشرک اور اہلِ جاہلیت بعثتِ انبیاء کے جواز کو تسلیم کرتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۵ ج ۱)

اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے انہیں میں سے ایک آدمی کو بھیجتا ہے اور اس کی طرف اپنے فرشتہ کے ذریعے وحی بھیجتا ہے اور ان لوگوں پر اس کی اطاعت فرض کرتا ہے اور وُہ اس کی اطاعت سے کوئی چارہ نہیں پاتے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۶ ج ۱)

رسالت اور نبوّت کو تسلیم کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کونسا صحیح

نظریہ ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ انہوں نے نبی کے لیے مافوق البشر طاقتوں کو ان کے عہدۂ رسالت میں شامل کر لیا تھا لیکن آج کلمہ گو مسلمانوں میں بھی اس کی کمی نہیں ہے۔

۳۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چالیس سال بعد بروز سوموار رسالت عطا ہوئی اور نزولِ قرآن کا آغاز ہُوا حالانکہ مشرک اس سے پہلے مشرک تھے حالانکہ ابھی تک نہ انکارِ نبوّت کیا تھا اور نہ انکار قرآن تو ان کے شرک کی وجہ تلاش کرنا ہوگی۔

۴۔ یہود و نصاریٰ میں بھی شرک موجود تھا حالانکہ وُہ تورات و انجیل کو آسمانی کتاب اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام کو خُدا تعالیٰ کا رسُول بھی مانتے تھے۔ بلکہ اجمالی طور پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کے بھی قائل تھے۔ کما قال تعالیٰ :

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ (سُورہ البقرہ ۱۴۶)

تو اس سے معلوم ہُوا کہ آسمانی کتاب اور نبوّت کا انکار شرک کی علّت نہیں بلکہ علّت کچھ اور ہی ہے۔

۵۔ کیا شرک قیامت کے انکار کی وجہ سے ہوتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اکثر مشرک قومیں قیامت کا انکار کرتی تھیں لیکن ان میں قیامت کا اقرار کرنے والے بھی موجود تھے۔ یہود و نصاریٰ مشرکین میں بھی شمار ہوتے ہیں اور قیامت بلکہ جنّت دوزخ کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ اگر قیامت کا اقرار ہی شرک سے بیزاری کی دلیل ہوتا تو یہود و نصاریٰ مشرک نہ کہلاتے۔ معلوم ہوا

قیامت کا انکار شرک کا سبب اور علت نہیں ہے۔

۶۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اہلِ جاہلیت تقدیر کے منکر تھے بلکہ وہ تقدیر کو تسلیم کرتے تھے۔ اہلِ جاہلیت ہمیشہ اپنے شعروں اور خطبوں میں تقدیر کا ذکر کرتے چلے آتے ہیں۔ ملخصاً ص ۸۹ تا ۹۴

گلشنِ توحید و رسالت

کیا شرک کے علاوہ دیگر کفریہ عقائد قابلِ مواخذہ نہیں؟

ہر دانشمند اور فہم و فراست کا مالک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ شرک کفر کا خاص اور اہم ترین شعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے وجوب الوجود اس کی حقیقت اور خالقیت اور استحقاقِ عبادت میں غیر کو حصہ دار سمجھنا شرک ہے لیکن نبوت و رسالت، قرآن و وحی اور قیامت و تقدیر اور فرائض و محرمات قطعیہ کا انکار اگرچہ شرک نہیں لیکن کفر ہے اور جس طرح مشرک قابلِ عفو اور لائق مغفرت نہیں کافر بھی نہ عفو و معافات کے لائق ہے اور نہ بخشش اور مغفرت کے قابل مگر علامہ صاحب بلا وجہ طوالت سے کام لے رہے ہیں اور صفحات سیاہ کرنے کے درپے ہیں۔

۱۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا شرک نہیں تو کیا اس درندگی اور سفاکی کو کوئی اہمیت ہی حاصل نہیں اور ان مظلوموں کی فریاد نہیں سنی جائے گی اور علامہ صاحب کے ممدوحین کو اس کا جواب نہیں دینا ہوگا۔ قال تعالیٰ۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝

(سورۃ التکویر آیت ۹)

جبکہ زندہ درگور کی ہوئی کو پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی ہے۔

اور کیا جوان بچیوں کو ظالموں سے لے کر پالا کرتے تھے تو ان کا کفر نظر انداز ہو جائے گا تو پھر اس بحث کا فائدہ کیا ہوا؟ کیا اسلام و ایمان صرف شرک نہ کرنے کا نام ہے یا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے مکمل دین اور اس کے جملہ احکام کو ماننے کا جو قطعی طور پر ثابت ہیں جب مکمل دین کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے اور ہمیشہ کے لیے دوزخی ہونے کا موجب تو صرف شرک کی نفی کا کیا فائدہ؟

۲۔ مشرکینِ عرب چونکہ نبوت اور رسالت اور وحی و قرآن کے انکار کی وجہ سے مشرک نہیں تھے بلکہ اس کا سبب کچھ اور تھا تو اگر وہ سبب دور کر دیتے اور اس علت سے بیزاری اختیار کر لیتے اور انکارِ نبوت، انکارِ قرآن پر مُصر رہتے تو مومن ہو جاتے؟ یا علامہ صاحب ان کو جنتی بنوا لیتے یا ان کی شفاعت کر سکتے جب ان کے شرک کا اور انکارِ نبوت اور انکارِ قرآن کا انجام ایک ہے اور خلود فی النار ان کی سزا ہے تو اس طوالتِ بے فائدہ کی کیا ضرورت۔

عجیبہ: علامہ صاحب نے مزید ترقی کرتے ہوئے انکو معتقدِ رسالت بھی قرار دے ڈالا کہ مشرکین رسالت کا جواز تسلیم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اس سنت کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ وہ بندوں میں سے ایک بندہ کو اپنے فضل سے نبوت عطا کرتا ہے، تو کیا نفسِ جواز و امکان اور سنتِ الٰہیہ

کو تسلیم کر لینا ان کو کفر کی دلدل سے نکال لے گا اور محمد رسول اللہ کا اقرار ان کے لیے ضروری نہیں رہے گا۔ ان ہستیوں میں نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر کیا امتیازی اوصاف و کمالات تھے کہ وہ ان کی نظروں میں نبی تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس معیار پر پورے نہ اترے لہٰذا ان کو نبی تسلیم نہ کیا اور جن پہلے انبیاء کو نبی مانتے تھے تو کیا انہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اعلان نہیں کیا تھا؟ یا اس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ترجمہ کچھ اور تھا اور جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اس کا ترجمہ کچھ اور تھا؟ کیا یہودی اور نصرانی صرف اتنا مان لیں کہ بعد میں بھی نبی آسکتا ہے لیکن عملی طور پر پیغمبرِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طوقِ غلامی گلے میں نہ ڈالیں تو یہ اقرار و اعتراف کافی ہو گا؟ حیف ہے اس سوچ اور فکر پر۔

۳۔ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چالیس سال کے بعد بروز سوموار اعلانِ نبوت فرمایا مشرک بیشک اس کے بعد مشرک نہ بنے لیکن اب انکارِ نبوت اور انکارِ قرآن کی وجہ سے ان کا کفر بڑھ گیا۔ نیز پہلے عذر کی گنجائش تھی اور جہالت اور لاعلمی کو بہانہ بنا سکتے تھے لیکن بعثتِ رسل علیہم السلام کے بعد معذرت خواہی اور بہانہ سازی کے راستے بند ہو گئے۔

لِئَلَّا یَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ

(سورہ النساء آیت ۱۶۵)

اسی طرح بعثتِ رسول سے قبل ہر طرح کی ... اور فرعونیت، ہر طرح

کی بدمعاشی اور بد کرداری اور ہر بُرائی اور کوتاہی کے ارتکاب کے باوجود
عذاب وعتاب اور تباہی و بربادی کے سزاوار نہیں بنتے تھے لیکن بعثت کے
بعد اس کے حقدار اور سزاوار ہو جاتے تھے۔ قال تعالیٰ :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

(سُورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵)

اور نہیں تھے ہم عذاب دینے والے یہانتک مبعوث فرمائیں رسُول کو۔

اور پہلی قوموں کو اسی اتمامِ حجّت کے بعد مکمّل طور پر ختم کر دیا گیا البتہ
رحمتِ مجسّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شانِ رحیمی کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے مکمّل
تباہی و بربادی سے ان کو دوچار نہ کیا تو اس پر شکر گزار بندہ بننے اور اس
رحیم و کریم نبی علیہ السّلام کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کی بجائے ان کے
برحق رسُول ہونے میں شک و شبہ کا اظہار کرنے لگے اور دیدہ دلیری کا
مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مُنہ عذاب مانگنے لگے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ
عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

(سُورہ الانفال آیت ۳۲)

اے اللہ اگر یہ برحق رسُول ہیں تیری طرف سے تو ہم پر پتھر برسا، یا
دردناک عذاب ہم پر لے آ۔

جس طرح علّامہ صاحب نے دیدہ دلیری سے کام لیتے ہوئے انکارِ نبوّت
اور انکارِ وحی کی وجہ سے لازم آنے والے کُفر کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی،

لیکن علامہ صاحب کے نزدیک کفر قابلِ برداشت ہوگا اسی لیے گستاخیٔ رسولؐ کا
ارتکاب کرنے کے باوجود آج تک پچھتاوا لاحق نہیں ہوا آپ کے ہم مسلک
علماء نے مناظرہ کے میدانوں میں شکستوں پر شکستیں کھائیں لاجواب ہوئے، رسوا
ہوئے مگر توبہ کی توفیق نہ ہوئی مگر ہمارے نزدیک جس طرح شرک قابلِ برداشت
نہیں اسی طرح انکارِ نبوت اور انکارِ قیامت، انکارِ تقدیر اور انکارِ وحیٔ الٰہی
کا کفر بھی قابلِ برداشت نہیں۔ بلکہ جس طرح مشرک دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا،
اسی طرح کفر کا مرتکب بھی بلکہ گستاخیٔ مصطفیٰ[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے
مرتکبِ کفر بھی ابدی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

بابِ دھم

گلدستۂ توحید

غیر اللہ کو مصیبت کے وقت پکارنا کیوں شرک ہے

قارئینِ کرام! دُنیا میں جتنے بھی مشرک کسی زمانے میں گزرے انکا اس
پر اتّفاق رہا ہے کہ خُدا تعالیٰ کی نہ صرف ذات موجود ہی ہے بلکہ وُہ زمینوں
اور آسمانوں کا خالق اور تمام کائناتِ ارضی و سماوی کا پیدا کرنے والا بھی
ہے اور وہی مدبّر اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے۔ مگر اسکے باوجود
وُہ اللہ تعالیٰ کے نیچے دُوسری مخلوق کو بھی الٰہ مانتے تھے اور ان کی عبادت
کرتے تھے لہٰذا وُہ مشرک قرار پاتے اور اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو حکم دیا کہ تم
یہ اعلان کر دو کہ خُدا تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور جب وُہ الٰہ ہی نہیں تو
اس کی عبادت کیسے ؟

(اس دعوٰی پر کہ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس اعلان کا حکم دیا علاّمہ صاحب
نے چند آیات اور احادیث ذکر فرمائی ہیں جن کا نمبر شمار اکیس تک پہنچا کر
آخر میں کہا) :

حضرات آپ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ چکے ہوں گے کہ کلمہ لآاِلٰہ اِلاّ اللہ
کو حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم
تک کیا اہمیّت حاصل رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا رتبہ اور

کیا منزلت ہے۔ دوزخ کی ابدی سزا سے نجات حاصل کرنے اور جنّت کی تحصیل میں بفضلہٖ تعالیٰ اس کا کتنا دخل ہے۔ پیغمبروں کی شفاعت اور خُدا تعالیٰ کی خوشنودی اس پر کس حد تک موقوف ہے بلکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی برکت سے ہی زمینوں اور آسمانوں کا نظام چل رہا ہے۔ (ص۹۵ تا ص۱۰۱ ملخص)

گلشنِ توحید و رسالت

علاّمہ صاحب کا مدبّرِ واحد پر تمام مشرکین کے اتّفاق کا دعویٰ باطل ہے

۱۔ پہلے با حوالہ بیان ہو چکا کہ مجوسی اور مانوی، و دیصانی جو کہ ثنویہ کے شعبے ہیں وُہ اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ وجوب الوجود میں بھی اور تخلیق و تکوین اور تدبیر و تصرّف میں بھی اشتراک کے قائل ہیں۔ اور خیر کی ایجاد و تکوین اللّٰہ تعالےٰ کی طرف سے مانتے ہیں اور شرور و فسادات کی ایجاد و تخلیق اہرمن اور شیطان کی طرف سے تسلیم کرتے ہیں لہٰذا اس قدر عام دعویٰ سراسر غلط ہے اور خلافِ حقیقت۔ نیز اگر یہ حقیقت مسلّمہ ہوتی تو اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے دلائل کے ساتھ اس قسم کے عقیدہ و نظریہ کو باطل کرنے کی کوئی مصلحت و منفعت نہیں ہو سکتی تھی۔ حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ؕ

اگر زمین و آسمان میں اللّٰہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدّسہ کے علاوہ اٰلہہ ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔

چونکہ وُہ سبھی موجود اور قائم ہیں اور تباہ و برباد نہیں ہُوئے لہٰذا ثابت

ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دُوسرا الٰہ موجود نہیں۔

(سُورہ انبیاء آیت ۲۲)

علماءِ کلام نے اس قول باری تعالیٰ کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں، اوّل یہ کہ فساد سے مُراد فساد سابق ہو اور عدمِ تکوین تو اب مطلب یہ ہوا کہ اگر دُوسرا الٰہ موجود ہوتا تو وُہ ہر شے کی ایجاد و تخلیق اور اس کی شکل و صُورت اور کیفیت و کمیت کے تعین میں اختلاف کرتا اور کسی ایک کی مُراد اس کے ارادہ سے متخلف ہوتی تو وُہ الٰہ ہی نہ رہتا کیونکہ مغلوب و مقہور اور تکمیلِ عزم و ارادہ میں عاجز و قاصر تو الٰہ ہو نہیں سکتا تو لا محالہ دونوں کی مُراد پوری ہوتی اور یا کسی کی بھی نہ ہوتی۔ شق اوّل اجتماع اضداد اور متناقضین کو مستلزم ہے لہٰذا وُہ بھی محال اور شق ثانی پر کوئی شے عدم سے وجود میں ہی نہ آسکتی، اور وُہ بھی باطل ہے اور حس و مشاہدہ کے خلاف ہے لہٰذا کائنات کا عدمِ فساد بمعنی عدمِ تکون چونکہ حس و مشاہدہ کے خلاف ہے لہٰذا بطلانِ لازم سے بطلان ملزوم اور ابطال تالی سے ابطال مقدم ثابت ہو گیا اور اس طرح دُوسرے الٰہ کی نفی ثابت ہو گئی۔

دُوسرا مفہوم یہ ہے کہ فساد سے مُراد فساد طاری ہے یعنی نظم و نسق کا درہم برہم ہونا تو اس تقدیر پر حاصلِ استدلال یہ ہُوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُوسرا الٰہ ہوتا تو آسمان اور زمین تباہ و برباد ہو جاتے اور ان کا نظم و نسق درہم برہم ہو جاتا لیکن وُہ خود قائم ہیں اور ان کا نظم و نسق قائم ہے تو یہ عدمِ فساد اور بدنظمی سے تحفظ اس حقیقت کی بیّن برہان ہے کہ اللہ تعالےٰ

کے علاوہ دُوسرا کوئی الٰہ نہیں ہے اور اس مضمون کی متعدد آیاتِ کریمہ قرآنِ مجید میں مذکور ہیں جن میں متعدد آلہہ کے موجود ہونے اور زمین و آسمان میں فساد لازم آنے کے درمیان موجباتِ ربط اور اسبابِ تعلق پر روشنی ڈالی گئی اور شرط و مشروط اور مقدّم و تالی میں تلازم بیان کیا گیا ہے۔ کما قد ذکرت سابقا۔ لہٰذا اگر ایجاد و تکوین اور ابتداع و تخلیق میں اور نظم و نسق اور تدبیر و تصرف میں کسی دُوسرے کو اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ شامل ہی نہیں کیا گیا تھا تو پھر ان دلائل کے ساتھ کس کا رد کیا گیا اور ایسے براہین قائم کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی لہٰذا علامہ صاحب کا یہ دعویٰ اپنے عمُوم کے لحاظ سے غلط اور خلافِ واقع اور خلافِ حقیقت ہے۔ اور قولِ باری تعالیٰ :

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ

(سُورہ الصّٰفّٰت آیت ۳۵)

کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب انہیں صرف اللّٰہ تعالیٰ کو الٰہ ماننے کی تلقین کی جائے تو وُہ اس کو ناقابلِ برداشت اور ثقیل سمجھتے ہیں کہ ایک ذات اتنے بڑے جہان کا نظم و نسق بلا شرکتِ غیرے چلائے یہ تو ناقابلِ تسلیم ہے اور نہ لائقِ اعتداد و اعتبار ہے جس طرح کہا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ یہ تو بہت ہی تعجب انگیز چیز ہے۔ یہاں تکبر اور غرور والے معنیٰ کا کوئی موقعہ و محل نہیں ہے بلکہ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (سُورہ البقرہ آیت ۴۵)

اور كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (سُورہ الکہف آیت ۵)

کے قبیل سے ہے فال حق الثال یعنی ثقیل اور گرانبار سمجھنے کے معنیٰ میں ہے۔

۲۔ علامہ سرفراز صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے حوالے سے ذکر کر چکے کہ مشرکین اہلِ اسلام کے ساتھ اکثر امور کی تدبیر میں تو موافقت کرتے ہیں لیکن بعض امور میں موافقت نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو ص۶۹ پر مندرج یہ عبارت:

والمشرکون وافقوا المسلمین فی تدبیرالامور العظام وفیماابرم وجزم ولم یترك لغیرہ خیرۃ ولم یوافقوھم فی سائرالامور ذھبوا الی ان الصّٰلحین من قبلھم عبدوااللّٰہ وتقربوا الیہ فاعطاھم الالوھیۃ فاستحقواالعبادۃ (الیٰ) ھٰؤُلاءِ یسمعون ویبصرون ویشفعون لعبادھم ویدبرون امورھم وینصرونھم۔

(حجۃ اللہ ص۵۹ ج۱)

لہٰذا اس عبارت کو سامنے رکھتے ہوئے بھی عمومی دعویٰ غلط ہے کیونکہ اس میں تسلیم کر لیا گیا کہ ایسے مشرکین غیراللہ کو مدبّر و متصرّف فی الامور مانتے تھے۔ اور اسی تدبیر و تصرف کی وجہ سے ان کو اِلٰہ اور مستحقِ عبادت سمجھتے تھے۔

۳۔ مشرکین نے مختلف اشیاء کی فراہمی کی ذمہ داری مختلف آلہہ اور اصنام کو سونپی ہوئی تھی اور اس لیے بہت سے آلہہ کو بیتُ اللہ اور حرمِ پاک میں سجا رکھا تھا جیسے کہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے، اور جونہی نبی مکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی

زبانِ حقیقت ترجمان سے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کا اعلان سُنا تو انکار کرتے ہُوئے کہا:

اَجَعَلَ الْاٰلِہَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ج اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○

(سورہ صٓ آیت ۵)

کیا انہوں نے سب مدبّرین اور منتظمین کی نفی کر کے صرف ایک مدبّر اور متصرّف بنا دیا ہے تو یہ بہت ہی تعجّب انگیز اور حیرت خیز امر ہے کیا صرف جبینِ نیاز صرف ایک ذات کے آگے ٹیکنا اور صرف ایک ذات کے آگے سربسجود ہونا حیرت و تعجّب کا موجب اور باعث ہو سکتا تھا؟ قطعاً نہیں۔ انہیں تعجّب لاحق ہُوا اور حیرت دامنگیر ہُوئی تو صرف اس لیے کہ اتنی بڑی کائنات میں صرف ایک ذات تدبیر و تصرّف کیسے کر سکتی ہے؟ اس لیے الوہیت کے صرف ایک ذات میں انحصار کا انکار کر دیا۔

۴۔ سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ عمرو بن لحی جب مکّہ مکرّمہ سے شام کی طرف کسی کام کے لیے گیا تو:

راھم یعبدون الاصنام فقال لھم ما ھٰذہ الاصنام التی اراکم تعبدون قالوا لہ ھٰذہ اصنام نعبدھا فنستمطرھا فتمطرنا ونستنصرھا فتنصرنا فقال افلا تعطوننی منھا صنما فاسیر بہ الیٰ ارض العرب فیعبدونہ فاعطوہ صنما یقال لہ ھبل فقدم بہ مکّۃ فنصبہ وامر النّاس بعبادتہ وتعظیمہ۔ (سیرت ابنِ ہشام مع الروض الانف جلد اوّل ص ۶۲)

ان کو اصنام کی پرستش کرتے دیکھا تو دریافت کیا یہ کیسے بُت ہیں جنکی پرستش کرتے ہُوئے میں تمہیں دیکھ رہا ہُوں تو انہوں نے کہا یہ ایسے اصنام ہیں کہ ہم ان کو پُوجتے ہیں پھر ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو وُہ ہمیں بارش دیتے ہیں اور ان سے امداد و نصرت طلب کرتے ہیں تو وُہ نصرت و مدد دیتے ہیں تو اس نے کہا کہ ان میں سے ایک صنم مجھے بھی دے دو تاکہ میں اسے عرب کے علاقہ میں لے جاؤں تاکہ وُہ اس کی عبادت کریں تو انہوں نے اس کو ہبل نامی بُت دیا وُہ اسے مکّہ مکرمہ میں لے آیا اور اس کو نصب کیا اور لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم کا حکم دیا۔

الغرض شامی بھی بارشوں اور امدادوں کے حصُول کے لیے ان کے دستِ نگر تھے اور اہلِ عرب بھی اسی مقصد کے تحت ایسے مدبّر و متصرّف مانگ کر لائے اور اس لیے اُحد کی جنگ میں وقتی طور پر فتح حاصل ہوجانے کے بعد اَبُوسفیان صاحب نے جو ابھی بُت پرستی کے عقیدہ پر قائم تھے اللہُ اکبر کا نعرہ نہیں لگایا تھا بلکہ اعل ہبل کہا تھا۔ یعنی اے ہبل تیرا شان بلند ہوا اور تیرے پجاری جیت گئے (گو صیغہ امر استعمال کیا لیکن معنی خبر دالا ہے) اور کہا لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم ہمارے لیے عزّٰی معاون و مددگار ہے اور تمہارے لیے ایسا کوئی معاون و مددگار نہیں۔

۵۔ اور علاّمہ سہیلی الروض الانف میں فرماتے ہیں کہ:

اوائل نے تو وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی صرف تصاویر رکھی ہُوئی تھیں اور ان کی تعظیم صرف ان لوگوں کی دینداری اور دُعاؤں

کی قبولیت کی وجہ سے کرتے تھے۔

حتّٰی خلف الخلوف وقالوا ما عظم ھٰؤلاء اٰباء نا الا لانھا ترزق و تنفع و تضر واتخذوھا اٰلھۃ (الیٰ) وربما کلمھم الجن من جوفھا ففتنتھم

(صفحہ نمبر ۶۲ جلد ۱)

حتّٰی کہ ناخلف لوگ پیدا ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد نے ان کی صرف اور صرف اس لیے تعظیم کی ہے کہ یہ روزی دیتے ہیں اور نفع و ضرر پہنچاتے ہیں اور ان کو اپنے اِلٰہ اور معبودات بنالیا اور بسااوقات ان کے اندر سے جن ان کے ساتھ کلام کرتے تھے تو انہوں نے عبادت گزاروں کو فتنہ وفریب میں مبتلا کردیا (اور ان کو باطنی قوتوں کے ساتھ تدبیر و تصرّف کا اہل سمجھنے لگے اور قضاءِ حاجات اور حلِ مشکلات میں کفیل سمجھنے لگے)

الغرض ان معبُوداتِ باطلہ کو معبُود بنانا جب اسی فاسد اور اعتقادِ باطل کے تحت شروع ہوا کہ یہ رزق رساں ہیں۔ بارشیں دیتے ہیں، بیٹے عطا کرتے ہیں اور دُشمنوں کے خلاف امداد و نصرت دیتے ہیں تو پھر صرف ایک مدبّر اور ایک متصرّف پر تمام مشرکین کا اتفاق نقل کرنا خود اپنی تردید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرّحمہ کی تردید، دیگر اکابر اور اعلامِ اُمّت کی تردید بلکہ خود قرآن مجید کی تردید ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

تنبیہ: اس امر پر بارہا تنبیہ کرچکا ہوں کہ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بغیر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے نہ جنّت کا اہل بنا سکتا ہے اور نہ شفاعت کا اور

نہ ہی جہنم کی ابدی سزا سے بچا سکتا ہے بلکہ تمام تر انعامات اور خیرات و برکات کا حصول اس کی بدولت اسی وقت حاصل ہوگا جب محمد رسول اللہ ساتھ شامل ہوگا ورنہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا اور نہ کہنا، ماننا اور نہ ماننا برابر ہے کما قال تعالیٰ :

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط (سورۃ الانعام آیت ۹۱)

گلدستۂ توحید

الٰہ کا معنیٰ

الٰہ کا وہ معنیٰ جس میں مشرکین کو بڑا اختلاف تھا قرآن مجید اور حدیث شریف کی رو سے بیان کیا جاتا ہے جس میں زمانۂ سابق و حال کے مشرک اور زمانۂ قدیم و حدیث کے جاہل مبتلا تھے اور ہیں اور تکالیف کے وقت غیر اللہ کو الٰہ سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ

(سورۃ النمل آیت ۶۲)

بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور کون دور کرتا ہے سختی اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین میں، کیا ہے کوئی

الٰہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بیان فرما دیا کہ مجبور و بیکس کی فریاد سُننا اور اس کی مدد کرنا اور اس کی تکلیف دُور کرنا الٰہ کا کام ہے گویا فریاد رس اور تکلیف کو دُور کرنے والا الٰہ ہوتا ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی بھی الٰہ نہیں ہے۔ (ص ۱۰۲-ص ۱۰۳)

(قولِ باری تعالیٰ :

اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ ۝

(سُورۃُ الصّٰفّٰت آیت ۳۵)

کے تحت ذکر کیا)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین خُدا تعالیٰ کو خالق اور مالک ماننے کے باوجود صرف خُدا کو الٰہ تسلیم کرنے سے انکار اور غرور کرتے تھے اور ان کو اس کے ماننے میں دقت پیش آتی تھی۔ (ص ۱۰۱)

قولِ باری تعالیٰ :

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚ (سُورۃُ صٓ آیت ۵)

کے تحت کہا)۔

اس آیت سے معلوم ہُوا کہ وہی لوگ جو بالیقین خُدا تعالیٰ ہی کو اپنا اور زمین و آسمان کا خالق بلکہ مدبر الامر اور ہر چیز کا اِختیار رکھنے والا مانتے تھے ان کو صرف ایک الٰہ کے ماننے میں نہ صرف تامل تھا بلکہ تعجب بھی تھا

(صفحہ نمبر ۱۰۰)

حضرت یونس علیہ السّلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں دُعا کی تو یہ فرمایا کہ:

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ ﷺ

(سُورۃ الانبیار آیت ۸۷)

کوئی الٰہ نہیں ہے مگر صرف تُو۔

مطلب یہ کہ اے اللّٰہ نہ تیرے بغیر کوئی فریاد رس ہے اور نہ تکلیف دُور کرنے والا نہ کوئی حاجت روا ہے اور نہ مشکل کُشا ہے۔ (ص۱۰۳)

گلشنِ توحید و رسالت

علّامہ سرفراز صاحب کا اِلٰہ کے معنٰی میں مغالطہ دینا

علّامہ سرفراز صاحب نے الٰہ کا جو معنٰی بیان کیا ہے اس سے یہ مفہوم آپ پر واضح ہو گیا کہ مُشرک اللّٰہ تعالیٰ کو خالق، مدبّر، ہر چیز کا مختار اور اور متصرّف مانتے تھے مگر الٰہ نہیں مانتے تھے تو گویا ان کے نزدیک الٰہ کے معنٰی و مفہوم میں ایجاد و تخلیق اور تدبیر و تصرّف اور کائنات کا اقتدار و اختیار مطلق داخل ہی نہیں تھا بلکہ ان کے نزدیک اِلٰہ کا معنٰی و مفہوم صرف اور صرف یہ تھا: فریاد رس، امداد کرنے والا، تکلیف دُور کرنے والا۔ اس کے بغیر کوئی اِلٰہ نہیں۔ حالانکہ یہ حصر و قصر سراسر غلط ہے۔

کلمۂ توحید کا صحیح مفہوم اور اِلٰہ کا حقیقی معنٰی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مقدّس کلمۂ توحید میں اللّٰہ تعالیٰ کی ہر لحاظ سے یکتائی

اور انفرادیت کا بیان ہے۔

پہلا معنیٰ

۱۔ خواہ وجوب الوجود کے لحاظ سے ہو جیسے کہ مجوسیوں نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ اہرمن کو وجوب الوجود میں شریک کیا یا ایجاد و تخلیق کے لحاظ سے ہو جیسے کہ ثنویہ نے اللہ تعالیٰ کو خالقِ خیر اور اہرمن و شیطان کو خالقِ شر قرار دیا ہے اور چونکہ ممکن کی شان سے بعید ہے کہ وُہ کسی کو وجود عطا کرے تو گویا ثنویہ کے تینوں فرقے وجوب الوجود میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہرمن کی شرکت کے قائل ٹھہرے اور غیر اللہ کو واجب الوجود ماننے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ان کے نزدیک خیرِ محض کا خالق ہو تو اس خالق کا بیک وقت خیر اور شریر ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے لہٰذا دو خالق تسلیم کرنے ضروری ٹھہرے تو اس طرح ان تمام فرقوں کا غیر اللہ میں وجوب الوجُود اور خالقیت تسلیم کرنا لازمی اور ضروری ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ نے خلق وایجاد میں اپنا تفرد و اختصاص بیان فرما کر ایسے مشرکین کا رَد فرمایا۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ :

اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝

(سورۃ الاعراف آیت ۱۹۱)

کیا وُہ انہیں شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی شے پیدا نہیں کرتے اور وُہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔

۲۔ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ؕ (سورہ نحل آیت ۲۰)

جنہیں اللّٰہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کوئی شے پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔

۳۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ

(سورہ انعام آیت ۱۰۲)

وہ عظیم الشّان اللّٰہ تمہارا پروردگار ہے نہیں اِلٰہ مگر وہی ہر شے کا خالق ہے پس اس کی عبادت کرو۔

۴۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○

(سورہ رعد آیت ۱۶)

فرما دیجیے اللّٰہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہی یکتا غالب ہے۔

۵۔ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○

(سورہ ص آیت ۵)

کیا متعدد اِلٰہ کی بجائے ایک اِلٰہ بنا دیا یہ تو بہت تعجب کی بات ہے۔

۶۔ لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

(سورۃ الانبیاء آیت ۲۲)

اگر زمین و آسمان میں اللّٰہ کے علاوہ اِلٰہ ہوتے تو یہ تباہ و برباد ہو جاتے۔

ان آیات مبارکہ اور اس مضمون کی بیسیوں آیاتِ مقدّسہ سے الوہیت

یعنی خالقیت کا اللہ تعالیٰ میں انحصار واضح طور پر ثابت ہے اور واحد قہّار فرماکر دُوسرے کسی الٰہ میں مزاحمت کی ہمّت و سکت کی نفی فرمائی ہے اور ساتھ ہی دُوسروں سے وجوب الوجود کی بھی نفی ہو گئی کیونکہ جو واجب الوجود ہو وُہ مغلوب و مقہور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وَالّذِیْن یدعون فرماکر پھر خالقیت کی نفی کرنا اور مخلوق ہونے کا اثبات بھی اس امر کی بیّن برہان کہ اس مخصوص دُعا و پُکار کے لائق بھی وہی اِلٰہ ہے جو خالق ہے نہ کہ جو خود مخلوق ہے اور صانع و خالق کی طرف اپنے وجود میں محتاج ہے۔

۷۔ قال اللّٰہ تعالیٰ:

مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ اِذًا لَّذَھَبَ کُلُّ اِلٰہٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط

(سُورہ مؤمنون آیت ۹۱)

اللّٰہ تعالیٰ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی الٰہ ہی ہے ورنہ لے جاتا ہر الٰہ اپنی پیدا کردہ اشیا کو اور البتہ بعض ان میں بعض پر غلبہ پاتے۔ اس آیتِ مُبارکہ میں الوہیت کے لیے خالقیت کو خاصہ لازمہ قرار دیا ہے اور تعدّدِ اٰلھہ کی صُورت میں باہمی اختلاف فی التصرّف اور ایک دوسرے پر غلبہ کی کوشش میں فساد اور تباہی و بربادی کے طاری ہونے کی تصریح فرمائی گئی ہے۔

لہٰذا خالقیت کے بغیر اِلٰہ کا تصوّر نہیں ہو سکتا اور خالقیت بغیر وجوب الوجود کے متصوّر نہیں ہو سکتی تو ان آیات کریمہ میں لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کی اس جہت کو

اُجاگر کیا گیا اور اس کلمۂ توحید میں جو یکتائی بیان کی گئی اس کو مدلل اور مبرہن طور پر بیان کیا گیا۔

دُوسرا معنیٰ

۲- نیز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں تدبیر و تصرف اور اقتدار و اختیار کے لحاظ سے اللّٰہ تعالیٰ کی یکتائی کا بیان ہے اور متعدد آیاتِ کریمہ سے کلمۂ توحید کی اس جہت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

۱- ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط (سُورہ نمل آیت ۶۰)

بھلا کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمینوں کو اور نازل کیا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے۔ تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے ان کے درخت۔ اب کوئی اور حاکم ہے اللّٰہ کے ساتھ۔

بل هم قوم يعدلون

کوئی نہیں بلکہ وہ لوگ راہِ راست سے مڑتے ہیں۔

۲- اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ (سورہ نمل آیت ۶۱)

بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق اور بنائیں اسکے بیچ ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ اور رکھا دو دریا میں پردہ۔ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ کوئی نہیں بہتوں کو ان میں سے سمجھ نہیں۔

۳۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ (سورۃ النمل آیت ۶۲)

بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کرتا ہے سختی اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔

۴۔ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ (سورۃ النمل آیت ۶۳)

بھلا کون راہ بتاتا ہے تمہیں اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے پہلے۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں۔

۵۔ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ نمل آیت ۶۴)

بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے۔ اَب کوئی حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :

جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے تو اس کی الوہیت اور معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے سو وہ اس کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے

اقول : الٰہ مع اللہ میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی الٰہ نہیں تو یہ جملہ گویا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنیٰ کو ہی ادا کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے اقتدار و اختیار اور تصرف و تسلط کا اختصاص اور غیروں سے اس کی نفی ثابت ہو گئی۔

۶۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَہٗٓ اٰلِھَۃٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ○ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ○ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۲)

تو کہہ اگر ہوتے ساتھ اس کے اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں تو نکالتے صاحبِ عرش کی طرف راہ۔ وہ پاک اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت۔

علامہ عثمانی فرماتے ہیں :

یعنی پرایا محکوم رہنا کیونکر پسند کرتے۔ سب مل کر خدا تعالیٰ کے تختِ سلطنت کو الٹ دیتے۔ اس سے بھی واضح ہوگیا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں حکومت وسلطنت ، اقتدار و اختیار کا حصر اللہ تعالیٰ کی ذات میں کرنا مقصود ہے اور بایں معنیٰ غیر سے الوہیت کی نفی مطلوب ہے۔

۷۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

(سورہ زمر آیت ۶)

وُہ عظیم المرتبت اللہ پروردگار ہے تمہارا اسی کے لیے ہے ملک نہیں الٰہ مگر وہی اللہ پس کس طرف پھیرے جاتے ہو۔

۸۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ع

(سورۃ الروم آیت ۴۰)

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر روزی دی پھر تمہیں مارتا ہے پھر تمہیں زندہ کرے گا کیا تمہارے فرضی شرکا۔ میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کام بھی کرے۔ پاک ہے وُہ اور بلند تر اس سے جو وُہ شریک ٹھہراتے ہیں یعنی مارنا ، جلانا ، روزی دینا سب کام تو تنہا اس کے قبضے میں ہوئے پھر

دُوسرے شریک کدھر سے آکر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

الغرض اس مضمون کی بیسیوں آیات سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جملہ امور میں تصرف اور اقتدار و اختیار اسی میں منحصر ہے۔

تیسرا معنیٰ

۳۔ نیز باری تعالیٰ میں الوہیت معنی صفاتِ کمال بھی منحصر ہے تو اس تقدیر پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا معنیٰ ہوا کہ صفاتِ کمال کا موصوف حقیقی صرف وہی ہے، دُوسرا کوئی ان سے بذاتِ خود متصف نہیں ہے اور ان میں سے جو صفت جہاں بھی ہے محض عطاءِ الٰہی سے ہے ورنہ بتقاضائے ذات اور بغیر عطائے معطی کے صرف اور صرف اسی میں منحصر ہیں اور وُہ صفاتِ حقیقیہ ہیں حیات، علم، سمع، بصر، ارادہ، قدرت، کلام اور تکوین و تخلیق۔

قال تعالیٰ:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۵)

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ (سورۃ الحشر آیت ۲۲)

قال تعالیٰ:

ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (سورۃ المؤمن آیت ۶۵)

ذٰلکم اللّٰہ ربکم خالق کل شیٔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھو فانّٰی تؤفکون

قال تعالیٰ :

وَالَّذِیْنَ یدعون من دونہ لا یقضون بشیٍٔ اِنَّ اللہ
ھُوَالسَّمِیع البصیر

قال تعالیٰ :

فَاللّٰہُ ھُوَالْوَلِیُّ وَھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰیۡ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؏

(سُورہ شوریٰ آیت ۹)

قال تعالیٰ :

اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ (سُورہ ہود آیت ۱۰۷)

الیٰ غیرذٰلک من الاٰیات سے واضح ہے کہ ان امہات الصفات اور کمالات میں بھی ذاتِ باری تعالیٰ منفرد و ممتاز ہے۔ لہٰذا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ صفاتِ کمال کے ساتھ کوئی حقیقۃً متّصف و موصوف نہیں، مگر اللّٰہ تبارک و تعالیٰ۔

چوتھا معنیٰ

۴۔ علاوہ ازیں عبادت غایۃ تذلّل اور انتہائی خضوع وخشوع کا نام ہے اور وُہ اسی کے لیے جائز ہے اور اسی کا حق ہے جو غایت درجۂ کمال میں ہو اور ایجاد و تخلیق، تربیّت و ترزیق، احیاء و اماتت اور حشر و نشر اور ضرر و نقصان اور فائدہ و فیضان اسی کے ہاتھ میں ہو اور وُہ بھی صرف اور صرف اللّٰہ تعالیٰ کی ذات ہے تو عبادت بھی اسی میں منحصر ہوگی اس تقدیر پہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا

معنیٰ ہوگا نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ۔ اور کتبِ لغت میں الوہیت بمعنیٰ عبادت اور الٰہ بمعنیٰ معبود مرقوم ہے تو عبادتِ بدنیہ و مالیہ اور قلبیہ و قالبیہ کا اسی ذات میں حصر اور قصر ضروری ہُوا۔

پانچواں معنیٰ

۵۔ مزید برآں ہر چیز میں اصل اس کا وجود ہے اور دیگر تمام کمالات اس پر مترتب اور متفرع ہیں اور باری تعالیٰ اپنے آپ موجود اور دُوسری ہر چیز اس کی ایجاد و تخلیق سے موجود۔ ان کا وجُود امکانی اور باری تعالیٰ کا وجُود واجب اور مقتضائے ذات اور امکانی وجُود، واجب وجُود کے مقابل کالعدم ہے تو اس تقدیر پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا معنیٰ ہوگا نہیں کوئی موجود حقیقی اور متصف بالوجود الحقیقی مگر اللہ تعالیٰ اور قرآنِ مجید اس معنیٰ پر بھی شاہد ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (سُورہ القصص آیت ۸۸)

ہر چیز ہلاکت پذیر ہے مگر ذاتِ باری تعالیٰ۔

یہاں پر اسم فاعل کو زمانہ حال میں لو تو ابھی ہلاکت و نیستی ثابت ہوئی، اور یہی معنیٰ حقیقت ہے اور زمانہ مستقبل کا ارادہ مجاز ہے اور حقیقت کا ارادہ ممکن ہو تو مجاز کی طرف عدول کی ضرورت نہیں ہوتی اور امکانی وجود چونکہ واجب وجُود کے مقابل کالعدم ہے تو حال والا معنیٰ بالکل درست ہُوا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (سورۃ الحدید آیت ۳)

اوّل صرف وہی ہے اور آخر بھی صرف وہی ہے اور ظاہر بھی صرف وہی ہے اور باطن بھی صرف وہی ہے اور وہی ہر شے کا علمِ کامل دائمی رکھنے والا ہے۔

وجود و تحقق اور ثبوت و قیام کی چاروں قسموں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات میں منحصر کر کے اور ماسوا سے ان کی نفی کر کے واضح فرما دیا کہ وجود بھی حقیقت میں صرف میرا ہے اور کوئی شے حقیقت میں موجود ہی نہیں ہے۔

اسی لیے عارف جامی علیہ الرحمہ نے فرمایا : ؎

بے نشان است کزو نام و نشاں چیزے نیست
بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

اور حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ؎

رہ عقل جز پیچ بر پیچ نیست
بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست

جب یہ سوال ہُوا کہ پہاڑ، جنگلات، سمندر، زمینیں اور آسمان اور یہ اجرام نیّرات اور انسان اور دیو، پری اور ملائک کیا ہیں تو فرمایا : ؎

ہمہ ہر چہ ہستند ازاں کمتر اند
کہ با ہستیش نام ہستی برند

یعنی ان میں سے کوئی شے اپنی اپنی جگہ جتنی عظیم الجثہ اور قوی الاثر اور

اور محسوس و مبصر اشیاء میں سے ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود مطلق کے سامنے اپنی ہستی اور وجود و تحقق کا دَم نہیں مار سکتی اور جملہ عرفاء اور اہل اللہ کا اتفاق اسی پر ہے خواہ وحدت الوجود کے قائلین ہوں یا وحدت الشہود کے معترفین ہوں وُہ سبھی باری تعالیٰ کی ہستی اور وجُود و تحقق کے مقابل دُوسری ہر چیز بمنزلہ معدوم کے سمجھتے ہیں وحدۃ الوجودی حقیقت میں اور وحدۃ الشہودی دیکھنے اور مشاہدہ کرنے میں جیسے کہ حضرت سعدیؒ ہی فرماتے ہیں : ؎

چوں سُلطان عزّت علم بر کشد

جہاں سر بجیب عدم در کشد

جب وجُودِ حقیقی کا آفتاب طلوع ہوتا ہے تو موجودات کے نجُوم وجُود پردۂ عدم میں روپوش ہو جاتے ہیں۔

الحاصل ہمارے نزدیک اِلٰہ کے یہ معانی ہیں اور یہ سبھی اللہ تعالےٰ میں منحصر ہیں۔ لَآ اِلٰہَ : لَآ اللہ نہیں مؤثر و متصرّف اور خالق و موجد مگر اللہ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ نہیں صفاتِ کمال اور اوصافِ جمال کا متصف حقیقی مگر اللہ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ نہیں مخلوق کی جبینِ نیاز کا حقدار اور سجُودِ تذلّل و انکسار کا مستحق مگر اللہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ نہیں موجودِ حقیقی مگر اللہ تعالیٰ۔ لیکن ان تمام معانی میں عطائی کمالات کی نفی ہرگز نہیں ہوتی جیسے کہ عطائی وجود کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اِلٰہ حقیقی میں ان کمالات کا تحقق بتقاضائے ذات ہوگا اور دُوسروں میں اسکی عطا اور جود و نوال سے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اُمید ہے کہ ناظرین و قارئین خود ہی انصاف کریں گے اور برملا اعتراف

ؒ رحمہ اللہ۔

کریں گے کہ اِلٰہ کا صحیح معنیٰ اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رفیع کے لائق اور جملہ نصوص کتاب کے مطابق اور موافق صرف اور صرف وہی معنیٰ ہے جو ہم نے عرض کیا ہے نہ وُہ محدُود و مقیّد مفہوم جو علّامہ سرفراز صاحب نے ذکر کیا ہے۔

گلدستۂ توحید

حضرات! قرآنِ کریم کی چند آیات تمہارے سامنے پیش کی جاتی ہیں کہ مشرکین غیر اللہ کو فریاد رس اور تکلیف دُور کرنے والا سمجھ کر پُکارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مشرکین کی (دُعا یدعو کے الفاظ کو سامنے رکھ کر) تردید فرمائی ہے کہ جن کو تم پُکارتے ہو وُہ نہ نفع کے مالک ہیں نہ ضرر کے اور نہ ہی ان کو تمہاری تکلیفوں اور مصیبتوں کی خبر ہے اور دُوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مؤمنین کو یہ حکم ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے کسی کو نہ پکارو۔(تا) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شرک یہ بتلایا کہ وُہ اللہ تعالےٰ کے نیچے مخلوق کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پُکارتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ غیر اللہ تکوینی امور میں یعنی تکلیف سے نجات دینے اور مہربانی کرنے میں ایک ذرّہ کے مالک نہیں ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ورے دُوسری مخلوق کو مشکل کشا جان کر پکارتے ہیں وُہ تو ان کی بات سُن بھی نہیں سکتے اور نہ ان کو اس کی خبر ہے۔ قیامت تک پکارو وُہ کچھ نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض وُہ تمہاری تکلیف کو سُن بھی لیں تو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتے اور

تمہارے اس شرک (پکارنے کا) قیامت کو صاف انکار کر دیں گے اور یہ ساری باتیں بتلانے والا اللّٰہ ہے جس سے کوئی چیز چھپی نہیں اور آخری آیت

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ط (سورہ فاطر آیت ۱۴)

میں اس قسم کے پکارنے پر شرک کا لفظ بولا گیا ہے بلکہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝

(سورہ مؤمن آیت ۱۲)

یعنی یہ عذاب تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللّٰہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم منکر ہوتے اور جب اس کے ساتھ پکارتے شریک کو تو تم یقین لانے لگتے، اب حکم وہی جو کرے اللّٰہ سب سے اوپر بڑا۔

اس آیت میں بھی اکیلے خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نافع اور ضار سمجھ کر پکارنا شرک قرار دیا گیا ہے۔ اور ان تمام آیات میں دعا یدعو کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں کہ مشرکین سلسلۂ اسباب و مسببات سے بالاتر ہو کر غیر اللّٰہ کو مصیبت میں پکارتے تھے اور یہی ان کا شرک تھا۔ (ملخص ۱۰۳ تا ۱۰۶)

گلشنِ توحید و رسالت

محض غیر اللّٰہ کی ندا ۔ و پکار شرک نہیں ہے!

علاّمہ صاحب موصوف کی ذکر کردہ آیاتِ کریمہ کی تفسیر اور ان کے

حقیقی معانی و مطالب تو بعد میں اکابرین کی زبانی عرض کیے جائیں گے اور دیگر نصوص کتاب و سنّت کی روشنی میں ان کے مطالب کا تعیّن کیا جائے گا یہاں پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علامہ صاحب کے نزدیک شرک کا انحصار صرف دعا یدعو یعنی غیر اللہ کو پکارنے میں ہو گیا ہے کہ وہ غیر اللہ کو فریاد رس سمجھ کر اور تکلیفیں دور کرنے والے سمجھ کر پکارتے تھے بس یہی ان کا شرک تھا۔

حقیقتِ شرک اہل السنّت کے نزدیک

حالانکہ قبل ازیں شرک کے انواع و اقسام کا اجمالی تذکرہ ہو چکا اور ہر قسم کے شرک کے قائلین کا بھی تو یہ حصر و قصر سراسر دھاندلی اور سینہ زوری ہے اور نداء و پکار نہ بھی پائی جائے بلکہ نظریاتی طور پر کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وجوب الوجود، یا خلق و ایجاد اور تدبیر و تصرّف میں حصہ دار مان لیا جائے یا اللہ تعالیٰ کی طرح بذاتِ خود صفات کمال اور اوصافِ جمال سے موصوف و متصف سمجھ لیا جائے یا کسی غیر کو اپنی انتہائی عاجزی و انکساری اور تواضع و تذلّل اور نیاز کا حقدار سمجھ لیا جائے پھر بھی شرک ثابت ہو جائے گا۔ شرک صرف ایک عمل اور فعل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حصہ داری کا نام نہیں بلکہ عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے بھی شرک ثابت ہوتا ہے اور افعال و اعمال میں سے صرف ایک فعل یعنی دعا یدعو اور نداء و پکار سے ہی نہیں بلکہ دیگر افعال سے بھی سرزد ہوتا ہے لہٰذا یہ تحدید اور تقیید سراسر دھاندلی ہے اور تحکم و سینہ زوری اللہ تعالیٰ کے ساتھ بطور نظریہ و عقیدہ یا بطور سجود و نیاز کے یا بطور مالی صدقہ و

عبادت کے حصہ داری ثابت کرنا شرک ہے اور کسی طرح قابلِ اباحت اور لائق جواز نہیں ہے۔ کیا علامہ صاحب ایسے لوگوں کو مشرک نہیں سمجھیں گے جو غیر اللہ کو پکاریں نہیں نہ قریب سے نہ دُور سے لیکن اس کو واجب الوجود سمجھتے رہیں۔ اور تدبیر و تصرف میں اللہ تعالیٰ کا معاون و مددگار سمجھتے رہیں اور اکیلے اللہ تعالیٰ کو نظم ونسق چلانے میں عاجز و قاصر سمجھتے رہیں؟ لہٰذا یہاں پر سراسر تحکم و سینہ زوری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

گلدستۂ توحید

علامہ صاحب کی پیش کردہ آیات اور ان کے وجوہِ استدلال

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ ط (سُورہ حج آیت ۷۳)

بیشک وُہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے ورے وُہ ہرگز مکھی نہیں بنا سکیں گے۔ اگرچہ سارے جمع ہو جائیں۔

وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ط ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○ (سُورہ حج آیت ۷۳-۷۴)

اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں وُہ اس سے۔ بودا ہے چاہنے والا، اور جن کو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اس کی قدر ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ زور آور ہے زبردست۔

نوٹ : اس جگہ علامہ صاحب نے تدعون کا ترجمہ پکارتے ہو کیا ہے حالانکہ وہ آیات کا ترجمہ علامہ محمود الحسن صاحب سے نقل کرتے ہیں مگر انہوں نے یہاں پر 'پکارتے' کی بجائے پوجتے ہو ذکر کیا ہے۔ اس سے ترجمہ میں علامہ صاحب کی دھاندلی اور سینہ زوری ظاہر ہو جاتی ہے کہ خلافِ مقصود ہو تو اکابر کا ترجمہ بھی بدل دیتے ہیں اور مرضی کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔

۲- قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ○ (سورہ سبا آیت ۲۲)

تو کہہ ان کو پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے وہ مالک نہیں ذرہ بھر آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار ہے۔

۳- قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (سورہ زمر آیت ۳۸)

آپ کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے نیچے اگر چاہے اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی ہوئی یا اگر وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اس کی مہربانی کو۔ تو کہہ مجھ کو تو اللہ کافی ہے۔ اس پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ

رکھنے والے ۔۔

۴۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا
مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ
بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ
لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

(سورہ احقاف آیت ۴)

تو کہہ بھلا دیکھو جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے نیچے۔ دکھاؤ تو مجھے انہوں نے کیا بنایا زمین میں۔ یا ان کی شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی عقلی دلیل اور علم جو چلا آتا ہو۔ اگر ہو تم سچے۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ تعالیٰ کے نیچے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

۵۔ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ
قِطْمِیْرٍ ؕ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ
وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ
بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ۝ (سورہ فاطر آیت ۱۳-۱۴)

اور وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے ورے وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے۔ اگر تم ان کو پکارو تو سنیں نہیں تمہاری پکار اور

اگر سنیں بھی تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شرک سے اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو مثل بتلانے خبر رکھنے والے (یعنی خدا تعالیٰ) کے۔

ان تمام آیات میں یدعو کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں کہ مشرکین سلسلۂ اسباب و مسببات سے بالاتر ہو کر غیر اللہ کو مصیبت میں پکارتے تھے اور یہی ان کا شرک تھا۔ (ص۱۰۴ تا ص۱۰۶)

یہ یاد رہے کہ نزاع لفظ الداعی اور المدعو میں نہیں ہے، اور نہ ماتحت الاسباب پکارنے میں ہے جیسا کہ بعض نرے جاہلوں کو شبہ ہوا ہے بلکہ نزاع یدعو من دون اللہ اور فلا تدعوا مع اللہ وغیرہ کے خاص مقامات میں ہے اور مافوق الاسباب دعا یدعو میں ہے خوب سمجھ لو۔

(صفحہ نمبر ۱۱۰)

یہ یاد رہے کہ پیاس کے وقت نوکر کو پانی کے لیے پکارنا، بیماری میں علاج کے لیے حکیم اور ڈاکٹر کو بلانا (تا) نہ شرک ہے اور نہ اس سے ڈاکٹر اور حکیم وغیرہ کا الٰہ بنانا لازم آتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ سلسلۂ اسباب کے تحت ہے نہ کہ سلسلۂ اسباب سے مافوق بخلاف اس کے جو بھوک اور پیاس میں، دکھ درد یا بیماری میں کسی پیغمبر، ولی، شہید اور بزرگ کو پکارتا ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں میل دور اپنی قبور میں آرام فرما رہے ہیں تو اس پکارنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتا ہے۔ اور اس کو اس معنیٰ میں متصرف فی الامور مانتا ہے کہ یہ مشکل کشائی، حاجت روائی

پناہ دہندگی، امداد و اعانت اور خبرگیری و حفاظت میں مافوق الطبعی طور پر
اسباب کو حرکت میں لا سکتے ہیں اور یہی اصل شرک ہے۔ (ص۱۱۱ ص۱۱۲)

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کی اصول و قواعد کی پامالی

علامہ سرفراز نے غیر اللہ کی دعا اور پکار کو شرک قرار دیتے ہوئے بطور
استدلال پانچ آیات ذکر کیں جن میں دعا یدعو کے صیغے استعمال کیے گئے تھے
اور ان کا مدعا یہ ہے کہ ہم اہل السنت کا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
یا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ کہنا سراسر شرک ہے کہ یہاں بھی دعا
اور ندا پائی گئی ہے اور استمداد و استعانت مقصود ہے اور غیر اللہ کو استعانت
اور استمداد کے لیے پکارنا ان آیات کی رو سے شرک ہے۔ لیکن علامہ صاحب کو بھی
اپنی طرف سے کئی تقییدات اور تخصیصات کرنی پڑیں۔

۱۔ مطلق داعی اور مدعو میں کلام نہیں بلکہ نزاع یدعو من دون اللہ اور
فلا تدعوا مع اللہ وغیرہ میں ہے۔

۲۔ ماتحت الاسباب پکارنے میں نزاع نہیں بلکہ مافوق الاسباب پکارنے
میں ہے۔

۳۔ سینکڑوں ہزاروں میل دور قبور میں آرام فرما نبیوں[1]، ولیوں[2]، اور
شہیدوں[2] وغیرہ کا پکارنا محلِ نزاع ہے اور شرک ہے، زندہ کو پکارنا اور
قریب سے پکارنا محلِ نزاع نہیں۔

[1] علیہم السلام [2] رضی اللہ عنہم

۴۶ - پکارنے والا ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتا ہے اس وجہ سے
شرک ثابت ہوتا ہے۔

۵۵ - پکارنے والا ان کو اس معنی میں متصرّف فی الامور مانتا ہے کہ یہ مافوق الطبعی
قدر پر اسباب کو حرکت میں لا سکتے ہیں اور یہی اصل شرک ہے۔ حالانکہ یہ سب
ہیرا پھیری اور ایچ پیچ ہے اور اصول و قواعد کے سراسر خلاف ہے اور تحقیق
و تدقیق کی دنیا میں اس کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا اپنا
مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ ہی ان جملہ تخصیصات و تقییدات کو سراسر باطل
اور لغو ٹھہراتا ہے اور اصول و قواعد بھی۔

۱۱ - آیاتِ کریمہ میں مطلق دعا کا ذکر ہے اور قرآنِ مجید کے مطلق کو اخبار احاد بھی
مقید نہیں کر سکتیں چہ جائیکہ کوئی اپنی ذاتی رائے سے ان کو مقید اور مخصوص
ٹھہرادے۔ ان آیات میں زندہ اور مردہ کا قریب اور بعید کا فرق قطعاً نہیں
اور نہ فوق الاسباب اور تحت الاسباب کا فرق کیا گیا ہے تو اپنی طرف سے
یہ تقییدات بڑھا دینا از روئے اصول و قواعد قرآنِ مجید کے اطلاق کو منسوخ
ٹھہرانے کے مترادف ہے اور قطعاً ناقابلِ اعتبار و اعتداد ہے۔

۲۷ - نیز اگر سینکڑوں ہزاروں میل دور کسی زندہ ولی کو حاضر و ناظر اور
عالم الغیب سمجھ کر پکار لیا جائے تو علامہ صاحب کے نزدیک یہ پکار بھی
جائز ہونی چاہیے اور حضرت عیسٰی اور حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام
جمہور علماءِ امت کے نزدیک زندہ ہیں لہٰذا ان کو ہزاروں میل دور سے پکار
نا جائز ہونا چاہیے حالانکہ اس امر کے اعتراف و تسلیم کرنے میں ان کی موت

اور تباہی ہے۔

۳۔ اگر پکارا نہ جائے ویسے حاضر و ناظر مان لیا جائے تو کیا اب شرک لازم نہیں آئے گا؟ اور اگر علامہ صاحب کے نزدیک یہ عقیدہ ویسے ہی شرک ہے تو اس کے شرک ہونے کو پکارنے کے ساتھ مشروط کرنے کا کیا مطلب؟ اور اگر اس کو شرک نہ مانیں تو ان کے مذہب و عقیدہ کا صفایا ہو جائے گا۔

۴۔ اگر کوئی زندہ نبی اور ولی کو قریب سے استعانت کے لیے پکارے اور سمجھے کہ وہ مافوق الطبعی طور پر اسباب کو حرکت میں لا سکتا ہے تو کیا یہ شرک ہوگا یا نہیں؟ اگر شرک ہے تو پھر دوری اور غائبانہ ندا کی قید لغو ٹھہری اور حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھنے کی بھی تقیید بیہودہ ٹھہری اور اگر شرک نہیں ہے تو فوق الطبعی طور پر استعانت اور استمداد شرک نہ ہوئی صرف عالم الغیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ شرک ہوا تو پھر دعا و پکار اور استمداد و استعانت تو شرک نہ ہوئی نہ تحت الاسباب جیسے مان چکے اور نہ فوق الاسباب جیسے اس شق کے ماننے سے لازم آیا تو سرے سے مدعا (یعنی من دون اللہ سے استعانت کے شرک ہونے) سے بھی ہاتھ دھونے پڑ گئے۔

۵۔ اگر کوئی شخص حکیم اور ڈاکٹر کو شافی سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کے شافی ہونے سے صرف نظر کرے، یا دوائی اور سبب کو ہی مستقل مؤثر سمجھ لے تو اس کے متعلق علامہ صاحب شرک کا فتویٰ صادر کریں گے یا نہیں؟ اگر اس صورت میں شرک ثابت ہو جاتا ہے تو تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا تفرقہ لغو ہو گیا اور اگر شرک ثابت نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے اقتدار و اختیار اور اس

کی تدبیر و تصرف میں تحدید و تخصیص لازم آگئی۔ اس کا دائرہ الوہیت اور حیطۂ تدبیر و تصرف صرف فوق الاسباب امور میں منحصر ہوگیا اور تحت الاسباب امور میں غیر اللہ کا مقتدر اور مدبّر و متصرّف ہونا تسلیم ہوگیا تو یہ مجوسیت اور ثنویت کا ہی شعبہ بن گیا۔ جس طرح انہوں نے خیر و شر کی تخلیق اور ایجاد میں فرق کرتے ہوئے ہزاروں اور لاکھوں موجد اور خالق تسلیم کر لیے جو سراسر موجب خذلان اور باعثِ خسران ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذالک۔

تحت الاسباب اور فوق الاسباب کی حقیقت کیا ہے؟

۶۔ نیز تحت الاسباب اور فوق الاسباب سے مُراد کیا ہے! اسباب عادیہ کے ذریعے وجود میں آنے والی شے تحت الاسباب ہو جاتے اور اسباب غیر عادیہ کے ذریعے وجود میں آنے والی شے فوق الاسباب جیسے دوائی استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ شفا عطا کر دے تو تحت الاسباب شفا حاصل ہوگئی اور کسی نبی و رسُول اور ولی و مقربِ خُداوند تعالیٰ کے ہاتھ پھیرنے سے اللہ تعالیٰ شفا دیدے تو یہ فوق الاسباب ہوگئی تو انبیاء و اولیاء میں فوق الاسباب امداد و اعانت ماننے بغیر چارہ ہی نہیں کیونکہ وہ اسبابِ عادیہ اور ذرائع معمولہ کو تو استعمال میں نہیں لاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قوم کے لیے پتھر پر عصا مار کر پانی مہیا کرنا اور انہیں ہلاکت سے بچانا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا پانی کے پیالہ میں دستِ جود و نوال رکھ کر پانی کو اُبلتے چشموں میں بدل دینا اور صحابہ کرام کی پیاس بُجھانا اور وضو وغیرہ کی ضروریات پُوری کرنا، حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا

حواریوں کے مطالبے پر صبح و شام مشروبات و مطعومات کو مہیا فرمانا اور ہاتھ پھیر کر یا کپڑے پھیر کر اندھوں کو چشمِ بینا عطا کرنا اور مریضوں کے امراض کو دُور کرنا اسباب غیر عادیہ کے تحت ہی تھا تو اس طرح فوق الاسبابِ استمداد و استعانت کو شرک قرار دینا انبیاء کرام اور رسلِ عظام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندتعالیٰ کو مشرک قرار دینے کے مترادف ہوگا کہ وہ اسبابِ عادیہ اور ذرائع معمولہ سے ہٹ کر مدد و اعانت فرماتے رہے اور اپنے آپ کو اس امداد و اعانت کا اہل سمجھتے رہے اور انبیاء کرام کے ساتھ اس قسم کا استغاثہ اور استمداد کرنے والے اصحاب و رفقاء کا بھی مشرک ہونا لازم آجائیگا جس کا کوئی باہوش انسان تصور بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کوئی عالم ایسا عقیدہ اپنالے بلکہ اس کی ترویج و اشاعت کی جدّوجہد کرے۔

اگر تحت الاسباب سے مُراد ہے عادیہ اور غیر عادیہ اسباب کے ذریعے وقوع پذیر شے اور فوق الاسباب سے مُراد ہے ہر قسم کے عادی اور غیر عادی اسباب سے بالاتر ہو کر وقوع پذیر شے تو اس صُورت میں بھی اللہ تعالےٰ کے ساتھ ما فوق الاسباب میں تصرّف و تدبیر کو مختص کرنے سے باری تعالےٰ کے اختیار و اقتدار کو مزید محدُود کرنا لازم آجاتے گا اور انبیاء و رسل اور اولیاء کرام چونکہ اسباب غیر عادیہ کے تحت امداد و اعانت فرماتے ہیں، لہٰذا وہ تحت الاسباب ہی امداد و اعانت ہوئی لہٰذا وُہ امداد و اعانت شرک نہ ہوئی اور نہ اس طرح کی استعانت شرک ہوئی تو علامہ صاحب باری تعالیٰ کی گستاخی اور ناقدری کے مرتکب بھی ہوگئے اور جنہیں مشرک ثابت کرنے کیلئے

یہ چکر چلائے تھے وُہ بھی ان کے فتویٰ شرک سے صاف بچ نکلے اور علامہ صاحب کے حصّے میں صرف اور صرف ناکامی و نامُرادی رہ گئی۔

۷۔ الّذین یدعون من دون اللّٰہ میں اصنام و اوثان داخل ہیں اور ان کے پجاری بھی داخل ہیں جیسے کہ آیاتِ کریمہ اور تصریحاتِ اکابر سے ثابت کیا جاچکا ہے اور وُہ مشرک لوگ تو غائب خُدا کی عبادت کے بھی قائل نہیں تھے اور غائبانہ استمداد و استعانت کے قائل بھی نہیں تھے وُہ تو محسوس مبصر معبُود اور قرُب وجوار میں موجود معاون و مددگار چاہتے تھے تو غائبانہ ندا، و پُکار کی قید لگانا اس لحاظ سے بھی لغو اور باطل ہے۔ کیونکہ وُہ ہر وقت سمندروں میں تو نہیں رہتے تھے کہ صرف اللّٰہ وحدہٗ غائب کو پُکارتے رہتے تھے۔ وُہ تو کنارے لگتے ہی پھر اپنے محسوس و مبصر اور قرب وجوار میں موجود خُداؤں کو ہی پُکارتے تھے۔

شبہ کا ازالہ

رہا یہ شبہ کہ اصنام و اوثان تو صرف قبلہ توجّہ تھے دراصل انبیاء و اولیاء۔ ان کے معبُود اور مستعان تھے تو اس کی حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ آغاز اگرچہ صنم سازی کا اسی مقصد کے تحت ہُوا مگر بعد میں صرف اور صرف وہی معبُود و مستعان بن کر رہ گئے تھے اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے انہیں بتّوں کو فرمایا کھاتے کیوں نہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ کیا انہیں معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ یہ تو صرف قبلہ توجّہ ہیں۔ نیز بُت پرستوں نے

کیوں نہ کہا یہ صرف قبلۂ توجّہ ہیں دراصل ہمارے معبود و مسجود اور حاجت روا اور کارساز تو انبیاء اور اولیاء ہیں اور قرآن مجید نے ان اصنام کا آتشِ دوزخ میں وارد ہونا بیان فرمایا :

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ○ (سُورۃ الانبیاء آیت ۹۸)

اگر یہ صرف قبلۂ توجّہ تھے تو ان کو آتشِ جہنّم میں ڈال کر کفّار و مشرکین کو ان کی شفاعت اور نفع رسانی اور حاجت روائی و مشکل کشائی سے مایوس کرنے اور حسرتوں، ارمانوں میں مبتلا کرنے کا کیا مطلب ؟

لہٰذا ان حقائق کو جو قرآن مجید کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں نظرانداز کرنے کا کوئی جواز نہیں اور اس انجام یعنی صنم پرستی کو بھلا دینا اور صرف آغاز کیونکر ہوا یعنی صنم سازی کے اسباب پر نظر کو مرکوز و مقصود رکھنا سراسر کوتاہ بینی بلکہ کج بینی ہے۔ اگر یونہی آغاز کی طرف جانا ہے تو پھر یہ الزام اللہ تعالیٰ پر عائد کر دینا چاہیے کہ دراصل شرک کا دروازہ اس نے خود آپ کھولا ہے، نہ کسی کو نبی و رسول بناتا نہ ان کی اتّباع و اطاعت کا حکم دیتا۔ نہ کسی کو ولی و محبوب بناتا نہ ان کی دُعائیں اور التجائیں مستجاب فرماتا نہ لوگوں کے دلوں میں ان کی تعظیم و تکریم پیدا ہوتی اور نہ ہی شرک کا یہ دروازہ کھلتا۔ العیاذ باللہ۔

لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ کسی کام کا آغاز مکروہ اور ناجائز بھی ہو جبکہ اس کا انجام اور عاقبت کار کفر اور شرک بھی ہو سکتا ہے تو اس آغاز کو ملحوظ رکھنا

اور اس انجام کو نظر انداز کر دینا کہ مشرکین بیجان مجسّموں اور مُورتیوں کو تو خُدا مانتے رہے اور رسلِ کرام کو رسُول و نبی ماننے پر بھی آمادہ نہ ہو سکے کہاں کا عدل و انصاف اور دیانت و امانت ہے۔

کیا اصنام و اوثان سے استعانت میں اور انبیاءؑ و اولیائے استمداد و استعانت میں کوئی فرق نہیں؟

علاّمہ سرفراز صاحب اور اس کے ہم مشرب و ہم مسلک حضرات نے انبیاء کرام علیہم السّلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے دونوں سے استمداد و استعانت کرنے والوں کو مشرک قرار دے دیا اور کہا کہ قدیم و حدیث مشرکین میں ذرّہ برابر فرق نہیں ہے، ابوجہل وغیرہ جیسا مشرک ہونے کا فتوٰی صادر کر دیا اور گویا اس طرح اہل السُّنّت کے خُونِ ناحق سے اپنی سپاہ کو ہاتھ رنگنے کی اجازت دے دی کیونکہ قرآن کا حکم ہے:

اقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم

جہاں بھی مشرکین کو پاؤ قتل کر دو۔

آیئے اس پر غور کریں کہ یہ سوچ اور فکر اور نظریہ و عقیدہ کن سے مستعار لیا گیا ہے اور ان کے امام و پیشوا اس معاملہ میں کون لوگ ہیں۔

ایک برہمن کا اہلِ اسلام پہ اعتراض اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ اور ولی اللٰہی تعلیمات کے امین و مخزن کا جواب ملاحظہ کرنے

سے یہ حقیقت پوری طرح اُجاگر ہو جائے گی کہ علامہ سرفراز صاحب اور ان کی پارٹی کن لوگوں کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے اور ہم کن حضرات کی راہ پر چل رہے ہیں۔ برہمن نے کہا:

شما از اہلِ قبور مدد و شفاعت می طلبید باید کہ بر شما ہم شرک عائد شود۔ القصہ ہر چہ مقصد شما و مراد شما از اہلِ قبور است ہماں قسم مقصود من از صورت کنہیا و کالکا ہست بحسب ظاہر نہ قوت اہلِ قبور دارند و نہ بُت۔ و اگر گوئی بقوتِ باطن اہلِ قبور کشائش حالات می نمایند بسا جا از بتاں ہم روائی حاجات می شود۔ و اگر میگوئید کہ بایشاں میگوئیم کہ از خدا برائے ما شفاعت بخواہید من از بتاں ہمیں استدعا دارم۔

تم اہلِ قبور سے مدد و استعانت اور شفاعت طلب کرتے ہو پس چاہیے کہ تم پر بھی ہماری طرح شرک عائد ہو کیونکہ جو مقصد و مطلب تمہارا اہلِ قبور سے استعانت میں ہے وہی کنہیا اور کالکا وغیرہ کی صورتوں سے ہمارا مدعا و مقصود بھی ہے۔ باعتبار ظاہر کے نہ اہلِ قبور میں طاقت و قدرت ہے اور نہ ہی بُتوں میں قدرت و طاقت ہے اور اگر باطنی قوت سے اہلِ قبور مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو بسا اوقات ان اصنام سے بھی حاجت روائی ہو جاتی ہے اور اگر تم اہلِ قبور سے دُعا کے لیے کہتے ہو تاکہ عنداللہ تمہاری شفاعت کریں تو ہم بھی اپنے معبودات سے یہی استدعا کرتے ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز نے برہمنی اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے

اہلِ قبور مقربانِ خداوند تعالیٰ کو اور اصنام واوثان کو ایک سطح پر رکھنے کی ہندوانہ سوچ و فکر پر ردّ و قدح کرتے ہوئے فرمایا اور اس کے مکر و فریب اور دجل و دغل کا پردہ اس طرح چاک فرمایا :

"مدد خواستن دو طور می باشد مدد خواستن مخلوقے از مخلوقے مثل آنکہ از امیر و پادشاہ نوکر و گدا در مہمات خود مدد می جویند و عوام النّاس از اولیاء دُعا می خواہند کہ از جناب الٰہی فلاں مطلب مارا درخواست نمایند- ایں نوع استعانت در شرع از زندہ و مُردہ جائز است- دوم آنکہ بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب الٰہی وارد مثل دادن فرزند یا بارشِ باراں یا دفع امراض یا طول عمر و مانند آں چیزہا بے آنکہ دُعا و سوال از جناب الٰہی درنیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است واگر از مسلماناں کسے از اولیائے مذہب خود زندہ باشد خواہ مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرۂ مسلماناں خارج میشود بخلاف بُت پرستاں کہ ہمیں نوع مدد از معبودانِ باطلہ خود می خواہند و آنرا جائز می شمارند۔"

مدد و اعانت کی خواستگاری دو طرح پر ہے اوّل مخلوق سے مدد مانگنا جیسے کہ امیر اور بادشاہ سے نوکر اور گدا اپنے مشکل اور اہم معاملات میں مدد طلب کرتے ہیں اور عوام النّاس اولیاء کرام سے دُعا طلب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہمارا فلاں مطلوب و مقصود طلب کریں استعانت کا یہ قسم شریعتِ مطہرہ میں زندہ اور فوت شدہ ہر دو سے جائز ہے۔

دوم : دوسرا قسم استعانت کا یہ ہے کہ مستقل طور پر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ سے تعلق رکھتی ہے مثلاً فرزند دینا، بارش عطا کرنا، امراض دُور کرنا اور درازیٔ عمر وغیرہ عطا کرنا بغیر اس کے دعا و سوال کے ذریعے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے طلب کرنا نیّت اور ارادہ میں ہو اس کو مخلوق سے طلب کریں تو استعانت کا یہ قسم حرام مطلق بلکہ کفر ہے اور اگر اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص اَپنے مذہب کے اولیاء سے زندہ ہوں یا فوت شدہ اس طرح کی استمداد و استعانت کرتا ہے تو وُہ دائرہ اسلام اور زمرۂ اہلِ اسلام سے خارج ہو جائے گا بخلاف بُت پرستوں کے کہ وُہ یہی قسم مدد و اعانت کا اپنے معبوداتِ باطلہ سے طلب کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

فوائد و ثمرات

۱۔ خاتم المفسّرین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے جواب سے بُت پرستوں کی استعانت اور اہلِ اسلام کی استعانت میں فرق بھی واضح ہو گیا اور بُت پرستوں کی استعانت کا شرک ہونا اور اہلِ اسلام کی استعانت کا جائز ہونا بھی واضح ہو گیا۔

۲۔ نیز زندہ اور فوت شدہ اور دُور و نزدیک کے فرق کی لغویت بھی واضح ہو گئی کہ جو چیزیں عطا کرنا بالاستقلال مخلوق کے لیے ممکن نہیں وہ اولیاء کرام بلکہ انبیاء کرام علیہم السّلام سے طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے حضور دُعاء و التجاء کیے بغیر شرک ہے اور دُعاء و التجا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے لے کر دلانے کی نیّت پر ہو تو صرف یہ نہیں کہ شرک نہیں بلکہ جائز اور صحیح ہے، لہٰذا علاّمہ

سرفراز صاحب اور ان کی جماعت کی سوچ سراسر برہمنی سوچ ہے، اور اہلِ اسلام کے عظیم مقتدا، و پیشوا اور فلسفۂ ولی اللّٰہی کے ترجمان کی سوچ و فکر اور عقیدہ و نظریہ کے بھی سراسر خلاف اور برعکس ہے۔

علماءِ دیوبند کا منشاءِ غلط اور ان موحدین کی برہمنوں سے بڑی کوتاہی

زندہ اور فوت شدہ مقبولانِ بارگاہ سے استمداد و استعانت میں فرق کرنے کا فلسفہ اور سبب وہی معلوم ہوتا ہے جو برہمن نے ذکر کیا کہ نظرِ ظاہر میں نہ اہلِ قبور میں قوت و طاقت ہے اور نہ ہی بتوں میں اور ان کا بھی یہی قول ہے کہ پہلے مشرک کھڑے بتوں کو پوجتے تھے اور زمانہ حال کے مشرکین پڑے بتوں کو پوجتے ہیں گویا ظاہری حالت کو دونو فریق یکساں قرار دیتے ہیں لیکن ایک لحاظ سے مسلمان کہلانے والے بلکہ توحید کے ٹھیکیداران برہمنوں سے بھی بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنی بے جان مورتیوں میں باطنی قوت تسلیم کر لی اور ان لوگوں نے انبیاء و رسل اور شہداء و اولیاء میں روحانی اور باطنی قوت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی فاسد و باطل سوچ کا رد اکابرینِ ملت کی زبانی سماعت فرمادیں۔

اہلِ اسلام کے نزدیک اولیاء اللّٰہ اور اوثان و اصنام میں فرق کی بنیاد

۱۔ "و آنچہ گفتہ کہ ہرچہ مقصد شما از اہلِ قبور است ہماں قسم مقصود من از صورتِ کنہیا و کالکا ہست نیز خطا در خطا است زیرا کہ ارواح را تعلق بہ

بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ می باشد زیرا کہ مدّتِ دراز دریں بودہ اند و ایں ہا قبور معبُودان خود را تعظیم نمی کنند بلکہ از طرف خود صُورت ہا و سنگ ہا تراشیدہ و درختاں و دریا ہا را قرار میدہند کہ صُورت فلانے ہست بے آنکہ آں چیز را تعلق باں رُوح باشد۔"

اور یہ جو کہا ہے کہ جو تمہارا مقصُود اہلِ قبُور سے ہے وہی ہمارا مقصُود کنہا اور کالکا وغیرہ سے ہے تو یہ قول خطا در خطا ہے۔ کیونکہ ارواح کا اپنے بدن کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلّق قائم ہوتا ہے کیونکہ عرصہ دراز تک اس میں قیام پذیر رہے ہیں اور ہندو برہمن لوگ اپنے معبُودوں کی قبروں کی تعظیم نہیں کرتے بلکہ اپنی طرف سے صُورتوں اور تراشیدہ پتھروں کو اور درختوں اور دریاؤں کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی صُورت ہے بغیر اس کے کہ اس چیز کا اس شخص کی رُوح کے ساتھ کوئی تعلّق ہو۔

۲۔ در شرح مقاصد ذکر کردہ نفع یافتہ میشود بزیارتِ قبُور و استعانت بنفوس اخیار از اموات بدرستیکہ نفس مفارقہ را تعلقے ہست ببدن و تُربتے کہ دفن کردہ شود در آں پس چوں زیارت می کند زندہ آں تُربت را و متوجّہ میشود بسوئے نفس میّت حاصل میشود میان ہر دو نفس ملاقات و فائزات۔

(فتاوی عزیزی ص۱۰۸ جلد۲)

علّامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں ذکر فرمایا کہ قبور کی زیارت سے اور فوت شدگان کے پاکیزہ نفوس سے نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ بدن سے جُدا ہونے والے نفس اور رُوح کو اپنے بدن سے اور قبر سے تعلّق ہوتا ہے جس

میں دفن کیا جاتا ہے لہٰذا جب زندہ آدمی اس قبر کی زیارت کرتا ہے اور میّت کے رُوح کی طرف متوجّہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس و ارواح کے درمیان ملاقات پائی جاتی ہے اور فوائد و فیوض حاصل ہوتے ہیں۔

۴۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

"مشائخ صوفیہ قدست اسرارہم گویند کہ تصرّف بعضے اولیاء در عالم برزخ دائم و باقی است و توسّل و استمداد بارواح ایشاں ثابت و موثر، امام حجۃ الاسلام غزالی گفتہ کہ ہر کہ در حیات وے بوے توسّل و تبرک جویند بعد از مماتش نیز تواں جست و ایں سخن موافق دلیل است چہ بقائے رُوح بعد از موت بدلالت احادیث و بہ اجماع علماء ثابت است و متصرّف در حیات و بعد از ممات روح است نہ بدن۔ و متصرّفِ حقیقی حق تعالیٰ است و ولایت عبارت از فنا فی اللہ وبقاء بدوست و ایں نسبت بعد از موت اتم و اکمل است و نزد ارباب کشف و تحقیق مقابلۂ رُوح زائر بارو ح مزور موجب انعکاس اشعۃ لمعات انوار و اسرار می شود در رنگ مقابلہ مرآت بمرآت و اولیاء را ابدان مکتسبہ مثالیہ نیز بود کہ بداں ظہور نمائند و امداد و ارشاد طالباں کنند و منکراں را دلیل و برہان بر انکار آں نیست۔ یکے از مشائخ گفتہ است کہ چہار کس از اولیاء دیدم کہ در قبر خود تصرّف میکنند مثل تصرّف ایشاں در حالت حیات یا بیشتر ازاں جملہ شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما اللہ و دو دیگر را از اولیاء نیز شمرد ص۴۲۔

مشائخِ صوفیہ قدست اسرارہم کہتے ہیں کہ بعض اولیاء کرام کا تصرّف

عالمِ برزخ میں دائم اور باقی ہے اور ان کے ارواحِ مقدسہ کے ساتھ توسّل اور استمداد ثابت بھی ہے اور مؤثر بھی۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کے ساتھ دنیوی حیاتی میں توسّل و تبرّک حاصل کر سکتے ہیں موت کے بعد بھی اس سے توسل اور برکات کا حصول درست ہے۔

اور یہ قول دلیل و برہان کے مطابق و موافق ہے کیونکہ بدن کی موت کے بعد رُوح کی بقا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور علماءِ اُمّت کے اجماع کی دلالت سے ثابت ہے اور حیاتِ دنیوی ہو یا موت کے بعد کی حالت ہر دو حالت میں متصرف رُوح ہوتا ہے نہ کہ بدن جبکہ حقیقی مدبّر و متصرّف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ولایت نام ہے۔ فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کا اور یہ نسبت موت کے بعد اتم اور اکمل طور پر متحقّق ہوتی ہے۔

ارباب کشف اور محققین کے نزدیک زیارت کرنیوالے کی رُوح کا اربابِ قبور کی ارواح کے ساتھ تقابل اور آمنا سامنا انوار و اسرار کی شعاعوں اور ضیاؤں کے عکس و پرتو کا موجب بن جاتا ہے جیسے کہ ایک آئینہ دُوسرے آئینہ کے مقابل ہونے پر اسی طرح موجب عکس و پرتو ہوتا ہے۔

نیز اولیاء کرام کے لیے (مجاہدات و ریاضات کی بدولت) حاصل ہونے مثالی ابدان بھی ہوتے ہیں کہ جن کے ساتھ متوسلین پر نمودار ہوتے ہیں اور ان طالبان امداد و اعانت کی مدد و اعانت فرماتے ہیں اور رہنمائی فرماتے ہیں اور منکرین امداد و اعانت کے پاس اس انکار وجود پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔

مشائخ عظام میں سے ایک نے فرمایا کہ میں نے اولیاء کرام میں سے

چار اشخاص کو دیکھا کہ وُہ اپنی اپنی قبور میں اس طرح تدبیر و تصرّف کر رہے ہیں جیسے کہ زندگی میں کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ تصرّف کر رہے ہیں۔ ان چار میں حضرت شیخ معروف کرخی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہما اور دو دُوسرے اولیاء کرام کو شمار کیا۔

میّت کی امداد بنسبت زندہ کی امداد کے قوی ہوتی ہے

۴- شیخِ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

"امام شافعی گفتہ قبر امام موسیٰ کاظم تریاق مجرب است مراجابت دُعار را وحجّت الاسلام امام غزالی گفتہ (تا) دو کس دیگر را شمرد ومقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ است بیان کرد۔ سیّدی احمد بن زروق کہ یکے از اعاظم فقہا وعلماء ومشائخ دیارِ مغرب است۔ گفت روزے شیخ ابُوالعباس حضرمی از من پرسید کہ امداد حی اقوی است یا امداد میّت من گفتم قومے می گویند کہ امداد حی قوی تر است ومن میگویم کہ امداد میّت قوی تر است۔ پس شیخ گفت نعم زیرا کہ او در بساط حق است و در حضرت اوست۔

(اشعۃ اللمعات جلد اوّل صہ۱۳ وکذا فتاویٰ عزیزی صہ۱۰ جلد ۲)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی مزارِ اقدس دُعا کی قبولیت کے لیے مجرّب تریاق کا درجہ رکھتی ہے حجۃ الاسلام امام محمّد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہر وُہ شخص جس سے زندگی میں مدد و اعانت

طلب کیا جا سکتی ہے اس سے وفات کے بعد بھی توسّل و استمداد جائز ہے۔ مشائخِ عظام میں سے ایک نے فرمایا میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں اس طرح تصرّف فرما رہے ہیں جیسے کہ حیاتِ ظاہری میں کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ شیخ معروف کرخی، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما اللہ اور دو دُوسرے حضرات کا ذکر کیا اور ان کا مقصود (تدبیر و تصرّف کا ان چار حضرات میں) انحصار نہیں ہے بلکہ جو کچھ خود مشاہدہ کیا اور اپنے طور پر دریافت کیا وُہ بیان کر دیا۔

سیّدی احمد بن زروق جو کہ دیارِ مغرب کے عظیم ترین فقہاء اور علماء و مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے شیخ ابُو العباس حضرمی نے دریافت فرمایا کہ زندہ ولی کی امداد قوی اور زیادہ مؤثر ہے یا فوت شدہ کی تو میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد زیادہ مؤثر اور قوی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ فوت شدہ کی امداد زیادہ مؤثر اور قوی ہے تو انہوں نے تائید و تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہاں کیونکہ وُہ فوت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس اور اس کے قربِ خاص میں جاگزین ہوتا ہے۔

۵۔ جوازِ استمداد پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

اثبات کردہ اند آنرا مشائخِ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم و بعض فقہاء ایں امر یست محقّق و مقرّر نزد اہلِ کشف و کمال از ایشاں تا آنکہ بسیارے را فیوض و فتوح از ارواح ایشاں رسیدہ۔ ایں طائفہ را در اصطلاح ایشاں اویسیہ خوانند

استعانت و استمداد کو مشائخِ صوفیہ قدست اسرارہم اور بعض فقہا نے

ثابت کیا ہے اور یہ ان میں سے اہلِ کشف اور اربابِ کمال کے نزدیک حقیقتِ ثابتہ اور یقینی امر ہے حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے حضرات کو فیوض و فوائد اور حل مشکلات اولیاء کاملین کے ارواحِ طیبہ سے حاصل ہوتے اور اس جماعتِ مستفیضہ کو ان کی اصطلاح میں اویسی کہا جاتا ہے۔

۶۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی جوازِ استمداد پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعضے از خواص اولیاء اللہ راکہ جارحۂ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرّف در دُنیا دادہ اند و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آں ہا مانع توجّہ بایں نمی گردد و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از آں ہا مینمایند و ارباب حاجات و مشکلات حل مشکلات خود ازاں ہا می طلبند و می یابند و زبان حال آنہا در آں وقت مترنّم بایں مقالات است۔" ؎

من آیم بجاں گر تو آئی بتن

(تفسیر عزیزی ص۳ ص۱۱۳)

بعض خواص اولیاء اللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تکمیل اور ہدایت وارشاد کے لیے وسیلہ وذریعہ بنایا ہے۔ ان کو قبروں میں مدفون ہونے کے باوجود دُنیا میں تدبیر و تصرف کا اختیار بخشا ہوتا ہے۔ اور انکا ذاتِ باری تعالیٰ میں استغراق اور انجذاب ان کے حواس و مدارک کی وسعت کاملہ کی وجہ سے دُنیا کی طرف توجّہ سے مانع نہیں ہوتا اور صوفیاء کرام میں سے اویسی حضرات ان اولیاء کرام سے باطنی و روحانی کمالات حاصل کرتے ہیں۔ حاجتمند اور مشکلات

میں گھرے ہوئے لوگ ان اولیاء اللہ سے اپنی مشکلات اور حاجات کا حل طلب کرتے ہیں اور مُنہ مانگی مراد پاتے ہیں اور ان مقدّس اولیاء کرام کی زبان ان مقالات کے ساتھ محو ترنم ہوتی ہے۔ ع

من آیم بجاں گر تو آئی بتن

اگر تو جسم کے ساتھ ہمارے پاس آئے گا تو ہم تیرے پاس اپنی جان اور روح کے ساتھ آئیں گے۔

۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"در اولیائے اُمّت واصحاب طرق اقوٰی کسے کہ بعد تمام راہ جذب باکد وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ است ودر آں جا بوجہ اتم قدم زدہ است حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اند لہٰذا گفتہ اند کہ ایشاں در قبرِ خود مثل احیاء تصرف می کنند۔" (ہمعات ص۶۱)

اولیاءِ اُمّت میں اور اربابِ سلاسل میں راہِ جذب کو انتہائی تاکیدی طریقوں کے ساتھ مکمل کرنے والوں میں قوی ترین شخص جنہوں نے اس نسبت کی اصل کی طرف رجوع اور میلان کیا ہے اور اس جگہ میں کامل طور پر قدم رکھا ہے تو وہ حضرت محی الدّین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس لیے عرفاء نے کہا ہے کہ وہ اپنی قبرِ مبارک میں زندہ اولیاء کی مانند تصرّف کر رہے ہیں۔

علّامہ اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں :

اور جاننا چاہیے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرّفات اور خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنیً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔ (التکشف ص۳)

الغرض واضح ہوگیا کہ امام شافعی اور تبع تابعین کے دور سے حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہا اللہ کے دور تک اولیاء اللہ اور مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ سے استفادہ و استفاضہ اور استمداد و استعانت کو نہ صرف جائز سمجھا جاتا رہا ہے بلکہ عملی طور پر فیوض و برکات حاصل کیے جاتے رہے ہیں اور صوفیاء کرام اور اہل اللہ کا ایک خاص گروہ یعنی اویسی حضرات بقول شیخِ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور بقول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فیوضاتِ باطنیہ اور کمالاتِ رُوحانیہ حاصل ہی انہیں فوت شدہ اولیاء عظام اور مقبولانِ بارگاہِ ربّ الانام سے کرتے ہیں۔

لہٰذا ان اکابر کے ارشادات کو نظر انداز کرتے ہوئے برہمنوں کے نقشِ قدم پر چلنا اور اصنام و اوثان اور اہلِ قبور انبیاء و اولیاء کو ایک جیسا سمجھنا کسی عام مسلمان کو بھی زیب نہیں دیتا چہ جائیکہ کسی عالم کو۔

اہلِ قبور سے استمداد کے منکر کون ہیں ؟

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"ظاہر آنست کہ از فقہا آنانکہ قائل بسماع و ادراک میت اند قائل بجواز ندد آنانکہ منکر اند آنرا نیز انکار کنند۔ (فتاویٰ عزیزی صـ۱۰۸ جلد ۲)

یعنی ظاہر یہی ہے کہ جو فقہا میت اور اہلِ قبور کے سماع اور ادراک کے قائل ہیں وہ اہلِ قبور سے استعانت و استمداد کے بھی قائل ہیں اور وہ جو اہلِ قبور کے سماع اور ادراک کے قائل نہیں بلکہ منکر ہیں وُہ استعانت کے بھی منکر ہیں۔

۲۔ حضرت شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"گفتم من بتوفیق خُداوند تعالیٰ اما استمداد باہل قبور منکر شدہ اند آنرا بعض فقہاء۔ اگر انکار ازآں جہت است کہ سماع و علم نمد ایشاں را بزائراں واحوال ایشاں پس بطلان او ثابت شد۔ واگر بسبب آنست کہ قدرت و تصرف نیست مرا ایشاں را ودرآں موطن تا مدد کنند بلکہ محبوس و ممنوع اند و مشغول اند در آنچہ عارض شدہ است ایشانرا از محنت و شدت آنچہ باز داشتہ است از دیگراں۔ گویم ایں کلیہ نباشد خصوصًا درشان متقین کہ دوستانِ خُدا اند شاید کہ حاصل شود ارواح ایشاں را از قرب دربرزخ و منزلت و قدرت بر شفاعت و دعا و طلب حاجات مر زائراں را کہ متوسل اند بایشاں چنانکہ در روز قیامت خواہد بود و چیست دلیل بر نفی آں و تفسیر کردہ است بیضاوی آیت کریمہ والنازعات غرقا (سورہ النازعات آیت ۱) را بصفات نفوس فاضلہ در حالت مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان و نشاط میکنند بسوئے عالم ملکوت و سیاحت می کنند درآں پس سبقت می کنند بحظائر قدس پس می گردند بشرف و قوت از مدبرات امر۔ (اشعۃ اللمعات ص۴۰۱ ج ۲)

کہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہ اہلِ قبور سے استمداد کے بعض فقہا منکر ہیں۔ اگر ان کا انکار اس وجہ سے ہے کہ اہلِ قبور کے لیے زائرین کے

کلام کا سماع اور ان کے احوال کا علم نہیں ہے تو اس کا بطلان ثابت ہو چکا، اور اگر اس وجہ سے ہے کہ ان کے لیے اس مقام میں قدرت و طاقت اور تدبیر و تصرّف نہیں ہے تاکہ مدد و اعانت کر سکیں بلکہ وُہ پابند اور ممنوع ہیں اور مشغول ہیں اس محنت اور شدّت کی وجہ سے جو انہیں اس مقام میں درپیش ہے اور اس نے انہیں دُوسروں کی طرف توجّہ سے روک رکھا ہے تو میں کہتا ہُوں کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے (کہ ہر اہلِ قبر مومن محبوس و پابند ہو جائے اور محنت و شدّت میں مبتلا ہو) خاص طور پر متقین اور پرہیزگار لوگوں کے حق میں جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں

جن کو اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(سُورہ یونس آیت ۶۲)

کی بشارت حاصل ہے اور جن کو

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝ (سورۃ حٰمٓ السجدۃ آیت ۳۰)

کے مژدے سُنائے جاتے ہیں)۔

عین ممکن ہے کہ ان اولیاء کرام اور محبُوبان خُداوند تعالیٰ کو عالمِ برزخ میں بارگاہِ صمدیت میں قربت و منزلت حاصل ہو اور ان کو اپنے زائرین اور

متوسلین کے لیے شفاعت اور دُعا اور طلب حاجات کی قدرت حاصل ہو جس طرح کہ قیامت کے دن ہوگا (حالانکہ ہولناکیوں اور شدائد و مصائب کے لحاظ سے اس دن سے سخت کوئی دن اور اس مقام سے ہیبت ناک کوئی مقام نہیں ہوگا جب وہاں یہ قرب اور درجہ حاصل ہوگا جیسا کہ آیاتِ کلام مجید اور احادیثِ رسول صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ثابت ہے تو دارِ برزخ میں بطریقِ اولیٰ یہ قربت اور منزلت حاصل ہوگی)۔

اور دارِ برزخ میں اس قدرت وطاقت کی نفی پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ قاضی بیضاوی نے قولِ باری تعالیٰ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ

(سورۃ النّٰزعٰت آیت ۱،۵)

کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ صفات نفوسِ انسانیہ اور ارواحِ کاملین کی ہیں جو کہ وقتِ وصال میں اپنے بدنوں سے کھینچے جاتے ہیں اور خوشی و راحت کیساتھ عالمِ ملکوت کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اور اس میں سیر و سیاحت کرتے ہیں پس مقدّس مقامات کی طرف سبقت لے جاتے ہیں اور اپنے فضل و شرف اور قوّت و قدرت کی وجہ سے مدبّرات امر اور کارکنانِ قضا و قدر میں سے ہو جاتے ہیں۔

اقول: یہی تفسیر اس آیت کریمہ کی حضرت امام رازی رحمہ اللّٰہ نے تفسیر کبیر میں اور حضرت علّامہ اسمٰعیل حقی نے رُوح البیان میں اور حضرت علّامہ سیّد محمود آلوسی حنفی

نے روح المعانی میں ذکر فرمائی ہے اور ارواح کاملین میں ابدان سے مفارقت کے بعد اس دنیا میں تدبیر و تصرف کی قدرت و طاقت بھی اور اس منصب و مرتبت کا حصول بھی تسلیم کیا ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب جلاء الصدور میں اس موضوع پر مفصل اور مدلل بحث کر دی ہے۔ یہاں صرف اجمالی طور پر علامہ سرفراز صاحب اور ان کے ہم مسلک و مشرب علماء کا منشاء غلطی اور مبدء فساد بیان کرنا تھا جو بحمدہ تعالیٰ واضح ہو گیا۔

اہلِ قبور کے لیے زائرین کے علم و شعور کا انکار انکارِ دین اور الحاد و زندقہ ہے،

یہ تو آپ معلوم کر چکے کہ جو حضرات اہلِ قبور سے استمداد و استعانت کے منکر ہیں ان کے انکار کا دار و مدار کس چیز پر ہے تو حضرت شاہ عبدالعزیز نے واضح فرمایا کہ جو اہلِ قبور کے سماع و ادراک کے منکر ہیں وہی لوگ استمداد و استعانت کے بھی منکر ہیں اور جو استمداد و استعانت کے قائل ہیں وہ اس لیے قائل ہیں کہ اموات اور اہلِ قبور میں سماع و ادراک اور علم و شعور تسلیم کرتے ہیں اور اموات کے ابدان سے اور ان کی قبور سے ان کے ارواح کا تعلق تسلیم کرتے ہیں۔ اب ان اکابر کی زبان سے ہی اہلِ قبور کے سماع و ادراک اور علم و آگہی کے انکار کا حکم بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ اس سے منکرینِ استعانت کا حکم بھی واضح ہو جائے اور ان کے سُنّی ہونے کے دعویٰ کی حقیقت واضح ہو جائے۔

۱۔ شیخ اجل شیخ المحققین حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"بالجملہ کتاب وسنّت مملو و مشحون اند کہ دلالت میکند بر وجود علم مرموتی را بدنیا و اہلِ دُنیا پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار و منکر دین۔"

(اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۰۱)

مختصر المرام یہ ہے کہ کتاب وسُنّت ایسے دلائل سے بھرپور ہیں جو اہلِ قبور اور اموات کے لیے دُنیا اور اہلِ دُنیا کے علم و ادراک اور احساس و شعور پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا اہلِ قبور کے سُننے کا انکار صرف اور صرف وہی کر سکتا ہے جو احادیث و اخبار اور سُنن و روایات سے بے خبر اور ناآشنا ہو یا پھر مذہب اور دین سے ہی منحرف اور مُنکر ہو۔

۲۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست۔

(فتاوٰی عزیزیہ جلد اوّل ص۹۱ ص۹۲)

یعنی خلاصۂ کلام اور حاصلِ مُراد یہ ہے کہ اموات اور اہلِ قبور سے شعور و احساس اور علم و ادراک کی نفی اور انکار (اوّل تو کُفر ہے کیونکہ نصوص کتاب اور متواترۃ المعنیٰ احادیث کا انکار ہے لیکن) اگر بالفرض والتقدیر کُفر نہ بھی ہو تو اس کے الحاد و زندقہ اور بے دینی ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لہٰذا اگر اہلِ قبور کے سماع و ادراک کا انکار بمنزلۂ کُفر و بے ایمانی کے ہے اور الحاد و بے دینی اور انکارِ دین کے مترادف ہے تو فوت شدہ اولیاء کرام اور زندہ اولیاء کرام میں جائز استعانت میں تفرقہ روا رکھنا بھی الحاد اور

بے دینی ہے۔ بلکہ جو استعانت و استمداد کسی بھی زندہ ولی سے جائز ہے اس قسم کی استمداد فوت شدہ سے بھی جائز ماننا لازم اور ضروری ہے زندگی اور موت میں اور عالمِ دُنیا اور عالمِ برزخ میں فرق کرنے کا قطعاً قرآن و سُنّت کی رو سے اور ان اکابرین کی تصریحات کے مطابق کوئی جواز نہیں ہے۔

گھر کی شہادت اہلِ قبور کی امداد اور ان سے استمداد پر

دُوسرے اہلِ اسلام پر استمداد و استعانت کی وجہ سے اور فوت شدگان میں امداد و اعانت کی خُداداد قدرت و طاقت تسلیم کرنے والوں پر شرک کے فتوے جُڑنے والوں کے گھر کا حال ملاحظہ فرمادیں اور اسلام میں دوہری چال اور دوغلی پالیسی ملاحظہ فرمادیں۔ متحدہ ہندوستان میں اہلِ اسلام کو ابوجہل جیسے مشرک قرار دینے کا شوق سب سے پہلے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی صاحب کو چڑھا اور اس نے تقویۃ الایمان لکھ کر شرک کی مشین گن چلائی اور انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو اصنام و اوثان کی مانند قرار دے کر جرأت و بیباکی اور جسارت و بیحیائی کا مظاہرہ کیا لیکن اپنے پیر و مُرشد سیّد احمد بریلوی کے لیے دُوسرا معیار اور علیحدہ پیمانہ رکھا چنانچہ ان کے مدارج و مراتب کی تفصیلی روئیداد یوں بیان کی ہے:۔

چشتی فیض

۱۔ امانسبت چشتیہ پس بیانش آنکہ روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور

حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز تشریف بردند بر سر مرقد ایشاں مراقب نشستند۔ دریں اثنا بروح پر فتوح ایشاں ملاقات متحقق شد و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہے بس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائے حصول نسبت چشتیہ متحقق شد۔ (صراطِ مستقیم ص۱۶۶)

سید احمد بریلوی صاحب کو سلسلہ چشتیہ کی نسبت اور خلافت حاصل ہونے کا بیان یہ ہے کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز کے مزارِ پر انوار پر حاضر ہوئے اور مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ اسی دوران ان کی رُوح پر فتوح کے ساتھ ملاقات ہوگئی اور حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ نے ان پر بہت قوی توجہ فرمائی کہ اس توجہ کی بدولت سلسلہ چشتیہ کے ساتھ نسبت و تعلق کی ابتداء ہوگئی اور خلافت و نیابت کی اہلیت پیدا ہوگئی۔

فوائد : اس سے معلوم ہوا کہ قبور کے ساتھ ارواح کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ حاضری دینے والوں کا ان کو علم و ادراک بھی ہوتا ہے۔ ان کے ارواح میں تربیت و ارشاد اور تکمیل مراتب و درجات کی اہلیت موجود ہوتی ہے، اس لیے ان کی رُوح کو پُر فتوح کہا۔ نیز ان میں قوت و قدرت بھی موجود ہوتی ہے اسی لیے قوی توجہ ہوسکی۔ اور اگر اغیار قبور پہ جائیں اور اس طرح کی استمداد و استعانت چاہیں تو ابوجہل قرار پائیں اور اپنے مشائخ اور پیرانِ عظام جائیں تو ولیِ کامل بن کر واپس آئیں یا للعجب۔

غائبانہ اور دُور دراز سے فوت شدہ حضرات کی امداد

یہ تو تھا مزارِ پُر انوار پر جا کر استغاثہ و استفادہ کرنا اور بامقصود بامُراد واپس آنا۔ اب ذرا دُور دراز سے غائبانہ اور فوق الاسباب امداد و اعانت کے مناظر دیکھیں اور دوہرے اسلام اور دوہری توحید پرستی کی داد دیں۔

۲۔ رُوحِ مقدّس جناب غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب حضرت خواجہ بہاءَ الدّین نقشبند قدّس سرّہٗ متوجّہ حال ایشاں گردیدہ و تا یکماہ فی الجملہ تنازعہ در مابین روحین مقدّسین در حق حضرت ایشاں ماندہ زیرا کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمامہ سوئے خودمی فرمود تا اینکہ بعد انقراض زمانۂ تنازعہ و وقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو مقدّس رُوح بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب یکپاس ہر دو امام بر نفس نفیس ایشاں توجّہ قوی و تاثیر زور آوری فرمودند تا اینکہ درہماں یک پاس حصُول نسبت ہر دو طریقہ نصیبۂ ایشاں گردید۔ (صـــ ۱۶۶)

حضرت غوث الثقلین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ بہاءَ الدّین نقشبند قدّس سرّہٗ کے ارواحِ مقدّسہ سیّد احمد بریلوی صاحب کے حال پر متوجّہ ہوئے اور دونو حضرات میں تقریبًا ایک ماہ تک اختلاف و نزاع رہا کیونکہ ان دونو اماموں میں سے ہر ایک سیّد صاحب کو مکمّل طور پر اپنی طرف جذب کرنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ حتّٰی کہ

اختلاف و نزاع کے اختتام اور صلح و آشتی کے حصول کے بعد دونو حضرات مشترکہ طور پر فیض دینے پر رضامند ہوگئے اور ایک دن دونو کی مقدس رُوحیں ان پر جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر تک قوی توجہ اور زور دار تاثیر فرمائی۔ حتیٰ کہ اسی وقت میں دونو طریق قادریہ اور نقشبندیہ کی نسبتیں ان کے نصیب ہوگئیں۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اور حضرت علی اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کی امداد و اعانت،

اب ذرا سَرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلّم کی امداد و اعانت اور حضرت مولائے مرتضیٰ علی شیرِ خُدا کی شفقت و عنایت اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا انعام و اکرام بھی ملاحظہ فرمادیں:

۴۲- حضرت ایشاں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم را در منام دیدند و آنجناب سہ خرما بدست مُبارک خود حضرت ایشانرا خورانیدند (تا) و بعد ازاں کہ بیدار شدند در نفسِ خود اثرے ازاں رویائے حقہ ظاہر و باہر یافتند (تا) بعد ازاں روزے جناب ولایت مآب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ و جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا را بخواب دیدند پس جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایشانرا بدست مُبارک خود غسل داد (تا) و جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا لباس بس فاخرہ بدست مُبارک خود ایشانرا پوشانیدند۔

(صـ ۱۶۴)

سیّد احمد بریلوی صاحب نے رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خواب میں دیکھا اور آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تین چھوہارے ایک ایک کر کے سیّد صاحب کے مُنہ میں ڈالے اور جب بیدار ہُوئے تو اس سچّے خواب کا اثر ظاہر و باہر پایا۔ ایک دن اس کے بعد جناب علی المرتضٰی اور حضرت سیّدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زیارت ہُوئی تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّد صاحب کو اچھی طرح مَل مَل کر غسل دیا اور ان کا بدن صاف کیا جیسے کہ ماں باپ بچّوں کے ساتھ کرتے ہیں اور حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے بہت ہی عمُدہ لباس اپنے ہاتھ مُبارک سے سیّد احمد بریلوی صاحب کو پہنایا۔

فوائد: ۱۔ حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مزارِ پُر انوار بغداد میں، حضرت خواجہ بہاؤالدّین نقشبند رضی اللہ عنہ کا بُخارا میں، حُضور سیّدِ عالم نُورِ مجسّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا روضۂ اطہر مدینہ منوّرہ میں اور حضرت سیّدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مزارِ پُر انوار مدینہ منوّرہ میں اور حضرت علی المرتضٰی[1] کا نجفِ اشرف میں اور ان کے ارواحِ مقدّسہ جنّت الفردوس میں اور اعلٰے علیّین میں تو یہاں دہلی میں سیّد احمد بریلوی کی موجودگی اور وہ بھی صدیوں بعد ان کو کیسے معلوم ہوگئی؟

۲۔ پھر ان کی شکل و صُورت اور وضع قطع کا تعیّن و تشخّص کیسے ممکن ہو گیا؟

۳۔ نیز ان کے رہائشی محلّہ اور حویلی اور مکان کا علم کیونکر ہو گیا۔

۴۔ کیا یہ سبھی حضرات عالم الغیب اور حاضر و ناظر کے صفاتِ جلیلہ کے ساتھ موصُوف تھے کہ صرف ہزاروں نہیں لاکھوں میلوں کی مسافت پر بہشتِ بریں

[1] رضی اللہ عنہ۔

میں ہوتے ہوئے یہ سب کچھ معلوم ہوگیا ؟ صرف دوسرے اولیاء کرام عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں ہوتے ؟

۵۔ علاوہ ازیں حضرت غوث الثقلین اور خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہما میں روحانی قوت کہاں سے آگئی ؟ اور اس جہاں میں تدبیر و تصرف کی قدرت کیسے حاصل ہوگئی ؟

۶۔ کیا یہ ما فوق الاسباب غائبانہ تدبیر و تصرف ہے یا نہیں ؟

۷۔ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سوتے میں سید صاحب کو تین چھوہارے کھلا کر کمالات نبوت کی تکمیل کیسے کرا دی اور فنا فی الرسول کے مقامِ بالا اور بقاء بالرسول کے منصبِ اعلیٰ پر فائز کیسے کر لیا ؟

۸۔ ان علماءِ دیوبند کے بقول تو مرجانے والے کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک جھلی کے بھی مالک نہیں تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سالم تین چھوہاروں پر ملکیت کیسے حاصل ہوگئی ؟

۹۔ پھر جگائے بغیر اور دانت توڑے بغیر کھلانے کی اور ان کھجوروں کے ذریعے باطنی مراتب اور روحانی درجات کی تکمیل کی قوت و طاقت اور قدرت و استطاعت کیسے حاصل ہوگئی ؟

۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مَل مَل کر دھونے اور بدن کی میل کچیل دور کرنے کی قوت و طاقت کیسے حاصل ہوگئی اور پانی کے برتن اور پانی کہاں سے اٹھا کر لائے تھے ؟

۱۱۔ اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ بیش قیمت خلعتِ فاخرہ کہاں سے مل گئی

اور سیّد صاحب کو پہنانے کی قوّت و طاقت کہاں سے آگئی ؟

۱۲۔ اور کیا قطمیر (کھجور کی گٹھلی کا چھلکا) زیادہ قیمتی اور نایاب نعمت ہے؟ یا ولایت اور نسبت چشتیہ و قادریہ اور نقشبندیہ کہ اوّل الذکر کے مالک نہیں مگر ثانی الذکر کے نہ صرف مالک ہیں بلکہ عطا کرنے پر قادر بھی ہیں اور کرتے بھی رہتے ہیں !

۱۳۔ کیا پکاریں تو نہیں سُنتے اور نہ جانتے ہیں

لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ ج (سورہ فاطر آیت ۱۴)

مگر بغیر پکارے جان بھی لیتے ہیں اور پہچان بھی لیتے ہیں ؟

۱۴۔ اور پکارنے پر سُن بھی لیں تو امداد و اعانت نہیں کر سکتے مگر پکارے بغیر خود بخود امداد و اعانت کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں ؟

۱۵۔ اگر پکاریں تو غافل اور بیخبر ہو جاتے ہیں ؟

ھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ (سورۃ الاحقاف آیت ۵)

مگر نہ پکاریں تو باخبر اور باشعور ہوتے ہیں ؟

۱۶۔ اگر پکاریں تو قیامت تک جواب سے بھی عاجز و قاصر،

مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (سورۃ الاحقاف آیت ۵)

مگر پکارے بغیر قیامت سے پہلے بہت پہلے بلکہ صدیاں پہلے لوگوں کے گھروں میں پہنچ کر ان کے عظیم ترین مقاصد و مطالب اور اہم ترین مراتب و مقامات میں امداد و اعانت فرما سکتے ہیں ؟

۱۷۔ کیا جو مکھی سے بھی کمزور ہوں اور اس سے اپنی چھینی ہوئی چیز واپس نہ

لے سکیں۔

اِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ

(سورۃ الحج آیت ۷۳)

وُہ ایسے کارنامے سرانجام دے سکتے ہیں؟

۱۸- اور جن کا کہنا مکھی نہ مانے اور ان کو کوئی اہمیت نہ دے اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کی دُعائیں اور شفاعتیں قبوُل ہوں گی اور ان کی کوئی اہمیت اور پذیرائی ہو گی؟

۱۹- جو مکھی سے کچھ نہ لے سکیں وُہ اللہ قدیر و مقتدر اور قوی و عزیز سے کوئی شے سیّد احمد بریلوی کو لے کر دے سکتے تھے؟

۲۰- کیا صرف علمارِ دیوبند کے لیے انبیار و اولیار کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور مدبر و متصرّف ماننا درست ہے صرف دُوسروں کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے؟

تف ہے اس سوچ اور فکر پر اور افسوس ہے اس دوہری توحید پر اور دوہرے اسلام پر۔ اور حیرت ہے اس دیانت اور امانت پر اور تعجب ہے اس علمیّت اور تحقیق و تدقیق پر کہ ذی رُوح اور غیر ذی رُوح کو، اولیار و مقبولانِ بارگاہ کو اور بتانِ آذری کو، انبیار کرام اور ملائکہ مقربین کو اور اوثان و اصنام کو ایک سطح پر رکھنے اور ایک حکم کے حقدار سمجھنے پر اور بُتوں کے پجاریوں اور انبیار و اولیار کے تابعداروں اور اطاعت گزاروں کو ایک فتوے سے نوازنے پر، اور علمارِ دین ہو کر اور بزعمِ خویش یکتائے زمانہ محدّث و مفسّر

ہونے کے مدعی ہو کر برہمنوں کے نقشِ قدم پر چلنے پر اور ان کا نظریہ و عقیدہ اپنانے پر، قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کو نظر انداز کرنے اور اہلِ قبور کے سماع و ادراک کا انکار کرنے پر۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(جو کہ اکابرین کی تصریح کے مطابق دین سے جہالت اور انکارِ دین اور الحاد و زندقہ ہے مگر مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں گوارا ہے)۔

تفسیر الآیات

علامہ سرفراز صاحب نے اپنے زعم میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو مجبور و معذور اور عاجز و قاصر ثابت کرنے کے لیے جن آیاتِ مبارکہ کا سہارا لیا ہے اب ان کی حقیقی تفسیر اور اصلی مصداق اکابر مفسرینِ اور اعلام علماء کی زبانی سماعت فرمادیں:

۱۔ قولہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا (سورہ حج آیت ۷۳)

جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکیں گے اگرچہ سبھی جمع ہو جاویں اور اگر مکھی کوئی شے ان سے چھین لے تو وہ اس سے واپس نہ لے سکیں کمزور و ناتواں ہے طلب کرنے والا اور طلب کیا جانیوالا

(الف) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ حبرِ امت اور مفسر صحابہ ہیں ان کا ارشاد ہے کہ یہ آیت بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسے کہ ابنِ مردویہ نے نقل کیا۔

(ب) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ابنِ جریر اور ابن المنذر نے نقل کیا:

الطالب آلھتکم والمطلوب الذباب

کہ طلب کرنے اور چھیننے والوں سے تمہارے آلہہ اور اصنام مراد ہیں اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔

(ج) ابن ابی حاتم نے سدی سے نقل کیا، الصنم لایخلق ذبابا یعنی تمہارے بُت مکھی بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اور ان کے لیے کھانا اور مٹھائیاں پیش کی جاتی تھیں تو اس کھانے وغیرہ پر مکھی بیٹھ جاتی تھی اور اس سے کھاتی تھی تو ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس سے اپنا کھانا اور مٹھائیاں محفوظ کر سکتے اور کھایا ہوا واپس لے سکتے،

یقول یجعل للاصنام طعام فیقع الذباب علیہ

(د) عبدبن حمید اور ابن المنذر نے حضرت عکرمہ سے نقل کیا:

قال الاصنام ذٰلک السیئ من الذباب۔

کہ بُت اس چیز کو مکھی سے واپس نہیں لے سکتے۔

(تفسیر در منثور جلد رابع صـ۳۷)

(ھ) تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

لو اجتمع جميع ما تعبدون من الاصنام والانداد
علیٰ ان یقدروا علیٰ ذباب واحد ۔ (ص۲۴۲ جلد ۳)۔
قال بن عباس الطالب الصنم والمطلوب الذباب واختاره
ابن جریر وھو ظاھر السیاق وقال السدی وغیرہ
الطالب العابد والمطلوب الصنم ۔
یعنی تمہارے اصنام و انداد جمع ہو کر ایک مکھی کی تخلیق پر قادر نہیں ۔
(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یہاں طالب سے مُراد
صنم ہے اور مطلوب سے مُراد مکھی ہے اور ابنِ جریر نے اسی کو اختیار کیا اور
مقصودی معنیٰ کے لحاظ سے بھی ظاہر یہی تفسیر ہے اور سدی وغیرہ نے کہا ہے
کہ طالب سے مُراد عابد ہے اور مطلوب سے مُراد بُت ہے ۔ (ص ۲۴۲/۳)۔
یہی تحقیق اور تدقیق اور تفسیر و تعبیر دیگر کتب تفسیر میں بھی ہے ملاحظہ ہو
معالم التنزیل، تفسیر خازن، رُوح المعانی اور رُوح البیان اور تفسیر مظہری اور
تفسیر صاوی وغیرہ میں مذکور ہے ۔

(و) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں :
سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور اور مکھی سے زیادہ ان کے بُت کمزور اور
بُتوں سے بڑھ کر ان کا پُوجنے والا کمزور جس نے ایسی کمزور اور حقیر مخلوق کو
اپنا معبود بنا لیا ۔ (ص۵۸۷ حاشیہ قرآن)

۲۔ نیز اس آیتِ کریمہ میں انبیاء کرام علیہم السّلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان
کو شامل کرنے کا دار و مدار ان کے اجسام اور قبور سے رُوح کے غیر متعلق ہونے

پر ہے اور اس کا بطلان مُسلّم ہے اور کچھ تصریحات پیش کی جا چکی ہیں اور مکمل بحث ہماری کتاب جلا الصدور میں ملاحظہ کریں۔ اور جب یہ حقیقت مسلّم ہے کہ ارواح کا ابدان سے تعلق موجود و متحقق ہے تو جو امور عظام ان سے حیاتِ ظاہرہ میں سرزد ہو سکتے تھے وُہ اب بھی ان سے سرزد ہو سکتے ہیں بلکہ بقول حضرت شیخ زروق اور حضرت ابُوالعباس حضرمی بلکہ بقول علّامہ بیضاوی امام رازی، علّامہ سیّد محمُود آلوسی، علّامہ اسمٰعیل حقی اور حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اور شاہ ولی اللّٰہ محدّث دہلوی رحمہم اللّٰہ دنیوی زندگی سے بھی اکمل اور اعلیٰ طریق پر صادر ہو سکتے ہیں۔

۳۔ حضرت آصف بن برخیا نے کتنا بڑا تخت کتنی مسافت سے اور کسقدر کثیر التّعداد انسانوں اور جنوں کے پہرہ کے باوجود اُٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السّلام کی خدمت میں رکھ دیا کیا ایسی رُوحانی قوّت والی ہستی سے مکھی بڑھ سکتی ہے؟ ہاں کوئی دیوبند میں ایسی عظیم مکھی ہو تو میں نہیں کہہ سکتا عام علاقوں کی مکھیوں کی ان کے سامنے کیا مجال؟

موسیٰ کلیم علیہ السّلام کی خُداداد قدرت

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے حضرت ملک الموت کو رُوح قبض کرنے سے روک دیا بلکہ تھپڑ لگا کر اس کی آنکھ نکال دی۔ تو جس ہستیِ مقدّس کے سامنے ملک الموت اپنی قدرت و طاقت کا مظاہرہ نہ کر سکے اور رُوح قبض نہ کر سکے جب تک وُہ اجازت نہ دیں تو مکھی بیچاری کی وہاں کیا مجال، علّامہ

سید محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابھی ہلکا سا تھپڑ رسید کیا تھا کیونکہ وُہ موت کا فرشتہ تھا اور اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے اس لیے صرف آنکھ پھوڑنے پر اکتفار کیا ورنہ تو ان کے تھپڑ سے ساتوں آسمان بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

انما فقاء ت عینه فقط لانه کان ملك الموت والا لاندقت السمٰوٰت السبع من لطمة غضبه

(فیض الباری شرح بخاری ص۲۷۴ جلد۲)

ایسی خُداداد عظیم قدرت و قوت کی مالک ہستیوں کے سامنے علامہ صاحب کی عظیم سے عظیم ترکھی کی بھی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

۵۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا ازرُوئے نصِ قرآنی ثابت ہے۔ قال تعالیٰ:

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ج (سُورہ آلِ عمران آیت ۴۹)

اگر ان کا پرندوں کے بننے میں خلق وایجاد اور سببیت وکسب کسی طرح کا بھی دخل نہیں تھا تو پھر اپنے امتیازی کمالات میں اور دلائلِ نبوت میں اس کا ذکر کیوں فرمایا لہٰذا ثابت ہوا کہ ازروئے سببیت اورکسب آپ کا دخل تھا۔

۶۔ نیز آپ فرماتے ہیں:

اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ج (سورہ آلِ عمران آیت ۴۹)

گلی سڑی ہڈیوں کو جمع کرنا اور مکمل کرنا پھر ان پر گوشت وپوست کا

لباس پہنانا پھر کفن کی بکھری بوسیدہ تاروں کو از سرِ نو کامل کفن بنانا اور پھر رُوح کا اس میں لوٹانا بطورِ کسب اور سببیت آپ کا ہی فعل ہے تو مکھی بنانا اس شانِ اعجازی کے مالک سے بعید بھی نہیں ہو سکتا ہے چہ جائیکہ ناممکن ہو جبکہ مشرکینِ مکہ اور دیگر مشرکین کے معبوداتِ باطلہ بطور سببیت اور کسب بھی یہ کارنامے سرانجام نہیں دے سکتے تھے! جب نہیں دے سکتے تھے اور قطعاً نہیں دے سکتے تھے تو پھر ان مقدس ہستیوں کو ان مجبور اور بے بس چیزوں کے ساتھ شامل کرنے کا کیا جواز تھا۔

لہٰذا انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو اس آیت کا مصداق بنا کر انہیں اصنام واوثان کی مانند مجبور و معذور ثابت کر کے علامہ صاحب نے علماءِ اعلام اور اکابرینِ ملت کی مخالفت بھی کی ہے اور آیات و احادیث کی بھی مخالفت کی ہے اور ان مقدس ہستیوں کی شانِ بالا اور مقامِ اعلیٰ میں تفریط و تنقیص بھی کی ہے اور مکمل بے ادبی اور اسارت کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ (سورہ سبا آیت ۲۲)

آپ کہہ دیجیے پکارو تم جن کو تم اللہ تعالیٰ کے نیچے خیال کرتے ہو وہ مالک نہیں ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور زمینوں میں اور نہ ان کی ان دونو میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ تعالیٰ) کا مددگار ہے

۱۔ اقول: اس آیتِ کریمہ میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء درحقیقت داخل

ہی نہیں کیونکہ مشرکین ان کی فرضی مُورتیوں کو پُوجتے تھے تو درحقیقت وہی مُورتیاں ان کی معبود تھیں اور وُہ واقعی ذرّہ بھر کی مالک نہیں تھیں، نہ بطور استقلال اور نہ بطور شراکت، نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر۔

۲۔ اگر علامہ صاحب کے زعم و گمان کے مطابق یہ سبھی حضرات اس قولِ باری تعالیٰ میں داخل ہوں تو لا محالہ ان سے نفی ذاتی طور پر مالکیت کی ہوگی نہ کہ عطائی کی بھی۔ اوثان و اصنام ذاتی اور عطائی ہر طرح کی ملکیّت سے محروم جبکہ ان مقدّس ہستیوں کو بعطائے الٰہی ملکیّت و تصرّف بھی حاصل اور اقتدار و اختیار بھی۔ اور اللّٰہ تعالیٰ کا امتیاز و اختصاص ذاتی مالکیت اور تدبیر و تصرّف کے ساتھ ہے۔ عطائی ملکیت اور تدبیر و تصرّف کا اس میں پایا جانا محال ہے، بلکہ یہ بھی اس کی شانِ الوہیت کا تقاضا ہے کہ دُوسروں کو ملک و سلطنت اور مالکیت و تصرّف اور اقتدار و اختیار عطا کرے۔

ارشادِ خُداوند تعالیٰ ہے:

۱۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز (سُورہ آل عمران آیت ۲۶)

فرما دیجیے اے اللّٰہ ملک کے مالک تو دیتا ہے یہ ملک جس کو چاہے، اور چھین لیتا ہے جس سے چاہے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کو بے مثال سلطنت و حکومت عطا فرمائی اور ان کا یہ مطالبہ اکمل طریقہ پر پُورا فرمایا:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ

(سورہ ص آیت ۳۵)

اے میرے پروردگار مجھے ایسا ملک اور تسلط عطا فرما جو میرے علاوہ کسی کے شایان شان اور لائق نہ ہو۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کے متعلق فرمایا:

اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ○ (سورۃ النساء آیت ۵۴)

ہم نے ان کو عظیم ملک عطا کیا۔

۴۔ نمرود، شداد اور فرعون خدائی دعویدار بھی تھے اور ان کو عظیم ملک اور تسلط اور اقتدار و اختیار عطا کیا گیا تھا۔

۵۔ رسل ملائکہ، جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو مختلف النوع تدبیرات اور تصرفات کی قدرت و طاقت دی گئی ہے۔

۶۔ ارواحِ کاملین بعد از وفات و وصال بھی تدبیر و تصرف کے ماذون ہوتے ہیں جیسے کہ فالمدبرات امرا کی تفسیر میں اکابرینِ ملت نے ذکر فرمایا اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کی صراطِ مستقیم سے چند حوالے درج کیے جا چکے ہیں اور علامہ اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب جمال الاولیاء ایسے سینکڑوں واقعات پر مشتمل ہے۔

۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایں فقیر چوں بعالم ارواح متوجہ شد آنجا چند طبقہ یافت۔ یکے طبقہ ملاء اعلیٰ و در آں جا ملائکہ علویہ مدبرہ را یافت چوں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام

وبعض نفوس بنی آدم را یافت کہ بایشاں لاحق شدہ اند وہمرنگ ایشاں گشتہ۔

(ہمعات صہ)

یعنی یہ فقیر جب عالمِ ارواح کی طرف متوجہ ہُوا تو وہاں چند طبقات موجود پائے ایک طبقہ ملاء اعلیٰ کا ہے اور اس جگہ ملائکہ علویہ کو پایا جو کائنات کی تدبیر پر مامور ہیں مانند جبرئیل اور میکائیل کے اور بعض بنی آدم کو پایا جو ان کے ساتھ لاحق ہو چکے ہیں اور ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

الغرض ذاتی اور عطائی ملک و تسلط اور تدبیر و تصرف کی انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اور اولیاء کرام سے نفی کرنا سراسر باطل اور اصنام و اوثان کے حق میں مشرکین کا ایسے تصرفات اور اختیارات ثابت کرنا بھی باطل اور ہمارے مذہب میں عطائی ملک و تسلط اور تدبیر و تصرف ان کو حاصل ہے اور اس کی اس آیتِ کریمہ میں قطعاً نفی اور انکار نہیں۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنے آلھہ کی امداد و اعانت کی طرف محتاج اور مفتقر مانتے تھے اسی لیے انہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سُن کر انکار کیا اور کہا :

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

اور اسی امداد و اعانت کی اللہ تعالیٰ نے نفی فرمائی اور اپنا استقلال اور تفرد بیان فرمایا۔ جبکہ اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازروئے اعزاز و اکرام اور عنایت و رحمت بعض حضرات کے لیے مُلک و مِلک اور تدبیر و تصرف اور اقتدار و اختیار ثابت کرتے ہیں اور اس کا انکار نصوصِ قطعیہ کا

انکار ہے۔ اور یہودی ذہنیت اور عقیدہ کا مظاہرہ ہے جنہوں نے کہا تھا:

يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ (سورۃ المائدہ آیت ۶۴)

اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو بہت کچھ مگر کنجوسی کرتا ہے اور بخل سے کام لیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ (سورۃ المائدہ آیت ۶۴)

ان کے ہاتھ بند ہوں اور وہ ملعون ہو گئے بسبب اس قول کے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں اور خرچ فرماتا ہے اور عطا کرتا جیسے کہ چاہتا ہے

لہٰذا مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کے لیے عطائی اختیارات کی بھی نفی کرنا نہ صرف خلافِ منصوص اور باطل ہے بلکہ موجبِ لعنتِ پروردگار ہے۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

یہاں سے مشرکینِ مکہ کو خطاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کے لیے تم نے خدائی منصب کا گمان کر رکھا ہے ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں۔

یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان و زمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل اختیار حاصل ہے بلکہ بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں۔ (صہ ۳۹)

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

والامر للتوبیخ والتعجیز ای ادعوھم فیما

یھمکم من دفع ضراوجلب نفع لعلھم یستجیبون لکم ان صح دعوا کم روی ان ذٰلک نزل عند الجوع الذی اصاب قریشا - (ص ۱۲۵ جلد ۲۲)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو اپنے آلہہ کے پکارنے کا حکم انکی سرزنش اور عجز ظاہر کرنے کے لیے ہے یعنی ان کو اپنے اہم امور میں ضرر و نقصان دُور کرنے کے لیے یا نفع و فائدہ حاصل کرنے کے لیے پکارو ہو سکتا ہے وُہ تمہارا مطلوب پُورا کریں اگر تمہارا دعویٰ درست ہے تو مروی ہے کہ اسی قولِ باری تعالےٰ کو اس وقت نازل کیا گیا جب قریش کو شدید بھوک نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اور قریش پر اس شدید قحط اور بھوک کی شدت کا نزول نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے ہُوا تھا اور وُہ بالآخر مجبور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہی دُعا کے لیے حاضر ہُوئے جیسے کہ احادیثِ مُبارکہ اور کتبِ تفسیر اور کتبِ سیر میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ لہٰذا اس صورت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو الذین یدعون من دون اللہ میں داخل کرنا اور دیگر مقبولانِ بارگاہ کو اس میں شامل کرنا سراسر زیادتی ہے۔ کیونکہ رسُولوں کا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ تو ایک ہے یہاں سرزنش ان کے لحاظ سے ہے جن کی امداد و اعانت کے زعم میں وُہ غلامیٔ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتراتے تھے اور اعراض و احتراز کرتے تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاند و مخالف اور جانی دشمن بنے ہوئے تھے۔

۵۔ نیز اسی آیتِ کریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ

(سورہ سبا آیت ۲۳)

تو اس کے تحت علامہ آلوسی فرماتے ہیں :

والمراد نفی شفاعة الهتهم لهم لکن ذکر ذالك علی وجه عام لیکون طریقا برهانیا (الی) الا کائنة لشافع اذن له فیها من النبیین والملٰئکة ونحوهم من المستاهلین لمقام الشفاعة ومن البین انهم لایوذن لهم فی شفاعة الکفار فقد قال الله تبارك وتعالٰی لا یتکلمون الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابا والشفاعة لهم بمعزل عن الصواب وعدم الاذن للاصنام ابین و ابین فتبین حرمان هٰؤلاء الکفرة بالکلیة (الی) یثبت من هٰذا حرمان هٰؤلاء الکفرة من شفاعة الشفعاء المستاهلین للشفاعة بعبارة النص وعن شفاعة الاصنام بدلالته اذ حین حرموها من جهة القادرین علیها فی الجملة فلان یحرموها من جهة العجزة بالکلیة اولٰی ۔ (ص ۱۲۵)

درحقیقت یہاں پر مشرکین کے آلہہ کی شفاعت کی نفی کرنا مراد و مقصود ہے لیکن اس نفی کو عموم کے طریقہ پر ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ برہانی انداز بن جائے یعنی کسی بھی شافع کی شفاعت نفع نہیں دے گی مگر جس شافع کو اللہ تعالٰی

اذن شفاعت دے گا انبیاء اور ملائکہ وغیرہ میں سے جو شفاعت کے مقام و منصب کے لائق ہیں اور یہ امر واضح ہے کہ انہیں کفار کی شفاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے شفیع کلام نہیں کریں گے مگر جس کو رحمٰن اذن دے گا اور وہ درست قول کرے گا اور کفار کے لیے شفاعت صواب سے بعید ہے اور بتوں کے لیے اذن کا نہ پایا جانا بالکل واضح تر ہے لہٰذا ان کفار کا کلیۃً شفاعت سے محروم ہونا واضح ہو گیا (نہ بذاتِ خود اور نہ بالاذن) اور یا آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جس مشفوع اور مجرم کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا اس کو نافع ہو گی اور جس کے حق میں انبیاء و رسل اور ملائکہ وغیرہ کو جو شفاعت کے اہل ہیں اجازت نہیں دے گا تو اس کے حق میں نافع نہیں ہو گی اگرچہ بالفرض پائی بھی جائے اور اس صورت میں ان کفار کا شفاعت کے اہل اور مستحقین حضرات کی شفاعت سے محروم ہونا عبارت النص سے ثابت ہو جائے گا اور اصنام کی شفاعت سے محروم ہونا دلالۃ النص کے طور پر ثابت ہو جائے گا کیونکہ جب ان کی شفاعت سے محروم رہے جو فی الجملہ شفاعت پر قادر ہیں تو جو اصنام و اوثان شفاعت سے عاجز و قاصر ہیں ان کی شفاعت سے کلیۃً محروم ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔

اقول اس تفسیر و تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ (سورہ سبا آیت ۲۲)

کا حقیقی مصداق اصنام و اوثان ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اصنام و اوثان سے ملکیت اور شفاعت وغیرہ کی [redacted] نفی کر دی گئی ہے لیکن انبیاء و رسل اور ملائکہ وغیرہ سے استقلالی اور ذاتی

ملکیت اور شفاعت کی نفی ہے عطائی اور موہوبہ ملکیت اور شفاعت کی ہرگز ہرگز نفی نہیں ہے تو اس آیتِ کریمہ کو ہمارے خلاف پیش کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے

۶ - اگر علامہ سرفراز صاحب ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں تو انہیں روزِ قیامت درِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ حاضر ہونا ہی پڑے گا اور یارسول اللہ اشفع لنا الیٰ ربک کہنا ہی پڑے گا اور وہ زمین میں شریک نہ ہونے کے باوجود اور اللہ تعالیٰ کے معاون و مددگار نہ ہونے کے باوجود بفضلہ تعالیٰ ہمارے شافع و شفیع اور معاون و مددگار ضرور بنیں گے اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچائیں گے جس طرح دُنیا میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دُعاؤں اور رُوحانی و قلبی توجہات سے قحط سالیوں اور دیگر شدائد اور مشکلات میں مدد بہم پہنچاتے رہے۔

لہٰذا کم از کم اپنے لیے استحقاقِ شفاعت باقی رکھنے کے لیے ہی شرم و حیا سے کام لیتے ہوئے ان مقبولانِ بارگاہِ قدس کو اصنام و اوثان پر قیاس نہ کریں اہل السنّت غریبوں کو مشرک بنانے کے شوق میں اپنے لیے شفاعت کے دروازے بند کرا لینا بہت ہی خسارے کا سودا ہے۔ ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

۳ - قولہ تعالیٰ :

قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ

يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (سورہ زمر آیت ۳۸)

آپ کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے نیچے اگر چاہے اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی ہوئی؟ یا اگر وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اس کی مہربانی کو، تو کہہ مجھ کو تو اللہ تعالیٰ ہی بس ہے۔ اس پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے۔

ا۔ اس آیتِ کریمہ سے علامہ سرفراز صاحب نے انبیاء و رسل اور اولیاء کرام اور مقبولانِ بارگاہ کی امداد و اعانت، نفع رسانی اور ضرر و نقصان سے بچانے کی خداداد صلاحیت و استطاعت کی نفی کرنا چاہی ہے جو سراسر دھاندلی اور تحکم و سینہ زوری ہے کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کی اور اس کے ارادہ کے برعکس کام کرنے کی بات کی گئی ہے اور اہلِ اسلام میں سے کون اس کا قائل ہے اور کون اس امر کا معتقد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء اور ارادہ و مشیت کے برعکس کوئی نبی و رسول اور ولی و مقرب امداد و اعانت کر سکتا ہے؟

ہمارا صرف اور صرف یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیابت و خلافت اور قربت و ولایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی دعاء و التجا کو ضرور شرفِ قبولیت بخشتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ہی منافع اور مصالح دلواتے ہیں اور نقصان اور مضار سے نجات دلاتے ہیں لہٰذا تقابل پر مشتمل آیتِ کریمہ کا ہمارے مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ سے کیا تعلق؟ اس میں تو جبری اور قہری شفاعت و نصرت کے قائلین کا رد ہے نہ کہ دعا و التجا والی شفاعت کا۔

علامہ سرفراز کی سطحیت

۲- نیز علامہ صاحب کو آیتِ کریمہ میں غور و خوض کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا، اور نہ اچھی طرح نظر سے ہی دیکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے ورنہ ان کو ما تدعون من دون اللہ کے ساتھ ساتھ ھُنَّ کی ضمیر جمع مؤنث غائب بھی نظر آجاتی اور کاشفات اور ممسکات کے جمع مؤنث کے صیغے بھی نظر آجاتے اور وُہ ہمارے شفعاء اور معاونین انبیاء و رسل اور اولیاء و اصفیاء اور ملائکہ معصومین کی بجائے مؤنثات کو ہی اس آیتِ کریمہ کا مصداق بناتے نہ کہ ان حقیقی اور حکمی مذکروں کو اس کا مصداق بناتے۔ چلو اپنے محبوب مشرکینِ مکہ کی طرح ملائکہ کو بنات اللہ سمجھ کر مؤنث قرار دے بھی لیں تو کم از کم انبیاء و رسل اور اولیاء کرام کے متعلق تو اس جہالت اور حماقت کا کوئی جواز نہیں ہے جبکہ کسی عام مومن کے لیے ملائکہ کو بھی مؤنث قرار دینے کا کوئی جواز نہیں چہ جائیکہ کسی عالم کو اور وُہ بھی جو بلند بانگ دعوا ہائے علم و فضل رکھنے والا ہو مگر حیرت ہے کہ علامہ سرفراز صاحب نے عملی طور پر اس جرأت و جسارت کا مظاہرہ کر دیا ہے۔

۳- دراصل بات یہ تھی کہ مشرکینِ مکہ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دھمکی دی تھی کہ ہمارے آلہہ کے سب و شتم سے باز آجاؤ ورنہ ہم ان سے کہیں گے کہ وُہ تمہیں مخبوط الحواس اور مجنون بنا دیں جیسے کہ امام عبد الرزاق اور ابن المنذر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لتکفن عن شتم
الھتنا اولنا مرنھا فلنخبلنک ۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ط (سورۃ الزمر آیت ۳۶)

کہ وہ آپ کو ان معبوداتِ باطلہ سے خوفزدہ کرتے ہیں ۔ تم انہیں چیلنج کر دو جو کرنا ہے اپنے خداؤں سے کہہ دو میرے ساتھ کرلیں نہ وہ میرے رب کی رحمت کو روک سکتے ہیں جو اس نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اور فرمائیگا اور بالفرض کوئی مجھے ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے تو اس کو دور نہیں کرسکتے۔

۴۔ فریابی اور عبد بن حمید نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے یخوفونک بالذین من دونہ کے تحت نقل کیا ، قال الاوثان ۔

قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو عزّیٰ بُت کے تباہ کرنے کے لیے بھیجا تو اس کا مجاور اور خادم کہنے لگا ، یاخالد انی احذر کھا لا یقوم لھا شیٔ ۔ اے خالد میں تجھے اس سے دُور رہنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ اس کے سامنے کوئی شے ٹھہر نہیں سکتی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو توڑ پھوڑ دیا۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے قولِ باری تعالیٰ :

قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (سورہ الزمر آیت ۳۸)

کی تفسیر میں نقل کیا یعنی الاصنام کہ یہاں سے بُت مُراد ہیں ۔

(تفسیر در منثور للامام السیوطی ص ۳۲۸ جلد ۵)

۵۔ حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں :

یخوفونك بالذین من دونه یعنی المشرکین یخوفون الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویتوعدونه باصنامھم والھتھم التی یدعونھا من دون اللّٰہ جھلا منھم و ضلا لا (الیٰ) کماقال ھود علیه السّلام لقومه حین قال قومه وان نقول الا اعتراك بعض الھتنا بسوء۔

یعنی مشرکین رسُولِ مکرّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خوفزدہ کرتے تھے، اور ڈراتے تھے اَپنے اصنام و آلہہ سے جن کو وُہ از روئے جہالت اور ضلالت پُوجتے تھے تو نبیِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا تمہارے اصنام اور آلہہ میرے نفع اور نقصان کے قطعاً مالک نہیں ہیں مجھے اللّٰہ تعالیٰ کافی ہے، اور اہلِ توکّل اسی پر توکّل اور بھروسہ رکھتے ہیں جیسے کہ حضرت ہود علیہ السّلام نے فرمایا جب کہ ان کی قوم نے کہا تھا ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تمہیں آسیب میں مبتلا کر دیا ہے اور مجنون بنا دیا ہے۔ تو حضرت ہود علیہ السّلام نے فرمایا :

اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝

(سُورہ ہود آیت ۵۴ - ۵۵)

میں اللّٰہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری ہوں

ان سے جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو پس تم سبھی میرے ساتھ کید و مکر کر لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔

انی توکلت علی اللہ ربی وربکم -

میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ (ص۲۴ جلد ۴)

اور ایسے ہی دیگر تفاسیر میں مذکور ہے۔

اصنام کی وجہِ تانیث

الغرض یہاں پر ماتدعون من اللہ سے مراد اصنام و اوثان ہیں اور قرآنِ مجید نے انہیں ہی مونثات قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ (سورۃ النساء آیت ۱۱۷)

امام راغب فرماتے ہیں بعض مفسرین نے لفظی احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا کہ چونکہ مشرکین کے معبودات کے اسماء مونث تھے (اللات والعزّٰی ومناۃ الثالثہ) تو اس لیے ان کو اناث (مونثات) فرما دیا لیکن اصح یہ ہے کہ یہاں معنوی احکام کے تحت ان کو مونثات قرار دیا گیا ہے کیونکہ اثر پذیر چیز کو انیث کہا جاتا ہے اور چونکہ موجودات تین قسم پر ہیں۔ موثر و فاعل غیر متاثر و غیر منفعل، وذلک ھو الباری عزاسمہ فقط یعنی موثر و فاعل ہو، اور متاثر و منفعل نہ ہو یہ صرف باری تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ ومنفعلا غیر فاعل وذلک ھو الجمادات۔ دوسرا قسم یہ ہے کہ صرف اثر پذیر ہوں موثر نہ ہوں،

اور یہ صرف جمادات ہیں۔

ومنفعلا من وجه کالملٰئکه والجن والانس وھم بالاضافة الی اللہ تعالیٰ منفعلة وبالاضافة الی مصنوعاتھم فاعلة ۔

اور تیسرا قسم یہ ہے کہ ایک پہلو سے اثر پذیر اور متاثر ہوں جیسے ملائکہ اور جن وانسان کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کے لحاظ سے منفعل و متاثر ہیں اور اپنے مصنوعات کے لحاظ سے فاعل اور موثر ہیں۔

ولما کانت معبوداتھم من جملة الجمادات التی ھی منفعلة غیر فاعلة سماھا اللہ تعالیٰ انثی وبکتھم بھا ونبھھم علیٰ جھلھم فی اعتقاداتھا انھا اٰلھة مع انھا لا تعقل ولا تسمع ولا تبصر بل لا تفعل فعلا بوجه وعلیٰ ھٰذا قول ابراھیم علیه السّلام یا ابت لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَلَا یُبۡصِرُ وَلَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡئًا

(سورہ مریم آیت ۴۲)

(مفردات فی غریب القرآن ص۲۸)

اور جبکہ ان کے معبودات جمادات میں سے تھے جو فقط اثر پذیر تھے موثر نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤنث کہا اور ان کی اس طرح سرزنش فرمائی اور انہیں ان کے جہل ونادانی پر متنبہ کیا ایسی چیزوں کو آلہہ اعتقاد کرنے میں حالانکہ وہ نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ سن اور دیکھ سکتے ہیں اور اسی

معنیٰ پر محمول ہے قول حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا :

اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس شے کی جو نہ سُنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ کسی طرح کا نفع تجھے دے سکتی ہے۔

لہٰذا اس آیت کریمہ کا بھی محل نزاع استعانت واستمداد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انبیاء ورسل اور محبوبانِ بارگاہِ قدس کے خُدا داد مراتب ومناصب اور افادہ وافاضہ کی استعداد واستطاعت کی نفی وانکار پر اس میں قطعاً دلالت نہیں ہے۔

امام ابنِ جریر اپنی تفسیر جامع البیان میں ارشاد فرماتے ہیں :

قولہ تعالیٰ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

(سُورۃ الزمر آیت ۳۸)

يقول تعالىٰ ذكره لنبيّه صلّى الله عليه وسلّم ولئن سالت يا محمّد هؤلاء المشركين العادلين بالله الاوثان والاصنام من خلق السمٰوٰت والارض ليقولن الذى خلقهن الله فاذا قالوا ذلك فقل افرئيتم ايها القوم هٰذا الذى تعبدون من دون الله من الاصنام والالهة ان ارادنى الله بضر يقول بشدة فى معيشتى هل هن كاشفت عنى ما يصيبنى به ربي من الضر اوارادنى برحمة يقول ان

ارادنی ربّی ان یصیبنی سعة فی معیشتی وکثرة مالی ورخاء وعافیة فی بدنی هل هن ممسکٰت عنی ما ارادنی ان یصیبنی بد من تلک الرحمة و ترک الجواب لاستغناء السامع بمعرفة ذٰلک و دلالة ماظهر من الکلام علیه والمعنی انهم سیقولون لا فقل حسبی اللّٰه مما سواه من الاشیاء کلها ایاه اعبدو الیه افزع فی اموری دون کل شیٔ سواه فانه الکافی وبیده الضر والنفع لا الیٰ الاصنام والاوثان التی لا تضر ولا تنفع علیه یتوکل المتوکلون (الیٰ) وبنحو ما قلنا فی ذٰلک قال اهل التاویل (الیٰ) عن قتادة قوله هل هن کاشفات ضره یعنی الاصنام

(صفحہ نمبر ۹ جلد نمبر ۲۴)

اور اگر آپ سوال کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو وُہ کہیں گے اللّٰہ نے ۔ اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سے کہ اسے محمّد اگر آپ سوال کریں ان مشرکین سے جو اللّٰہ تعالیٰ کیساتھ اصنام واوثان کو مساوات اور برابری کا درجہ دینے والے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وُہ کہیں گے جس نے ان کو پیدا کیا ہے وُہ اللّٰہ ہے ۔ جب وُہ یہ اقرار کریں تو ان سے کہو مجھے بتلاؤ تو سہی اسے قوم یہ اصنام اور اوثان اور آلہہ جن کو تم اللّٰہ تعالیٰ کے علاوہ پُوجتے ہو اگر اللّٰہ تعالیٰ

میرے ساتھ ضرر کا ارادہ کرے یعنی میری معیشت میں تنگی پیدا کرنے کا تو یہ مجھ سے دُور کر دیں گے وہ جو مجھے میرا رب ضرر اور نقصان پہنچائے ، اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَۃٍ یعنی اگر میرا رَب مجھے وسعت دینے کا ارادہ فرمائے میری معیشت میں اور مال کی فراوانی اور افزونی کا اور بدنی عافیت کا تو کیا یہ روک لیں گے مجھ سے جو اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے دینا چاہے۔ اور اس سوال کا جواب ترک فرما دیا کیونکہ سُننے والے اسکا جواب جاننے کی وجہ سے جواب کی تصریح سے مستغنی تھے اور کلام اپنے ظاہر کے لحاظ سے اس جواب پر دلالت کر رہا تھا اور مقصد یہ ہے کہ وُہ کہیں گے نہیں تو آپ کہہ دیجیے مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اپنے ماسوا تمام اشیاء سے۔ میں اسی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کی طرف پناہ پکڑتا ہوں اپنے تمام امور میں نہ دوسری اشیاء کی طرف کیونکہ وہی کافی ہے اور اس کے ہاتھ میں میرا نقصان اور نفع ہے نہ طرف اصنام و اوثان کے جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ منفعت اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔ اور جو معنی اس آیتِ کریمہ کا ہم نے کیا ہے اہلِ تاویل و تفسیر نے یہی معنیٰ کیا ہے چنانچہ قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کاشفات الضر اور ممسکاتِ رحمت سے اصنام مُراد ہیں۔

نبی علیہ السّلام سے شفاعت اور دُعا کرانے کا حکم

نیز اگر نبی الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور دیگر انبیاء و رسل علیہم السّلام اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندِ تعالیٰ کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصُول اور

اس کے ضرر و نقصان سے تحفظ کے لیے بطور شفاعت اور توسل و استغاثہ بھی رجوع جائز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ قطعاً رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف رجوع کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دعا کرانے اور شفاعت کی اپیل کا حکم ہمیں نہ دیتا۔ قولہ تعالیٰ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

(سورۃ النساء آیت ۶۴)

اور نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مومنین کے لیے دعا فرمانے اور انہیں مطمئن کرنے اور راحت پہنچانے کا پابند نہ فرماتا۔ قال تعالیٰ:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

(سورہ محمد آیت ۱۹)

وقال تعالیٰ:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ

(سورۃ التوبہ آیت ۱۰۳)

نیز وہ اعراب جو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں ہدیے اور تحفے پیش کرتے اور صدقات و خیرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اللہ تعالیٰ کی مال عبادت کے طور پر اور نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے مشرف ہونے کے لیے تو ان کی داد و تحسین نہ فرماتا بلکہ ان کی

مالی عبادت میں دعاؤں کی خواہش و آرزو کی ملاوٹ پر اس عبادت کو رد فرما دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی تحسین بھی فرمائی اور ان صدقات و خیرات اور ہدایا و تحائف کو عظیم قربت اور عبادت بھی قرار دیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ (سورۃ التوبہ آیت ۹۹)

اور اعراب میں سے بعض وہ ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسکو اللہ تعالیٰ کے ہاں قربت اور نزدیکی کے لیے اور رسولِ معظّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دُعائیں حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ آگاہ رہو وہ خرچ کیا ہوا مال ان کے لیے بہت بڑی قربت اور عبادت ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر کسی سے اس کی مُراد اور مشیّت کے خلاف نفع کے حصول اور ضرر کے دُور کرنے کی اُمید رکھنا علیحدہ امر ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوبوں اور مقبولوں کی دُعاؤں کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ سے نفع رسانی اور ضرر سے بچانے کی اُمید رکھنا علیحدہ امر ہے پہلی صورت اسلام و ایمان کے سراسر خلاف ہے اور کفر و شرک اور دُوسری صُورت عینِ اسلام اور روحِ ایمان ہے لہٰذا اس آیتِ کریمہ کا بھی متنازعہ فیہ استعانت و استمداد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انبیاء و رسل اور محبُوبانِ بارگاہِ قدس کے خُداداد مراتب و مناصب اور افادہ و افاضہ کی استعداد و استطاعت کی نفی اور انکار پر اس میں قطعاً

دلالت نہیں ہے۔

منشاءِ غلطی

یہاں پر بنیادی غلطی علمائے دیوبند کی یہ ہے کہ وُہ ہمارا عقیدہ یوں فرض کر لیتے ہیں کہ ہم انبیاء و اولیاء کو بذاتِ خود حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں اور پھر فتوے لگانے شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ہم اہل السنّت ان کو حاجت روائی اور مشکل کشائی میں واسطہ و وسیلہ اور سبب و ذریعہ سمجھتے ہیں، اسی لیے ان سے دُعائیں کراتے ہیں۔ یہ نہیں عرض کرتے کہ تم بذاتِ خود ہماری مشکل حل کرو اور حاجت پُوری کرو۔ اور اللہ حقیقی حاجت روا اور مشکل کشا ہے اس لیے اس سے یہ نہیں عرض کرتے کہ دُعا فرما دیجیے بلکہ عرض کرتے ہیں ہماری یہ مشکل آسان کیجیے اور یہ حاجت روا کیجیے بلکہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے دُعا کے لیے عرض کرے تو وُہ کفر و شرک کا مرتکب ہوگا کیونکہ دعا کرنے والا دُوسرے سے حلِ مشکل اور قضا حاجات کے لیے عرض کرے گا تو اس طرح اللہ تعالیٰ کا غیر کی طرف محتاج ہونا اور سائل ہونا لازم آگیا اور یہ سراسر کفر ہے۔

ذرا اپنی بھی خبر لیجے

ہم تو اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے مقبولانِ بارگاہ سے دُعا کرانے پر بھی مشرک ٹھہرتے ہیں مگر علمائے دیوبند اللہ تعالیٰ سے اس غیر اللہ کی راہ پُوچھیں اور اس کے در پر قضا حاجات کے لیے جانے کا عزم

ظاہر کریں تو بھی مومن ہی مومن اور سکّہ بند موحد ہی موحد۔ علّامہ محمود الحسن شیخ الہند صاحب، علّامہ رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

حوائج دین و دُنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وُہ قبلۂ حاجات رُوحانی و جسمانی

اللّٰہ تعالیٰ حیّ و قیّوم کے ہوتے ہوئے رُوحانی و جسمانی حاجات کیلئے علّامہ رشید احمد صاحب کی موت کے بعد کیوں کوئی قبلۂ حاجات نظر نہیں آرہا اور علّامہ صاحب کی زندگی میں اگر حاجت روا اللّٰہ تعالیٰ ہوتا تو علّامہ صاحب کی موت سے یہ خلا کیوں محسوس ہوتا مگر مجال ہے کہ یہاں شرک و کفر کا شائبہ بھی لازم آئے۔ ع

جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

۴ قولہ تعالیٰ:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ط اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (سورہ احقاف آیت ۴ - ۵)

تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللّٰہ تعالیٰ کے نیچے دکھاؤ۔ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کی شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ

میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی اور کوئی عقلی دلیل اور علم جو پہلے چلا آتا ہو اگر ہو تم سچے۔

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ تعالیٰ کے نیچے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

۱۔ **اقول :** اس آیت کریمہ میں **اللہ** تعالیٰ نے من دون اللہ کے بارے میں فرمایا کہ مجھے دکھلاؤ انہوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا یا آسمان میں ان کی کوئی شراکت ہے تو اس پر نقلی یا عقلی دلیل پیش کرو تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ ان کو الٰہ سمجھتے تھے ان کے متعلق تو یہ مطالبہ ہو سکتا ہے اسی لیے فرمایا :

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ (سورۃ المؤمنون آیت ۹۱) اور :

لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج (سورۃ الانبیاء آیت ۲۲)

وغیر ذٰلک لیکن رسل کرام یا اولیاء کرام سے ان کے منصبِ رسالت یا ولایت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ سے دعاء و التجا کے ذریعے کوئی چیز دلا دینے یا اس کے عطا کردہ خزائن میں سے کوئی چیز عطا کر دینے کا عقیدہ رکھنے پر ایسا مطالبہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام علیہم الرضوان قحط سالی سے پریشان حالی کا ذکر کرتے یا پیاس سے جان بلب ہونے کی شکایت کرتے یا آنکھوں کی بینائی سے محرومی پر نگاہِ کرم کے ملتجی ہوتے تو ان کو کیسے کہا جا سکتا تھا بتلاؤ مجھے جس رسول کو پکار رہے ہو اس نے زمین کی کونسی شے پیدا

کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد روضہ اقدس پر حاضر ہو کر ایسی عرض پیش کرنے سے اس طرح کا رَدّ و انکار کیونکر متصوّر ہو سکتا ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں رسل کرام علیہم السّلام کے سماع میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں اور توسل میں بھی اگر اختلاف ہے تو بعد از وصال غیر نبی میں ہے۔ لہٰذا قیامت تک نہ سُن سکنے اور غافل و بیخبر ہونے کا مصداق ان کو کیونکر بنایا جا سکتا ہے جبکہ جمہور اہلِ اسلام علماء و ائمہ اور اکابرین تمام اہلِ قبور کے سماع کے قائل ہیں صرف بعض معتزلہ خوارج وغیرہ منکر ہیں تو عام اہلِ قبور پر بھی اس کو منطبق نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ اولیاء کرام شہداء اور صدیقین پر لہٰذا اس آیتِ کریمہ کو ہمارے مذہب و مسلک کے رَدّ و قدح میں بطورِ استدلال پیش کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔

۳۔ اب مفسّرینِ کرام کے بیان کردہ معانی اور تفاسیر ملاحظہ فرماویں اور علامہ صاحب کی دھاندلی اور عدوان وطغیان کی داد دیں۔

۱۔ ای لا اضل ممن یدعو من دون اللّٰہ اصناما ویطلب منہا ما لا تستطیعہ الٰی یوم القیٰمۃ و ھی غافلۃ عما یقولون لا تسمع ولا تبصر ولا تبطش وانہا جماد حجارۃ صم۔ (تفسیر کبیر ص۱۵۴ جلد۴)

یعنی کوئی شخص اس سے زیادہ گمراہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ بُتوں کی عبادت کرتا ہے اور ان سے ایسے امور کی استدعا کرتا ہے جن کی قیامت

تک ان میں استطاعت اور قدرت نہیں اور ان کے اقوال سے غافل ہیں۔ نہ سُنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی پکڑ سکتے ہیں کیونکہ وُہ بے جان پتھر ہیں اور قوّتِ سماعت سے عاری ہیں۔

۲۔ من لا یستجیب یعنی الاصنام لا تجیب عابدیھا الیٰ شیئٍ یسئلونھا ۔ (خازن و معالم التنزیل ص۱۳۱ ج ۲)

من لا یستجیب سے مُراد بُت ہیں جو کہ اپنے عبادت گزاروں کو وُہ اشیاء مہیّا نہیں کر دیتے جن کا وُہ مطالبہ کرتے ہیں۔

۳۔ وھم الاصنام لا تجیب عابدیھم الی الشیٔ یسئلونہم ابداً ـــــــــــ وھم عن دُعائھم غفلون لانھم جماد لا یعقلون (تفسیر جلالین)

من لا یستجیب سے مُراد بُت ہیں جو اپنے عابدین کو مطلوبہ چیزیں کبھی بھی مہیّا نہیں کریں گے اور وُہ ان کی پکار سے غافل ہیں کیونکہ وُہ جمادات ہیں اور عقل و فہم سے دُور ہیں۔

۴۔ای ھم اضل من کل ضال حیث ترکوا عبادۃ خالقھم السمیع القادر المجیب الخبیر الیٰ عبادۃ مصنوعھم العاری عن السمع والبصر والقدرۃ والاستجابۃ غفلون لکونھم جمادات ۔

(ص۱۰ ج ۷ تفسیر ابو السعود حنفی)

یعنی مشرک وکافر سب گمراہوں سے زیادہ گمراہ ہیں جبکہ انہوں نے اپنے

خالق سمیع و بصیر اور کامل قدرت والے حاجات کو پُورا کرنے والے کی عبادت چھوڑ کر ایسے بُتوں کی عبادت شروع کر لی جو ان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، اور سُننے دیکھنے سے محروم، قدرت و طاقت اور حاجت روائی اور مشکل کشائی سے عاجز اور غافل ہیں کیونکہ وُہ جمادات اور پتھر ہیں۔

۵۔ والمعنی لا امرا بعد عن الحق اقرب الی الجھل ممن یدعو من دون اللہ اصناما ویتخذھا الٰھۃ ویعبدھا وھی اذا دعیت لا تسمع ولا تصح منھا الاجابۃ لا فی الحال ولا بعد ذٰلک الٰی یوم القیٰمہ

(تفسیر کبیر ص۴۷۷ جلد ۷)

اور معنیٰ یہ ہے کہ کوئی امر حق سے اتنا بعید اور جہالت کے اتنا قریب نہیں جتنا کہ اصنام کی عبادت کہ مشرک انہیں خُدا سمجھتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ جب ان کو پکارا جاتا ہے تو سُنتے ہی نہیں اور جب کچھ ان سے مانگا جاتا ہے تو دے نہیں سکتے نہ اب اور نہ اس کے بعد قیامت تک۔

۶۔ یقول تعالیٰ:

قل یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لھٰؤلاء المشرکین باللہ من قومک ارئیتم ایھا القوم الآلھۃ والاوثان التی تعبدون من دون اللہ ارونی ای شی خلقوا من الارض (الی) یقول تعالیٰ وای عبد اضل من عبد یدعو من دون اللہ

الٰهة لا یستجیب له الیٰ یوم القیٰمة یقول
لَا یُجِیْبُ دُعَاءَہٗ ابداً لانها حجر اوخشب ونحو
ذٰلك وقوله وهم عن دعاء هم غفلون
فیقول تعالیٰ ذکره وٰالهتهم التی یدعونهم
عن دعاء هم ایاهم فی غفلة لانها لا تسمع
ولا تنطق ولا تعقل وانما عنیٰ بوصفها بالغفلة
تمثیلها بالانسان الساهی عما یقال له اذ كانت
لا تفهم مما یقال لها شیئاً کما لا یفهم الغافل
عن الشی ما غفل عنه وانما هٰذا توبیخ من الله
لهٰٓؤُلاء المشرکین لسوء رائهم وقبح اختیارهم
فی عبادة من لا یعقل شیئا ولا یفهم وترکهم فی
عبادة من جمیع ما بهم نعمته ومن به استغاثهم
عند ما ینزل بهم من الحوائج والمصائب وقیل
من لا یستجیب له فاخرج ذکره الالهة وهی جماد
مخرج ذکره بنی اٰدم ومن له الاختیار والتمیز
اذکانت قد مثلت عبدتها بالملوك والامراء
التی تخدم فی خدمتهم ایاها فاجری الکلام
فی ذٰلك علیٰ نحو ما كان جاریا فیه عندهم ۔

(ص ۲ ج ۲۶ تفسیر ابن جریر)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے

مشرکین سے کہیے مجھے بتلاؤ کہ یہ آلہہ اور اوثان جنکی تم اللہ تعالٰی کے علاوہ پُوجا کرتے ہو انہوں نے کونسی شئ زمین میں سے پیدا کی ہے (تا) اور کون آدمی زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے جو اللہ تعالٰی کے علاوہ پکارتا ہے ایسے آلہہ کو کہ وُہ قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچیں یعنی اس کی دُعا کو ہرگز قبول نہ کریں کیونکہ وُہ پتھر یا لکڑی وغیرہ ہیں قولہ وھم عن دُعاءھم غٰفلون یعنی ان کے آلہہ جنہیں پکارتے ہیں وُہ ان کی پکار سے غفلت میں ہیں کیونکہ وُہ نہ سُنتے ہیں اور نہ بولتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کو غافل سے تعبیر کرنے سے مقصُود ان کو ایسے انسان کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جس کو جو کہا جائے وُہ اسے بھُول جائے۔ کیونکہ وُہ آلہہ بھی اس کو نہیں سمجھتے تھے جو انہیں کہا جاتا تھا جیسے کسی شے سے غافل انسان اس کو نہیں سمجھ سکتا اور یہ اللہ کی طرف سے ان مشرکین کے لیے سرزنش ہے ان کی نری رائے اور قبیح پسند کی وجہ سے کہ ایسی چیز کی عبادت کرنے لگے جو نہ کسی چیز کو جانیں اور نہ ہی سمجھ سکیں اور اس ذات کی عبادت ترک کی کہ جو کچھ ان کے پاس ہے سبھی اس کا انعام ہے اور جس کے ساتھ ان کا استغاثہ ہے تمام حاجات اور مصائب میں۔

اور کہا گیا ہے کہ من لا یستجیب لہ (میں ذوی العقول والی تعبیر اختیار کرتے ہوئے) ان کے آلہہ کا ذکر کیا جیسے کہ وُہ با اختیار اور صاحب تمیز ہوں حالانکہ وُہ جمادات ہیں کیونکہ ان کے عبادت گزاروں نے انہیں ملوک اور امراء کی مانند مخدوم بنا رکھا تھا تو اس لیے یہاں کلام ان کے ساتھ اسی انداز اور طریقہ کے مطابق کر دی گئی۔

الغرض ان اکابرین کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ اس آیتِ کریمہ کا مصداق بھی اصنام و اوثان اور جمادی معبودات ہیں اور اس کو انبیاء و رسل اور اولیاء و اصفیا پر منطبق کرنا جو سراسر رُوحانی اور نُورانی حواس و مشاعر اور قوی اور مدارک کے مالک ہیں سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور مشرکین کی بُتوں سے استعانت کو اہلِ اسلام کے مقبولانِ بارگاہ سے توسّل و شفاعت پر منطبق کرنا حد سے تجاوز اور سراسر عدوان و طغیان ہے اور دین میں کُھلی تحریف کے مترادف ہے اور بلا وجہ اہلِ اسلام کو مشرک بنانے کا فضول شوق ہے

۵۔ قولہ تعالیٰ :

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ (سُورہ فاطر آیت ۱۳ - ۱۴)

اور وُہ لوگ جن کو تم پُکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے ورے وُہ مالک نہیں کھجور کی گُٹھلی کے ایک چھلکے کے۔ اگر تم ان کو پُکارو تو سُنیں نہیں تمہاری پُکار اور اگر سُنیں بھی تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہونگے تمہارے شرک سے اور کوئی نہ بتلائے گا تجھے جیسا بتلائے خبر رکھنے والا خُداوند تعالیٰ۔

اقول اس آیتِ کریمہ سے بھی ہمارے مذہب و مسلک کیخلاف استدلال لغو اور باطل ہے کیونکہ بذاتِ خود ان کے مالک ہونے کا ہمارا عقیدہ نہیں بلکہ بعطائے الٰہی مالک ہونے کے قائل ہیں اور اس کا انکار کتاب و سُنّت کا

انکار ہے نیز اللہ تعالیٰ حقیقی معین و مستعان ہے اور ان مقبولانِ بارگاہ سے امداد و اعانت بطور دُعا و شفاعت طلب کی جاتی ہے جس کو کفر و شرک قرار دینا کسی ہوشمند انسان کے لیے بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ مومن اور عالم کے لیے آیئے اب اکابر مفسّرینِ کرام کی زبانی اس آیتِ کریمہ کا حقیقی مصداق معلوم کریں۔

۱۔ امام نسفی حنفی تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں:

یعنی الاصنام التی تعبدونها لا یسمعوا دعاءکم لانهم جماد۔ (ص۳۳۷ ج ۳)

۲۔ تفسیر خازن میں فرمایا:

والذین تدعون من دونه یعنی الاصنام لا یسمعوا دعاءکم لانهم جماد۔ (ص۳۰۰ ج ۵)

دونوں کی تفسیر کا مفہوم یہ ہے کہ الذین تدعون من دونه سے مُراد بُت ہیں اور وُہ ان کی پکار اس لیے نہیں سُنتے کہ جمادات ہیں۔

۳۔ امام فخر الدّین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ابطال لما کانوا یقولون ان فی عبادة الاصنام عزّة من حیث القرب والنظر الیها وعرض الحوائج علیها واللہ تعالیٰ لا یریٰ ولا یصل الیه احد فقال هٰؤلاء لا یسمعوا دعاءکم واللہ یصعد الیه الکلم الطیّب فیسمع ویقبل۔ (تفسیر کبیر ص۳۲ ج ۷)

اس آیتِ کریمہ میں مشرکین کے اس قول کا ابطال ہے کہ اصنام کی عبادت میں عزّت و وقار ہے ان سے قرب اور ان کے دیدار کے لحاظ سے اور (روبرو ہوکر) حاجات پیش کرنے کے لحاظ سے جبکہ اللہ تعالیٰ نہ تو دیکھا جاسکتا ہے اور نہ اس تک کسی کی رسائی ہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ردّ و ابطال میں فرمایا کہ یہ تمہارے اصنام تمہاری ندا۔ دُپکار نہیں سُنتے جبکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ کلمات رسائی پاتے ہیں پس وُہ سُنتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔

۴۔ حافظ عماد الدّین ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والذین تدعون من دونہ ای من الاصنام والانداد التی ھی علٰی صور من تزعمون من الملٰٓئکۃ المقربین ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم یعنی الاٰلھۃ التی تدعونھا من دون اللہ لا تسمع دعاءکم لانھا جماد لا ارواح فیھا ولو سمعوا ما استجابوا لکم ای لا یقدرون علٰی شیئ مما تطلبون منھا ویوم القیٰمۃ یکفرون بشرککم ای یبترون منکم کما قال تعالٰی:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ ○ (سُورۃ الاحقاف آیت ۵)

اَلَّذِیْنَ تدعون من دونہ یعنی اصنام اور انداد جن کو انہوں نے

بزعمِ خویش ملائکہ مقربین کی صورتوں پر بنا رکھا تھا۔ ان تدعوھم لایسمعوا دعاءکم یعنی وُہ آلہہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہاری پکار نہیں سُنتے کیونکہ وُہ جماد ہیں ان میں رُوحیں نہیں ہیں۔ ولو سمعوا ما استجابوا لکم یعنی اس چیز پر قادر نہیں جو تم ان سے طلب کرتے ہو۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے یعنی تم سے بیزاری ظاہر کریں گے، اور یہ آیتِ کریمہ بھی قول باری تعالیٰ : ومن اضل ممن یدعومن دون اللہ کی مانند ہے یعنی اس میں بھی اصنام کے پکار پر نہ پہنچنے اور غافل و بیخبر ہونے کا بیان مقصود ہے جس طرح کہ یہاں پر۔

۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں :

والذین تدعون ای الذین تعبدونها من الاصنام وغیرها کائنة من دونه تعالیٰ ما یملکون من قطمیر فضلا عن ان یملك شیئا اٰخر وهو لفافة رقیقة علی النواة فمن لم یملکه کیف یستحق العبادة ان تدعوهم لقضاء حاجتکم لا یسمعوا دعاءکم لانها جمادات (الیٰ) ولو سمعوا علیٰ سبیل الفرض اوعلیٰ تقدیر کون بعضهم ذا شعور کابلیس ما استجابوا لکم لعدم قدرتهم علی الانفاع اولتبرئهم منکم ممّا تدعون لهم من الالوهیة کعیسیٰ وعزیر والملٰئکة ۔ (ص۸ ج۸)

یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو بتوں وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک پردہ کے بھی مالک نہیں چہ جائیکہ زائد کے پس جو اس قدر حقیر چیز کا بھی مالک نہیں وُہ عبادت کا حقدار کیونکر ہو سکتا ہے اگر تم انہیں اپنی حاجات پُورا کرنے کے لیے پکارو تو وُہ تمہاری پکار نہیں سُنیں گے کیونکہ وُہ جمادات ہیں اور اگر بالفرض سُن لیں یا بعض کے باشعور ہونے کی صورت میں جیسے کہ ابلیس، تو تمہاری مُراد کو پُورا نہ کر سکیں گے بسبب نفع رسانی پر قادر نہ ہونے کے یا بسبب بیزار ہونے ان کے تم سے ان میں الوہیت کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے جیسے کہ حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر اور ملائکہ (علیہم السّلام)۔

فائدہ: اقول قاضی صاحب نے سُننے کی نفی صرف اصنام اور جمادات سے کی ہے اور حاجت پوری نہ کرنے کا سبب ملائکہ اور حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر علیہم السّلام کا ان سے بیزار ہونے کو قرار دے کر باہمی فرق بھی واضح کر دیا اور بیزار نہ ہونے کی صُورت میں دُعا و شفاعت کے ذریعے حاجت پُوری کرانے کی صلاحیت و استطاعت بھی تسلیم کر لی۔

۶- امام ابنِ جریر فرماتے ہیں: یقول تعالیٰ:

ان تدعوا ایھا النّاس ھٰؤلاء الاٰلھة التی تعبدونھا من دون اللّٰہ لا یسمعوا دعاءکم لا نھا جماد لا تفھم عنکم ما تقولون ولو سمعوا ما استجابوا لکم یقول ولو سمعوا دعاءکم ایاھم و فھموا عنکم انھا قولکم بان جعل لھم سمعا یسمعون بہ ما

استجابو لكم لانها ليست ناطقة وليس كل سامع قولا متيسرا له الجواب عنه يقول تعالىٰ للمشركين به الالهة والاوثان فكيف تعبدون من دون الله من هٰذه صفته وهٰولا نفع لكم عنده ولا قدرة له علىٰ ضركم وتدعون عبادة الذى بيده نفعكم وضركم - (ص ۸۳ ج ۲۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو یہ آلہہ جنکی تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے ہو تمہاری پکار کو نہیں سنتے کیونکہ وہ جمادات ہیں جو کچھ تم کہتے ہو وہ نہیں سمجھتے اور اگر وہ تمہاری پکار سن بھی لیں اور سمجھ بھی لیں کہ وہ تمہارا قول ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ ان کو سننے کی طاقت دیدے تو جواب نہیں دے سکیں گے کیونکہ وہ ناطق نہیں اور ہر شخص جو کسی قول کا سامع ہو ضروری نہیں کہ اس کے لیے جواب دینا بھی ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ آلہہ اور اوثان کو شریک ٹھہرانے والوں کو فرماتا ہے کہ جن کی یہ حالت ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جبکہ نہ ان کے پاس تمہارا نفع ہے اور نہ نقصان پہنچانے کی قدرت اور اس ذات کی عبادت کو ترک کرتے ہو جس کے دستِ قدرت میں تمہارا نفع بھی ہے اور نقصان بھی۔

الغرض ان اکابر کے ارشادات اور دیگر مفسرینِ کرام کے اقوال سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہاں اوثان و اصنام کے سننے اور سمجھنے کی نفی کی گئی ہے اور انبیاء کرام اور رسل عظام اور ملائکہ مقربین اور اولیاء عظام سے سماع و

ادراک اور علم و شعور کی قطعاً نفی نہیں ہے۔ اور اگر نفی ہے تو پھر قریب و بعید اور دُور و نزدیک کا ان آیاتِ کریمہ میں تو فرق نہیں کیا گیا پھر نیلوی اینڈ برادران کو کیوں اپنے دعویٰ میں سچّا نہیں مانا جاتا لہٰذا اللہ تعالیٰ سچّا اور اس کا کلام و قرآن بھی سچّا ہے اور لا محالہ علاّمہ سرفراز کا دعویٰ جھوٹا اور سراسر کذب ہے بلکہ انکارِ قرآن کے مترادف نیز قرب اور بعد کا تفرقہ جسمانی اور مادی اور مکانی اشیاء کے لیے ہوتا ہے سراسر نُور اور تجرد مطلق اور لا مکانی کیلئے دُوری ثابت کرنا خلافِ عقل بھی ہے جیسے کہ خلافِ نصوص و نقل بھی ہے۔

علاّمہ سرفراز صاحب جواب دیں

علاوہ ازیں اگر علاّمہ صاحب اپنے اس دعویٰ پر قائم ہیں تو ذرا اس عبارت کے متعلق ہمیں فتویٰ دیں کہ آیا اس میں ارتکابِ شرک ہے یا نہیں ہے۔

علاّمہ حسین احمد صاحب مدنی شیخ العلماء الدیوبندیہ رشید احمد صاحب گنگوہی کے حوالے سے شہابِ ثاقب میں تحریر فرماتے ہیں: ص ۶۱

"مرید ہم بیقین داند کہ رُوح شیخ مقید بیک مکان نیست پس مُرید ہر آنجا کہ باشد قریب یا بعید از شخص شیخ اگرچہ دُور است اما از رُوحانیت او دور نیست چوں ایں امر محکم داند و ہر وقت شیخ را یاد دارد و ربطِ قلب پیدا آید ہر دم مستفید بود و چوں مُرید در حل واقعہ محتاجِ شیخ بود شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسانِ حال سوال کند البتہ رُوحِ شیخ باذن اللہ او را القاء خواہد کرد مگر ربط تام شرط است"

مُرید کو یقینی علم اس بات کا ہونا چاہیے کہ شیخ کی رُوح ایک مکان کی

پابند نہیں ہے لہٰذا مُرید جہاں بھی ہو قریب جگہ یا بعید جگہ میں وہ اگرچہ شیخ کے جسم اور بدن سے دُور ہے لیکن اس کی رُوح سے دُور نہیں ہے جب اس امر کو اچھی طرح جان لے اور ہر وقت شیخ کو یاد رکھے اور قلبی ربط پیدا ہو جائے تو ہر لحظہ مستفید ہو گا اور جب مُرید کسی مشکل واقعہ کے حل میں شیخ کا محتاج ہو تو شیخ کو دل میں حاضر کرتے ہوئے زبانِ حال کے ساتھ سوال کرے یقیناً شیخ کی رُوح اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کو القاء کر دے گی لیکن اس کے لیے ربطِ تام لازمی شرط ہے۔

۱۔ کیا پیر کے حق میں سینکڑوں ہزاروں میل دُوری کے باوجود رُوحانی معیت اور رفاقت کا اعتقاد رکھنا اور اس کا مُرید کی زبانِ حال کو سمجھ لینا اور باذن اللہ مطلوب و مقصود حل کر دینا اور ہر دَم افادہ اور فیضان سے مشرّف کرتے رہنا تو قابلِ تسلیم ہے مگر تمام رسُولوں کے رسُول اور انبیاء کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایسا عقیدہ شرک ہے اور دیگر معظّمین کے حق میں بھی ایسا نظریہ شرک ہے؟

۲۔ پیر کے حق میں قرآنِ مجید کی کس آیت سے اس عقیدہ کا قطعی اثبات پایا گیا ہے کہ مُرید کو اس امر کا یقین رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور رسل و انبیاء اور مقبولانِ بارگاہِ قدس کے حق میں کونسی خصوصی نص دستیاب ہو گئی (جس سے اس عقیدہ کی قطعی نفی پائی گئی) نیز قبل از وفات اور بعد از وفات کا تفاوت کس نص سے ثابت کیا گیا ہے؟ حالانکہ اکابرینِ اُمت قطعاً اس تفرقہ کو تسلیم نہیں کرتے کما صرح بہ الشیخ المحقق۔

۳۔ نیز دُنیاوی زندگی میں رُوح کا بدن سے حلولی تعلق ہوتا ہے اور رُوح بدن

میں مقید ہوتی ہے تو اگر ایسی حالت میں مُرشد کی رُوح بدن کے برعکس سینکڑوں ہزاروں میل دُور رہنے والے مُرید کے قریب بلکہ اس کی جلیس اور ہمنشین ہو سکتی ہے تو وفات کے بعد کیونکر اپنے مُریدین اور متعلقین سے قریب تر اور انکی جلیس وہمنشین نہیں ہو سکتی جبکہ اس کا بدن میں حبس اور تقید ختم ہو جاتا ہے اور اس کو مکمّل آزادی میسّر ہو جاتی ہے اور بالخصوص کاملین کی ارواح جو ملاءِ اعلیٰ کیساتھ شامل ہو جاتی ہیں اور مدبرات امور میں اور کارکنانِ قضا و قدر میں شامل ہو جاتی ہیں جیسے کہ اکابر مفسرین و محدّثین کی تصریحات سے ثابت کیا گیا ہے۔

۴۔ علاوہ ازیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ وُہ کونسا پیر ہے جس کو مُریدین کے ساتھ اس سے زیادہ پیار اور انس اور محبّت و مودت اور رافت و رحمت اور توجّہ والتفات اور لُطف و کرم کی نظر و نگاہ ہو گی جس قدر رحمتِ مجسّم نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اپنی اُمّت کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (سُورۃ التوبہ آیت ۱۲۸)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (سُورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)

ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ.

(سُورۃ الاحزاب آیت ۶)

تو جب آپ مومنین کے لیے بالعموم بھی اور بالخصوص بھی پیکرِ رحمت ہیں اور ان کے لیے ان کے نفوس و ارواح سے بھی زیادہ قریب ہیں تو پھر آپ

کی طرف حلِ مشکلات میں متوجہ ہونا کیونکر درست نہیں ہوگا اور قضا حاجات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بارگاہِ اقدس میں التجا کیونکر جائز نہیں ہوگی؟

۵۔ اگر مُرید اپنے پیر کی رُوح کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھے اور حلِ مشکلات میں معاون و مددگار سمجھے تو کیا یہاں پر عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنے والے عقیدہ کا تحقق اور غیر طبعی طور پر اسباب کو حرکت میں لاکر حاجت بر لانے اور مشکل حل کرنے کا نظریہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر گنگوہی صاحب اور مدنی صاحب کو بھی کافر و مشرک بلکہ مبداء کفر و شرک کہو اور اگر یہ عقیدہ و نظریہ نہ کفر و شرک ہو اور نہ اس کے پرچارک کافر و مشرک ہوں تو ہم اہل السُنّت نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رُوحانی اور نورانی حیثیت سے اپنے احوال پر مطلع اور اپنے قریب سمجھ لیں اور دُعا و التجا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مشکلات حل کرانے والے اور حاجات بر لانے والے سمجھ لیں تو ہم کیونکر کافر و مشرک ٹھہریں گے اور ہمارا یہ عقیدہ و نظریہ کیونکر کفر و شرک ٹھہرے گا؟ جبکہ دیوبندی شیخ اور پیر کو بالفرض یہ کمال نصیب ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی ہوگا اور نبی الانبیاء علیہ وعلیہم السلام اور دیگر محبوبانِ خداوند تعالیٰ کو اس سے ارفع و اعلیٰ ترین کمالات و اختصاصات حاصل ہیں تو وہ بھی محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہیں بالخصوص آپ کے حق میں آیاتِ کریمہ اور احادیثِ طیّبہ شاہدِ صادق اور دلیلِ ناطق بھی ہیں جبکہ دیوبندی شیخ کے حق میں ایسی کوئی دلیل بھی موجود نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ملّتِ دیوبندیہ میں شرک اور کفر صرف اور صرف

نبی الانبیاء علیہم السّلام میں ہی ایسے عقائد و نظریات کی صورت میں پایا جاتا ہے مگر دوسرے جس کسی میں بھی ایسے کمالات تسلیم کر لو خواہ ابلیس اور شیطان لعین میں بھی مان لو کفر و شرک لازم نہیں آسکتا اور یہی عندیہ اور عقیدہ گنگوہی صاحب اور انبیٹھوی صاحب نے براہینِ قاطعہ میں کھل کر بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا علماءِ دیوبند کا اختلاف عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے نہیں شخصیات کے لحاظ سے ہے۔ اگر عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے ہوتا تو ہر ایسے شخص پر کفر و شرک کا فتوٰی لگاتے جو کسی بھی غیر اللہ میں علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونے اور مشکلات حل کرنے اور حاجات بر لانے کا عقیدہ رکھتا۔ جب ایسے نہیں اور بالکل نہیں، جیسے کہ ان کی تصریحات سے ظاہر ہے تو معلوم ہو گیا کہ انہیں صرف اور صرف ذاتِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عداوت اور دشمنی ہے اور آپ کے کمالات سے الرجی اور چڑ ہے مگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ ؎

تُو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اور کوئی احسان و انعام آپ کا نہ جانتے اور نہ مانتے تو کم از کم کلمہ پڑھانے اور ایمان و اسلام کی دولت کے حصول میں اہم ترین اور عظیم ترین وسیلہ اور ذریعہ ہونے کا ہی پاس اور لحاظ کر لیتے تو ایسی بیباکیوں اور جسارتوں سے باز رہتے مگر معلوم ہوتا ہے یہ احساس بھی جاتا رہا ہے۔

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

الغرض اوثان واصنام والی آیات کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی پر چسپاں کرنا جہاں علماء، مفسرین اور اسلاف کرام کی تصریحات کے خلاف ہے خود دیوبندی علماء کی تصریحات اور ان کے مسلمہ نظریات اور عقائد کے بھی خلاف ہے۔

اب مزید چند حوالے ملاحظہ فرمادیں اور حقیقتِ واقعیہ کے اعتراف میں کسی بخل سے کام مت لیں اور ضد و عناد کو مکمل طور پر خیرباد کہیں۔

۷۔ تفسیر نیشاپوری میں فرمایا:

ذٰلك ان المشركين كانوا معترفين بان الاصنام ليسوا خالقين وانما كانوا يقولون انه تعالٰى فوض امور الارضيات الى الكواكب التى هٰذه الاصنام صورها وطوالعها فاخبر الله انهم لايملكون من قطمير (الٰى) ثم زاد فى توبيخ الكفرة بقوله ان تدعوهم لايسمعوا دعاءكم لانهم جماد (الٰى) والمعنى ان هٰذا الذى اخبرتكم به من حال الاوثان هو الحق۔ (ص۸۹ ج۲۲)

مشرکین اس امر کے تو معترف تھے کہ اصنام خالق نہیں ہیں اور صرف یہ دعوٰی کرتے تھے کہ اللہ تعالٰی نے زمینی کائنات کے امور ان کواکب کو

سونپ دیئے ہیں جن کے لیے یہ اصنام صورتیں اور مظاہر ہیں تو اللہ تعالےٰ نے خبر دی کہ وہ گٹھلی والے پردہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی سرزنش میں اضافہ کرتے ہوئے فرمایا اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے کیونکہ وہ جمادات اور بیجان مجسمے ہیں وَلَا ینبئك مثل خبیر کا معنیٰ یہ ہے کہ اوثان کا یہ حال جو میں نے بیان کیا ہے وہی برحق ہے کیونکہ یہ حقائق اشیاء سے باخبر کی خبر ہے۔

الغرض واضح ہو گیا کہ اس آیتِ کریمہ میں بھی اصنام و اوثان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ بوجہ جمادات ہونے کے بیخبر اور غافل ہیں اور سننے سمجھنے سے عاری اور قدرت و طاقت سے محروم ہیں اور حقیقت میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء ان کے معبود نہیں اگرچہ ذہنی صورتیں بنا کر ان پر نام ایسے مقدس ہستیوں کے اطلاق بھی کر دیں اور کسی نے الٰہ قرار دے کر ذوی العقول یعنی ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو پکارا تو بھی وہ ان سے اس دعا کی وجہ سے بیزار ہیں اس لیے وہ ان کی کوئی امداد و اعانت نہیں کریں گے کیونکہ ایسے لوگوں کی مدد کرنا گویا ان کے اس عقیدہ پر ان کی تائید و تصدیق ہو جائے گی جبکہ وہ حضرات قطعاً اس کو گوارا نہیں کر سکتے۔

۸۔ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے نہ سننے کی متعدد وجوہ بطور احتمال ذکر کی ہیں،

انکان المدعو جماداً فظاھر۔

اگر معبود و مستعان جمادات ہوں تو نہ سننا اور غافل ہونا ظاہر ہے لیکن:

اما ان کان من ذوی العقول فانکان من المقربین

عند اللّٰہ فلاشتغالہ عن ذٰلک بما ھو فیہ من الخیر
او کونہ فی محل لیس من شان الذی فیہ ان یسمع
دعاء الداعی للبعد کعیسٰی علیہ السّلام الیوم اولان
اللّٰہ یصون سمعہ عن سماع ذٰلک لکونہ مما
لا یرضٰی ان یولمہ لو سمعہ ۔ (روح المعانی ج ۷ ص۲۶)

اگر مستعان ذوی العقول میں سے ہو تو اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقربین میں سے ہے تو پھر یا اس لیے نہیں سنتا اور متوجہ نہیں ہوتا کہ وُہ ان نعمتوں میں مصروف و مشغول ہے جو اس کو حاصل ہیں یا وُہ ایسے مقام اور محل میں ہے کہ اس میں موجود ذات کی شان سے یہ نہیں کہ وُہ اتنی دُور سے پکارنے والے کی پکار کو سُنے جس طرح کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام اس وقت ہیں۔ اور یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کانوں کو ان کے بیہودہ اقوال کے سُننے سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ اللہ پسند نہیں کرتا کہ اس کو سُنا کر رنج والم میں مبتلا کرے، و ان کان من اعداء اللّٰہ اور اگر مدعو و معبود اور مستعان اللہ تعالیٰ کے اعداء میں سے ہے جیسے کہ شیاطین جِنّ اور انس تو اگر مر چکا ہے تو جس عذاب و عتاب میں مبتلا ہے اس کی وجہ سے نہیں سُن سکتا نیز فرماتے ہیں :

واعتبر بعضھم التغلیب من غیر تاویل بمعنٰی انہ
غلب من یتصور منہ الغفلۃ حقیقۃ علٰی غیرہ۔

(ص۳ جلد ۲۶)

اور بعض نے یہاں تغلیب کا اعتبار کیا ہے یعنی جن اشیاء میں درحقیقت

لاعلمی اور غفلت اعتبار کی جاسکتی تھی ان کو ذوی العقول پر غلبہ دیکر سبھی کو بمنزلہ غیر ذوی العقول کے کر دیا گیا اور انہیں کی صفات سے موصوف و متصف قرار دے دیا گیا۔

تو اس تقدیر پر بھی حقیقۃً ملآئکہ اور انبیاء و اولیاء میں غفلت و بیخبری اور بے شعوری و لاعلمی لازم نہ آئی بلکہ محض اعتبار اور فرض کے لحاظ سے اور اس تغلیب کی وجہ جواز اور امر مصحح یہ ہے کہ الوہیت کا مقتضیٰ جو علم اور سمع و بصر ہے وہ ممکن کے علم اور سمع و بصر سے مختلف ہے کیونکہ مرتبہ الوہیت میں ان کا تحقق بطور اقتضائے ذات کے ہے اور ان کا تخلف اور عدم محال ہے جبکہ مرتبہ امکان میں ان صفاتِ کمال کا تحقق بطور اقتضائے ذات نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور عطائی صفات اور ممکنہ کمالات ذاتی صفات اور وجوبی کمالات کے مقابلہ میں بمنزلہ عدم کے ہیں جیسے کہ حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : ؎

ہمہ ہر چہ ہستند ازاں کمتر اند
کہ با ہستیش نام ہستی برند

قولِ باری تعالیٰ :

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ (سورہ قصص آیت ۸۸)

اور قولِ باری تعالیٰ :

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ (سورہ الرحمٰن آیت ۲۶)

اسی نقصانِ امکان کی حکایت ہیں لیکن اس سے مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ

کی صفات عطائیہ اور کمالاتِ وہبیہ کی نفی نہیں ہو سکتی اور نہ سابقہ توجیہات کے لحاظ سے ان کا مرتبہ ذات میں سمع و بصر اور علم و ادراک سے عاری ہونا اور جمادات کی مانند ہونا لازم آیا اور نہ ہر فرد اور ہر شخص کی ندا۔ و پکار کے لحاظ سے خواہ قریب سے ہی کیوں نہ ہو اور جائز استعانت اور استمداد کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ مزید تحقیق کے لیے جلاء الصدور کا مطالعہ فرمادیں۔

دُعا بمعنیٰ عبادت و استعانت کی صورت!

مفسّرینِ کرام نے وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں دُعا کا معنیٰ بالعموم عبادت کیا ہے اور یہ حقیقت بھی ناقابلِ تردید و انکار ہے کہ مشرکین اپنے اصنام و اوثان کی عبادت کرتے تھے جیسے کہ ان سے حکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝

(سُورۃ الشعراء آیت ۷۱)

اور ارشاد فرمایا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔

(سُورۃ الزمر آیت ۳)

وغیر ذٰلک من الآیات، لہٰذا دُعا کی تفسیر و تعبیر عبادت سے کرنے پر علماءِ دیوبند کے چیں بجبیں ہونے اور غم و غصہ ظاہر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اس کو تحریف قرار دینا اکابر مفسّرین پر افتراء اور بہتان ہے۔

عبادت کو دُعا سے تعبیر کرنے کی وجہ مصحح

رہی اس تعبیر کی وجہ جواز تو وُہ یہ ہے کہ عابد اپنے معبُود کو دورانِ
عبادت پُکارتا بھی ہے جس طرح ہر نماز میں اَللّٰھُمَّ وغیرہ استعمال کرتے
ہیں تو دُعا رو پُکار عبادت کا جز ٹھہری لہٰذا اس جز کے ساتھ کل کو تعبیر کرتے
ہُوئے یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فرمادیا گیا جس طرح قرأت نماز میں جزو
اور رُکن ہے تو نماز کو قرابت کے ساتھ تعبیر کرتے ہُوئے فرمایا:

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا○

(سُورَہ اسرار آیت ۷۸)

اور کہیں رکوع سے اور کہیں سجود سے اور کہیں قیام سے نماز کو تعبیر کیا گیا یہ
ہے۔ تسمیۃ للکل باسم الجزاِسی طرح یہاں بھی اسی قسم کا مجازی اطلاق مراد ہے ج
ورنہ تمام مفسرین کرام کو قرآنِ مجید میں تحریف کا مرتکب ماننا پڑے گا جو کسی ر
بھی دانشمند مُسلمان کے بھی لائق نہیں ہے۔

دُعا اور استجابت کے اطلاقات و معانی مستعملہ

نیز جب عبادت کی جگہ دُعا کا لفظ ذکر کیا گیا اور اس کے مناسبات تت
سے ہے جواب دینا اور پُکارنے پر مدد کے لیے پہنچنا وغیرہ تو ترشیح للمجاز کے
طور پر سماع اور اجابت و استجابت کو ذکر فرما دیا گیا، جس طرح کفّار کو
نبیِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ہدایت کے لحاظ سے نفع اندوز نہ ہو سکنے

اور دلوں کو ایمان و اعتقاد خالص کے ساتھ معمور اور آباد نہ کر سکنے کی وجہ سے بمنزلہ موتیٰ اور مُردار کے قرار دے دیا گیا۔ قال تعالیٰ:

اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی (سورہ نمل آیت ۸۰)

اور مُردہ کیلئے مناسب ہے اس کا قبر میں مدفون ہونا تو انکو اصحابِ قبور سے بھی تعبیر کر دیا گیا۔ قال تعالیٰ:

وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ۝ (سورہ فاطر آیت ۲۲)

اسی طرح یہاں بھی ترشیح للمجاز کے طور پر سماع اور اجابت واستجابت کا ذکر بھی کیا گیا ورنہ نہ تو اجابت و استجابت نص ہے امداد اور اعانت میں اور نہ ہی ہر جگہ دُعا ہی استعانت و استمداد کے معنیٰ میں منحصر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بُلانے کی اہمیّت اور اس بُلاوے پر حاضری کی فرضیت اور لزوم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ ۚ (سورہ انفال آیت ۲۴)

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور رسُولِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بارگاہ میں حاضری دو اور ان کا حکم مانو جب تمہیں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بلائیں بسبب اس کے کہ وُہ تمہیں زندہ کرتے ہیں (قلبی حیات اور ایمانی زیست کیسا تھ یہاں پر اللہ تعالیٰ اور رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف سے دُعا کا صیغہ موجود ہے اور مومنین کی طرف سے استجابت کا لیکن نہ دُعا میں استمداد و استعانت والا معنیٰ مُراد ہے اور نہ ہی استجیبوا میں امداد و اعانت والا

اور نہ ہی دعا میں عبادت والا معنیٰ مراد ہے اور نہ استجابت میں قبولیت عبادت والا۔ اسی طرح شیطان اور اس کے متبعین کا روزِ قیامت کا معاملہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ (سورہ ابراہیم آیت ۲۲)

اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا سب کام بیشک اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر کچھ حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا میری بات کو تو الزام نہ دو مجھ کو اور الزام دو اپنے آپ کو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچو۔

مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ (سورہ ابراہیم آیت ۲۲)

میں منکر ہوں جو تم نے مجھ کو شریک بنایا اس سے پہلے۔

ان کلماتِ طیبات میں شیطان کی طرف دعا کا صیغہ منسوب ہے اور اس کے اطاعت گزاروں کی طرف استجابت کی نسبت کی گئی ہے لیکن نہ شیطان ان کا عابد اور نہ ان سے امداد و اعانت کا طالب اور نہ وہ اس کے معبود اور نہ معین و مددگار، لہٰذا دعا کا معنیٰ عبادت اور استعانت معنیٰ مجازی ہے اور

محتاجِ قرار نہ ہے اور چونکہ کفارِ مکہ اور مشرکینِ عرب وغیرہ اپنے اوثان و اصنام کو آلہہ سمجھتے تھے اور ان کی پرستش بھی کرتے تھے اور انہیں کو اپنا معاون و مددگار حقیقی بھی سمجھتے تھے جیسے کہ الوہیت کا تقاضا ہے کہ کمالاتِ ذاتیہ اور استقلال کے طور پر تدبیر و تصرف کی قدرت و طاقت ہو لہٰذا اس دعا کو عبادت یا استعانت کے معنیٰ میں لینا بالکل درست اور عین ثواب ہے لیکن اہلِ اسلام اور اہلِ ایمان انبیاء کرام اور اولیاء عظام میں نہ الوہیت تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی استقلال اور نہ اللہ تعالیٰ کو ان کی امداد و اعانت کا محتاج مانتے ہیں العیاذ باللہ ، جیسے کہ مشرکین مانتے تھے جیسے کہ :

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

کی تفسیر و تشریح میں عرض کیا جا چکا ہے بلکہ ان کی ندا ، و پکار اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا فرمانے اور سفارش و شفاعت کرنے کے لیے ہے اور انکی امداد و اعانت بھی یہی دعا اور شفاعت ہے تو اس دعا کو عبادت سمجھنا اور ان سے سفارش اور شفاعت کے سوال کو من دون اللہ سے استعانت قرار دے کر شرک کا فتویٰ جڑ دینا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔ اور صرف اہلِ ایمان کو مشرک بنانے کا شیطانی شوق اور ابلیسی مشغلہ ہے۔

ناجائز استعانت اور دعاء و پکار ،

اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبادت اور استعانت کے اپنی ذات کے ساتھ

اختصاص کو اپنے چند صفات کمال کے بعد ذکر فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (سورہ فاتحہ آیت ۱ تا ۴)

جس کا معنیٰ و مفہوم بالکل واضح بھی ہے اور مفسرین کرام اور علماء اعلام نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے کہ جبتک غیر اللہ میں الوہیت، وجوب الوجود ربوبیت، رحمتِ عامہ تامہ اور قیامت کا مالک و ملک ہونا تسلیم نہ کیا جائے اس کی تعظیم عبادت نہ بنے گی اور جبتک یہ صفاتِ کمال تسلیم کر کے سوال اور التجا نہیں کریں گے استعانت نہیں بنے گی۔ ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم علیہ السّلام کے سامنے اور حضرت یعقوب علیہ السّلام اور ان کی زوجہ محترمہ اور بیٹوں کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السّلام کے سامنے تعظیم ہی رہا عبادت نہ بن سکا جبکہ بُت پرستوں کا سجدہ اس دَور میں بُتوں کے سامنے سجدۂ عبادت ہی سمجھا گیا اور ان کو مشرک قرار دیا گیا اور بُت پرستوں کے بُتوں کے سامنے بارشوں کے حصول یا قحط سالی کے دُور ہونے کے مطالبات شرک قرار پائے لیکن رسلِ کرام سے ایسی مشکلات میں دُعا کی درخواست اور بذریعہ دُعا امداد و اعانت شرک نہ قرار پائی لہٰذا اس فرق کو نظر انداز کرنا قطعاً روا نہیں ہے اور مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کا شوق کوئی اسلامی اور ایمانی شوق نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ شیطانی مشغلہ ہی قرار پائے گا۔ اہلِ قبور انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کے مماثل ماننا برہمنی اور کافرانہ سوچ ہے۔ برہمن نے جب اہلِ ایمان سے کہا کہ اگر بظاہر بُت عاجز و قاصر ہیں تو بظاہر اہلِ قبور بھی عاجز و قاصر ہیں اور

اگر تمہارے اہلِ قبور باطنی قوّت سے امداد و اعانت کر سکتے ہیں تو ہمارے بُتوں سے بھی بسا اوقات حاجت روائی ہوجاتی ہے، بہرحال جو مقصود تمہارا اہلِ قبور سے ہے وہ مقصود ہمارا ان اصنام و اوثان سے ہے تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے اس فریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

۱- استمداد از اہلِ قبور بطریقِ دُعا است کہ از جنابِ الٰہی عرض کردہ مطلوب ما برآرند و پرستش ایں چیزہا بنا بر اعتقادِ استقلال و قدرت است کہ کفر محض است۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم صفحہ ۱۰)

یعنی اہلِ قبور سے استمداد دُعا کے طریقہ پر ہے کہ بارگاہِ خُداوندی میں ہمارے مطالب عرض کر کے حاجت روائی فرمادیں اور اوثان و اصنام میں یہ متصوّر نہیں ہوسکتا بلکہ ان کی پرستش ان کو مستقل صاحبِ قدرت سمجھ کر کی جاتی ہے جو کہ کفر محض ہے۔

لہٰذا اہلِ قبور اور فوت شدہ انبیاء و اولیاء اللہ سے اہلِ اسلام کی استعانت اور استمداد کو مشرکین کی اصنام و اوثان کی پرستش اور ان سے استمداد و استعانت پر قیاس کرنا اسلامی سوچ اور فکر نہیں بلکہ برہمنی اور ہندوانہ سوچ ہے بلکہ ان کی طرف سے الزامی اور جدلی کارروائی ہے جس کو دانستہ یا نادانستہ طور پر بعض علماءِ دیوبند نے بھی اپنا لیا ہے۔

استمداد و استعانت کی جائز صورتیں

۲- شیخِ اجل شیخ المحققین حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لیت شوی چہ می خواہند ایشاں باستمداد وامد ؛ کہ ایں فرقہ منکراند آنرا آنچہ ما می فہمیم ازاں ایں است کہ داعی محتاج الی اللہ دعا میکند خدا را و طلب میکند حاجت خود را از جناب عزت و غنائے وے و توسل میکند بروحانیت ایں بندہ مقرب و مکرم در درگاہ عزت وے و میگوید خداوندا برکت ایں بندۂ تو کہ رحمت کردۂ بروے و اکرام کردۂ او را و بلطف و کرمے کہ بوے داری برآوردہ گرداں حاجت مرا کہ تو معطی و کریمی۔

یا ندا می کند ایں بندۂ مقرب و مکرم را کہ اے بندۂ خدا، اے ولی وے شفاعت کن و بخواہ از خدا کہ دہد مسئول مرا و قضا کند حاجت مرا پس معطی و مسئول و مامول پروردگار است تعالیٰ و تقدس و نیست ایں بندہ درمیاں مگر وسیلہ و نیست قادر و فاعل و متصرف در وجود مگر حق سبحانہ و تعالیٰ و اولیاء خداوند تعالیٰ فانی و ہالک اند در فعل الٰہی و قدرت و سطوت وے و نیست ایشاں را فعل و قدرت و تصرف نہ اکنوں کہ در قبور اند نہ در آں ہنگام کہ زندہ بودند در دنیا۔ (اشعۃ اللمعات ص۴۰۱ ج ۳)

کاش میری بصیرت اور فہم و فراست اللہ تعالیٰ اس گروہ کو عطا فرماتا جو کہ اہلِ قبور سے استمداد و استعانت کے منکر ہیں کہ آخر ان کا مقصود کس قسم کی استعانت و استمداد کا انکار ہے۔ جو کچھ استمداد و استعانت سے ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے احتیاج و افتقار کے تحت اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے اور اس کی بارگاہ عزت اور استغناء سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے اور اس بندہ مقرب و مکرم سے توسل کرتا ہے

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عزت میں اور کہتا ہے کہ اے خداوند تعالیٰ اپنے اس بندہ مکرم کے طفیل اور ان کی برکت سے جس کو تُو نے اپنی رحمت سے نوازا اور اس کو اعزاز و اکرام بخشا ہے اور بطفیل اس لطف و کرم کے جو تیری طرف سے اس پر ہے میری یہ حاجت بر لا کیونکہ تُو ہی عطا کرنے والا کرم فرمانے والا ہے۔

یا اس بندہ مقرب و مکرم کو پکارتا ہے اے اللہ تعالیٰ کے مقبول و مقرب بندے اور اس کے ولی اور محبوب میری شفاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میرا مطلوب مجھے دے اور میری حاجت کو پورا فرمادے۔ پس عطا کرنے والا اور سوال کیا جانے والا اور اُمید و آرزو کا مرکز و محور صرف اور صرف پروردگار تعالیٰ و تقدس ہے اور یہ بندہ مقرب و مکرم درمیان میں محض واسطہ و وسیلہ ہے اور قادر و فاعل اور وجود مطلوب اور ایجاد مسئول میں متصرف صرف حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب لوگ اس کے فعل اور قدرت و سطوت میں فانی اور ھالک ہیں اور نہیں ہے ان کے لیے فعل و تاثیر اور نہ قدرت و تصرف حقیقی نہ اب جبکہ قبور میں ہیں اور نہ اس وقت جبکہ دُنیا میں ظاہری حیات کیساتھ موجود تھے۔

۳۔ اگر ایں معنیٰ کہ ذکر کردیم موجبِ شرک و توجہ بما سوائے حق باشد چنانکہ منکر زعم کند پس باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دُعا از صالحان و دوستانِ خداوند در حالت حیات نیز و ایں ممنوع نیست بلکہ مستحب و مستحسن است باتفاق و شائع است در دین۔

اور اگر استمداد و استعانت کا یہ معنیٰ جو ہم نے ذکر کیا ہے شرک ہے اور من دون اللہ کی طرف توجہ کا موجب ہے جیسے کہ منکرین کا خیال فاسد ہے تو چاہیے کہ صالحین اور محبوبانِ خداوند تعالیٰ سے ظاہری حیات میں بھی توسل اور دُعا طلب کرنے کو ممنوع قرار دیدیا جائے حالانکہ یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ باتفاق علماءِ اُمت مستحب اور مستحسن ہے دین میں شائع اور معروف و متعارف ہے۔

نوٹ : حضرت شیخ محقق کے حوالے سے یہی تحقیق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزیہ میں صفحہ نمبر ۸۸ جلد ۲ پر ذکر فرمائی ہے اور اس تحقیق پر یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حالت حیات اور حالت ممات میں استمداد کے جواز اور عدم جواز میں فرق کرنا علماءِ اُمت کے نزدیک سراسر لغو ہے۔

کیا بُت پرست بھی اپنے بتوں کو شفیع مانتے تھے؟

برہمن کے اس مغالطہ اور فریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں :

۴۔ وآنچہ بُت پرست گفت من ہم از بتان خود شفاعت می خواہم چنانچہ شما از پیغمبران و اولیاء شفاعت میخواہید دریں کلام ہم دغل و تلبیس است زیرا کہ بُت پرستاں ہرگز شفاعت نمی خواہند بلکہ معنیٰ شفاعت را نمی دانند و نہ در دل خود تصوّر می کنند۔

معنیٰ شفاعت سفارش است و سفارش آنست کہ کسے مطلب کسے را از غیر خود بعرض و معروض ادا سازد و بُت پرستاں در وقت درخواست

مطالب خود از بتاں نمی فہمند و نمی گویند کہ سفارش ما بحضور پروردگار نمایند و مطالب ما را از جناب او تعالیٰ برآرید بلکہ از بتان خود درخواست مطلب خود میکنند - (فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم صـ۱۰۷)

وُہ جو بُت پرست نے کہا ہے کہ مَیں بھی اپنے بُتوں سے شفاعت طلب کرتا ہُوں جیسے کہ تم پیغمبروں (علیہم السّلام) اور ولیوں سے شفاعت طلب کرتے ہو تو اس کلام میں بھی دھوکہ اور فریب کاری ہے کیونکہ بُت پرست لوگ ہرگز بُتوں سے شفاعت طلب نہیں کرتے بلکہ وُہ شفاعت کا معنیٰ بھی نہیں جانتے اور نہ ہی اپنے دل میں اس کا تصوّر کرتے ہیں۔

شفاعت کا معنیٰ و مفہُوم ہے سفارش اور سفارش یہ ہے کہ کوئی شخص دُوسرے کا مقصد و مطلب اپنے ماسوا سے عرض و معروض کے ذریعے پُورا کرا دے اور بُت پرست اپنے مطالب اور حاجات کی درخواست اور طلب کے وقت ہرگز نہ یہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی کہتے ہیں کہ پروردگار جلّ وعلیٰ کے حضور ہماری سفارش کیجیے اور ہمارے مطالب و مقاصد اس کی بارگاہ سے پُورے کراؤ بلکہ وُہ اپنے بُتوں سے ہی اپنے مطالب بر لانے کی درخواست کرتے ہیں اور انہی کو حاجت روا اور مشکل کُشا سمجھتے ہیں۔

فائدہ : حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس کلامِ حقیقت ترجمان سے واضح ہو گیا کہ انبیاء و رسل علیہم السّلام اور اولیاء و اصفیاء سے اہلِ اسلام کی استعانت و استمداد کی حقیقت کیا ہے اور کفّار و مشرکین کی اپنے اوثان و اصنام سے استمداد و استعانت کی حقیقت کیا ہے، لہٰذا دونو کو ایک قرار دیکر

اہلِ اسلام کو ابوجہل اور ابولہب جیسا مشرک قرار دے ڈالنا سراسر ظلم و تعدی اور عدوان و طغیان ہے۔

نیز اگر یہ استعانت و استمداد جو اہل السنّت انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء معروفین علیہم الرضوان سے کرتے ہیں شرکِ جدید ہے اور قدیم و جدید شرک اور مشرکین میں بقول علامہ سرفراز صاحب ذرّہ بھر فرق نہیں، تو پھر مہربانی فرما کر حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی پر اور ایسے ہی عقیدہ والے دیگر حضرات پر بھی شرک کا فتویٰ صادر فرما دیں کیونکہ جو استعانت و استمداد غیر اللہ سے شرک ہو تو اس کو جائز بلکہ مستحب اور مستحسن قرار دینے والے کفر و شرک کو حلال بلکہ مستحب و مستحسن سمجھ کر لامحالہ کافر و مشرک ہو جائیں گے کیونکہ جو عمل کفر و شرک ہو اس کی اباحت اور استحباب کا عقیدہ بھی لامحالہ کفر و شرک ہو گا تو ان دونوں کو مشرک کہنا ضروری ہے بلکہ سب سے بڑے مشرک یہی ٹھہرے جنہوں نے دوسروں کے لیے اس شرکِ صریح کا دروازہ کھولا اور اس کو مستحب و مستحسن قرار دیا، اور بت پرستی سے اعلیٰ شبہ اور وسوسہ کو دور کر کے اہلِ اسلام کا ڈر خوف اور فکر و اندیشہ ختم کر دیا اور اگر یہاں فتویٰ لگانے کی جرأت نہیں تو دوسرے اہلِ اسلام کو بھی اپنے اس بے بنیاد فتوے سے معاف رکھیں بلکہ خود بھی اس سوچ سے باز آئیں اور اس ہندوانہ زعمِ فاسد اور خیالِ باطل کو دل و دماغ سے ہمیشہ کے لیے نکال دیں۔

گلدستۂ توحید

شرک کے ستون

مافوق الاسباب طریق پر اُمید نفع اور دفع مضرت کے وقت غیر اللہ کو پکارنا اس لیے شرک ہے کہ شرک کے اصولی طور پر تین ستون ہیں:

۱۔ پکارنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جس کو میں پکار رہا ہوں وہ میرے حال سے آگاہ ہے اور میری مصیبت کی اس کو خبر ہے یعنی وہ عالم الغیب یا عالم ماکان ومایکون ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے دوسروں کو قیامت تک بھی پکارا جائے تو انہیں اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔

وھم عن دعاءھم غفلون

اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

۲۔ یہ کہ پکارنے والا سمجھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ میری حالت کو دیکھتا اور میری آواز کو سنتا ہے یعنی حاضر و ناظر ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ (سورہ فاطر آیت ۱۴)

کہ اگر تم ان کو پکارو وہ سنیں نہیں پکار تمہاری اور اگر سنیں تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر بھلا دور سے بجز پروردگار کے اور کون سنتا ہے اور پھر کام پورا کر سکتا ہے۔

۳۔ پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ مجھے نفع دینے اور تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ جن کو تم پکارتے ہو وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں نہ زمینوں میں نہ آسمانوں میں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝

(سورہ اسرا آیت ۵۶)

سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تمہاری تکلیف اور نہ بدل دیں۔

گلشنِ توحید و رسالت

فوق الاسباب اور تحت الاسباب اور غائبانہ کی تخصیصات کی لغویت

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فوق الاسباب اور تحت الاسباب کا فرق بھی لغو اور باطل ہے اور غائبانہ کی پخ بھی لغو اور باطل ہے۔ اگر کوئی قریب موجود غیر اللہ کو اپنا رازق اور حاجت روا سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھے تو کیا یہ شرک نہیں ہے؟ اگر کوئی اپنے حواس اور مشاعر اور اعضاء اور قوٰی اور دیگر اسباب کو اپنے مدرکات اور متعلقات میں مستقل موثر سمجھ لے اور دیکھنے اور سننے وغیرہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج نہ سمجھے تو کیا یہ مشرک و کافر نہیں ہوگا؟ کوئی پیاس بجھانے میں پانی کو اور بھوک دور کرنے میں طعام کو اور بیماری دور کرنے میں دوا کو مستقل موثر سمجھے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا ان امور میں محتاج نہ سمجھے

تو کیا وُہ مشرک اور کافر نہیں ہوگا؟ ہمارا ایمان وعقیدہ تو یہی ہے کہ ان اشیاءَ کو مستقل مؤثر اور علّتِ تامہ سمجھنے والا کافر و مُشرک ہے اور جو مؤثر حقیقی صرف اللّٰہ تعالیٰ کو سمجھے اور ان امور کو اسباب عادیہ اور وسائل اور وسائط سمجھے صرف وہی مومن و موحد ہے۔

سرورِ عالم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم قیلولہ فرما رہے تھے اور صحابہ کرام دُور درختوں کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ ایک کافر شخص آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے سرِاقدس پر جا کھڑا ہُوا اور آپ کی تلوار میان سے نکال کر لہراتے ہوئے کہا، من یمنعك منی۔ اَب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے تو آپ نے فرمایا میرا اللّٰہ! اتنا فرمانا تھا کہ تلوار کافر کے ہاتھ سے گر گئی اور وُہ لرزہ براندام ہوگیا۔ آپ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر لہرائی اور فرمایا من یمنعك منی۔ اَب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے تو اس نے کہا بس آپ ہی کرم کریمانہ اور درگزر سے کام لو تو بچ سکتا ہوں ورنہ نہیں جیسے کہ بُخاری ومُسلم کی متفق علیہ روایت میں ہے اور مسند امام احمد اور صحیح ابُوبکر اسمٰعیلی میں مروی ومنقول ہے۔

فقال من یمنعك منی قال اللّٰہ فسقط السیف من یده فاخذ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ السیف فقال من یمنعك منی فقال کن خیر اٰخذ۔ وفی روایة ابن اسحٰق دفع جبرئیل فی صدره فوقع السیف من یده فاخذه النّبی فقال من یمنعك انت منی

قال لا احد قال قم فاذھب لشانك ۔

(مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ جلد رابع ص۲۹ باب التوکل)

اگر تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا کوئی فرق نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نظر میں بھی ہوتا تو کافر کی منّت و سماجت فرماتے اور عفو و درگزر کا مطالبہ کرتے جس طرح کہ اس نے اپنی ہلاکت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تحت الاسباب دیکھی تو منت و سماجت کرنے لگا مگر نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی موت اور شہادت کو اس وقت بھی تحت الاسباب نہ سمجھا اور اللہ تعالیٰ پر نظر رکھی لہٰذا تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا فرق سراسر غلط ہے حقیقی مؤثر اور مدبّر و متصرّف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور جس طرح ظاہری اسباب اشیاء کے ہوتے ہیں باطنی اسباب بھی ہوتے ہیں۔ جہاں مادی اسباب موجود ہوتے ہیں رُوحانی اسباب بھی موجود ہوتے ہیں جس طرح شاہ عبدالعزیز قدّس سرّہٗ کے حوالے سے گزر چکا کہ استمداد و استعانت دو طرح پر ہوتی ہے۔

۲۔ پہلی جیسے نوکر اور گدا امیر اور بادشاہ سے طلب کرتے ہیں اور عوام النّاس اولیاء کرام سے دُعا کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے فلاں مقصد کے لیے دُعا کر کے وُہ کام کرا دیں اور یہ استعانت شرع شریف میں زندہ اور فوت شدہ دونوں سے جائز ہے۔

۳۔ نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں العین حق، نظرِ بد برحق ہے۔ اگر یہ نظرِ بد لوگوں کے نقصان و ضرر کا سبب ظاہری ہے اور مادی اور طبعی سبب

سے ہے تو ولیِ کامل اور محبوبِ خداوند تعالیٰ کی نظر نفع کا سبب باطنی بھی ہو سکتی ہے۔ اگر حسد کی زہر آلود نگاہ کسی جانور کی منفعت ختم کر دے اور حسین وجمیل شئی کو ہلاکت کے قریب پہنچا دے تو اس کے برعکس ولی کی نظر اس منفعت کو بحال کر دے اور ہلاکت سے بچا لے کیا یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر یہ شر تحت السبب ہے تو اس کا مقابل خیر بھی تحت السبب ہے۔

۴۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

فکیف نظر الولی حیث یجعل الکافر مومنا والفاسق صالحا والجاھل عالما والکلب انسانا۔

تو نگاہِ ولی کی کیا شان ہے جو کافر کو مومن اور فاسق کو صالح و پرہیزگار اور ناقص کو کامل، جاہل کو عالم بلکہ کتے کو انسان بنا دیتی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ نورِ خداوند تعالیٰ کے ساتھ منور ہوتی ہے۔

فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ۔ (بخاری شریف جلد ثانی باب التواضع ص ۹۶۳)

الغرض اسباب ظاہرہ ہوں یا باطنہ مادی ہوں یا روحانی دوائیں ہوں یا غذائیں اور حکیم و ڈاکٹر ہوں یا حکام و امراء اور انبیاء و رسل ہوں یا اولیاء و اصفیاء یہ سب حقیقی مؤثر اور حقیقی مدبر و متصرف نہیں حقیقی مؤثر و متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے اور باقی سب اس کے امر اور اذن سے ہی تاثیر کرتے رہیں اور تصرف و تدبیر بھی۔ کوئی دوائی کو مستقل مؤثر سمجھے تو بھی مشرک و کافر اور جادو اور نظرِ بد کو مستقل مؤثر سمجھے تو بھی مشرک و کافر اور نبی و ولی کو بھی مستقل

مؤثر سمجھے تو بھی مشرک و کافر! ؎
حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

علامہ سرفراز کے شرکی ستونوں کی حقیقت

علامہ صاحب نے شرک کے جو ستون گنوائے ہیں اب صرف انکے متعلق عرض کرنا ہے کہ کیا ان میں سے ہر ایک مستقل ستون ہے یا تینوں باہم مل کر۔ اگر پہلی شق مراد ہوتی تو استمداد و استعانت میں ان کو شامل کرنے کی ضرورت نہ تھی اکیلی ہی استمداد و استعانت من دون اللہ سے شرک قرار پاتی جب وہ شرک صرف اس صورت میں ہوئی جب اس من دون اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھا جائے تو معلوم ہوا عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھے بغیر کسی غیر اللہ کو بیشک مستقل مؤثر اور مدبر و متصرف سمجھ لیا جائے وہ کفر و شرک نہیں بلکہ جائز اور عین صواب ہے۔ پانی کو پیاس بجھانے میں، روٹی کو بھوک دور کرنے میں، دوا کو شفا دینے میں اور نظر بد اور جادو کو نقصان و ضرر کی علت تامہ سمجھ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں تصرف و تدبیر اور ایجاد و تاثیر کا بلکہ انکار کر دیا جائے تو یہ عین اسلام ہوگا اور روح ایمان نعوذ باللہ حالانکہ اس عقیدہ کا بطلان کسی ہوشمند انسان پر مخفی نہیں ہے۔

علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اذا الاشیاء لا تعمل بطبعها فلا الماء یروی ولا

یشبع ولا النار تحرق ۔ (مشکوٰۃ ع ا)

کیونکہ اشیاء اپنی طبیعت کے لحاظ سے عامل و مؤثر نہیں ہوتیں لہٰذا نہ پانی سیراب کرتا ہے اور نہ روٹی سیر کرتی ہے اور نہ ہی آگ جلاتی ہے (بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہی سببِ تاثیر ہوتی ہیں)۔

اور اگر دُوسری شق مُراد ہے تو پھر استمداد و استعانت طلب کیے بغیر کسی نبی و ولی کو یا دُوسرے فرد کو بیشک عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھ لیا جائے تو کفر و شرک لازم نہیں آنا چاہیے حالانکہ ملّتِ دیوبندیہ کے لیے یہ قطعاً قابلِ قبول نہیں ہے تو پھر تینوں کے مجمُوعہ کو بھی شرک کے ستون اور مدار قرار دینا سراسر غلط ٹھہرا بلکہ دیوبندی نقطۂ نظر کے مطابق بے دینی و بے ایمانی اور کفر و شرک تو پھر علاّمہ صاحب کی یہ منطق سراسر لغو اور باطل ٹھہری ۔

شرک کے متعلّق ہمارا عقیدہ

شرک اس صورت میں متحقّق ہوتا ہے جب کسی بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں شریک ٹھہرایا جائے تو جس طرح کی صفت اللہ تعالیٰ کی ہے اسی قسم کی غیر میں مانو تو شرک ہے ورنہ شرک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا ، عالم الغیب ہونا اور قدرت و قوّت اور تدبیر و تصرّف ذاتی صفات ہیں اور غیر میں ان کا وجود و تحقّق اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ لہٰذا عطائی صفات ذاتی صفات و کمالات کے مقابل کالعدم ہوتے ہیں اس لیے یہاں شرک وکفر کا ارتکاب ہرگز نہیں ہوسکتا ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی صفات کے مظہر

کے طور پر پیدا کیا ہے چہ جائیکہ اولیاء و انبیاء علیہم السّلام۔

علماءِ دیوبند نے ملک الموت علیہ السّلام اور ابلیس لعین کے لیے علمِ محیطِ زمین کا تسلیم کرلیا[1]۔ اور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے علم سے ملک الموت کا علم زائد تسلیم کرلیا۔ اگر ان کا یہ عقیدہ شرک نہیں کیونکہ انہیں یہ وسعتِ علم اور احاطہ اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے تو ہمارے اُوپر بھی شرک کا فتویٰ لگانے کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حبیبِ مکرّم سیّد المحبوبین صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جملہ مخلوق سے ہر کمال اور وصفِ حسن میں تفوق اور برتری بخشی ہے اور امتیازی شان سے نوازا ہے۔ قُدرت و طاقت عفریت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تھی جس کے بل بوتے پر اس نے تخت لانے پر قُدرت و غلبہ کا دعوٰی کرتے ہوئے کہا انی علیہ لقوی امین اور قدرت و طاقت حضرت آصف بن برخیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی مگر محبوب اور ولی کو اللہ تعالےٰ نے قوّت و طاقت بہرحال زیادہ بخشی تھی۔

علوم و ادراکات ملائکہ اور جنّات میں بھی تھے لیکن اپنے خلیفہ حضرت آدم علیہ السّلام کو ان سے علم و ادراک میں برتری بخشی اور ان کو سلامِ عقیدت کے لیے سربسجود ہونے کا حکم دیا تو خلیفۃ اللہ فی الخلیقۃ علی الاطلاق فی السبع

---

[1] علامہ خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں لکھا اور علامہ رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب کا حرف بحرف مطالعہ کرکے تصدیق کی ہے۔ الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علمِ محیطِ زمین کا فخرِ عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے، (تا) پس اعلیٰ علیّین میں رُوح مبارک علیہ السّلام کا تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ

الطباق سیدالسادات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و ادراک اور سمع و بصر اور قدرت وطاقت کے ساتھ دوسری مخلوق کی کیا برابری ہو سکتی ہے؟ بلکہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام جن کے خداداد کمالات میں برابری اور ہمسری نہ کر سکیں انہیں بے جان مورتیوں اور مجسموں پر قیاس کرنا اور بے علم و بے شعور اور عاجز و بے بس ثابت کرنا کس قدر گندی اور غلیظ سوچ ہے اور کس قدر بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب ہے۔ حالانکہ علماء دیوبند کے اکابر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کے قائل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعمال کے پیش کیے جانے کے قائل اور قبر انور پر صلوٰۃ و سلام اور عرض و معروض سننے کے قائل۔ تو پھر غافل و بے خبر ہونے اور قیامت تک نہ سن سکنے وغیرہ کے دعوے کرنا کس قدر غلیظ اور گندہ عقیدہ ہے جو کہ اپنے اسلاف کو بھی گمراہ اور بے دین قرار دینے کے مترادف ہے۔

ایں گلِ دیگر شگفت

آپ نے علامہ سرفراز صاحب کا یہ جملہ بھی پڑھا ہوگا، "بھلا دور سے بجز پروردگار کے کون سنتا ہے؟" تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ دور ہے تو پھر اس کو حاضر ماننا غلط ہو گیا لہٰذا علامہ صاحب نے انبیاء و رسل[1] اور اولیاء و اصفیاء کے بغض و عناد میں اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے والی صفت کا بھی انکار کر دیا اور علماء دیوبند کو نئی مصیبت میں پھنسا دیا کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے تو دور سے سننا اس کی خصوصیت کیسے ہوئی اور اگر

[1] علیہم السلام۔

دُور ہے تبھی دُور سے سُنتا ہے تو پھر حاضر و ناظر ہونا اس کی صفت ہی نہ رہی چہ جائیکہ اس کی خصوصیت ہو اور غیر کو حاضر و ناظر ماننا شرک ہو بلکہ صرف ملک الموت علیہ السلام یا شیطان ہی ان کے نزدیک حاضر و ناظر رہ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؕ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۹)

کیا اللہ تعالیٰ دُور ہے؟

نیز سرفراز صاحب کہتے ہیں اللہ تعالیٰ دُور ہے۔ جبکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط

(سورہ بقرہ آیت ۱۸۶)

جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو انہیں فرمادیں کہ میں قریب ہوں۔

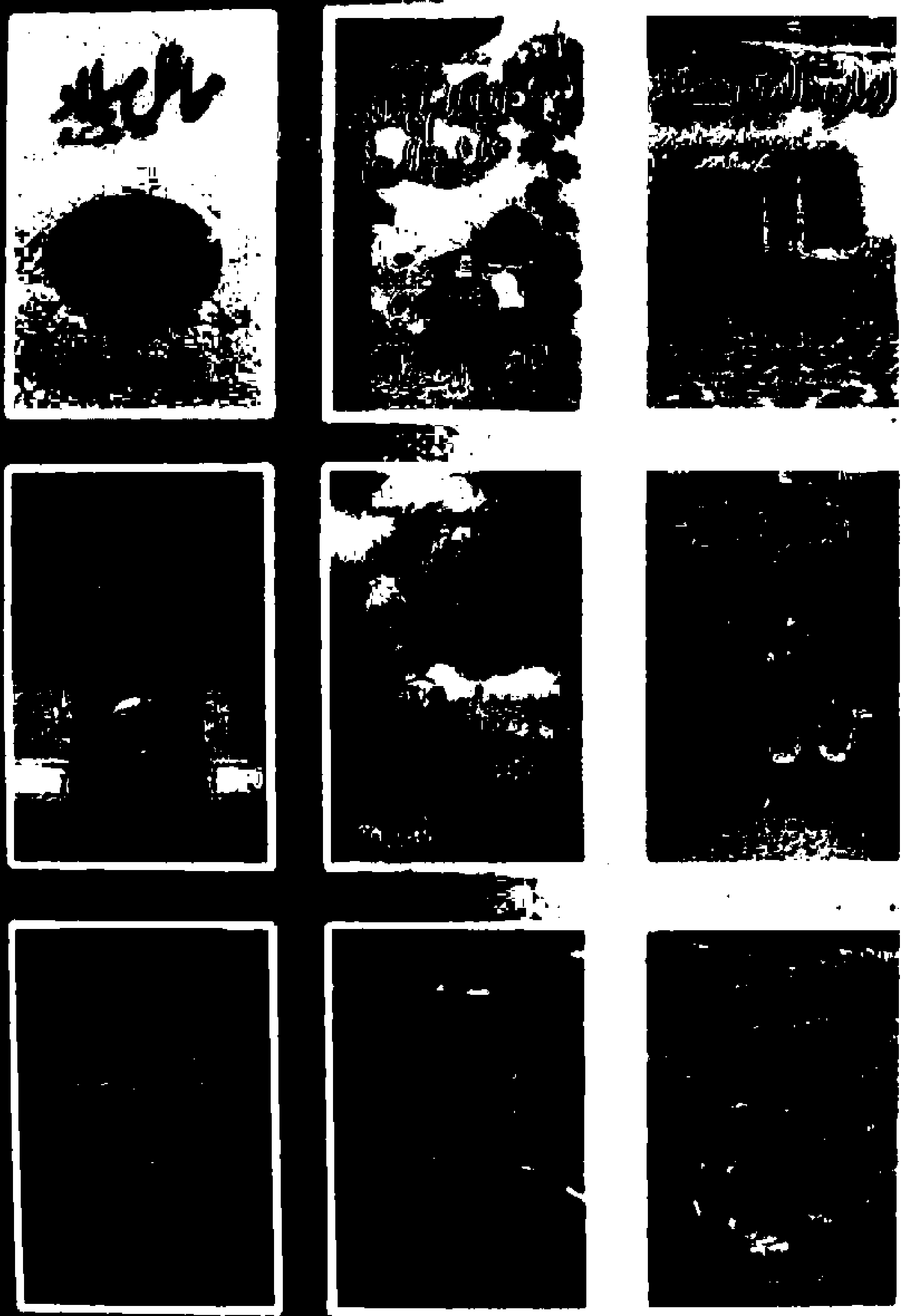
فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝

(سورہ قٓ آیت ۱۶)

ہم بندے کی شاہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں۔

تو علامہ سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ کو بھی جھٹلادیا اور قرآنِ مجید کو بھی جھٹلادیا۔



اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

0541-634759